ہر گھر کی آواز

ماہنامہ

دوشیزہ

کراچی

46th شمارہ نمبر

DECEMBER

2018

www.nineleaves.pk



گھنے اور مضبوط بال ۔۔۔ نائن لیوز کے ساتھ

Digitized by Google

MEMBER
APNS
CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

بانی
سہام مرزا



ماہنامہ

دوشیزہ کراچی



مدیر اعلیٰ ——— منزہ سہام

ایڈورٹائزنگ منیجر ——— زین شمسی

ایڈوائزر ——— دانیال شمسی

لیگل ٹیکس ایڈوائزر ——— مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

خط و کتابت کا پتا

88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابان
جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز 7، کراچی
فون نمبر: 021-35893121 - 35893122
ای میل: pearlpublications@hotmail.com

دسمبر 2018ء
جلد: 47☆ شمارہ: 12
قیمت: 70 روپے

منیجر سرکولیشن: آفتاب عالم..... رابطہ: 03343193174



Digitized by Google



سارے فسانے میں... منزہ سہام 07

زادِراہ غزالہ عزیز (اُم ایمان) 09

محفل مدیرہ اعلیٰ 18

باتیں ملاقاتیں

غزالہ عزیز (اُم ایمان) ادارہ 28

سلسلے وار ناول

منبرِ عشق سنبل 34

بادِ سموم ڈاکٹر سیمیں رخ 110

انجان ہمسفر حبیبہ عمیر 196

ناول

مکمل ناول

آنکھ کا بال سید علی ارسلان 56

میں ہاری سیاں سعدیہ سیٹھی 166

دلدل تحسین انجم انصاری 138

تیرے ماتھے پہ... بینا عالیہ 216



پرل پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ روشیزہ اور سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

Digitized by Google

افسانے

وطن واپسی	غزالہ عزیز	104
مٹی کی محبت	احمد سجاد بابر	126
ناامیدی کا سفر	مریم شہزاد	133
دیر نہ ہو جائے	ڈاکٹر عزیزہ انجم	192

دوشیزہ میگزین

دوشیزہ ٹوٹکے	جمیل النساء	244
ہمارے فن کار	ڈی خان	246
سخن زار	قارئین	248
دوشیزہ گلستان	ارم حمید	250
کچن کارنر	صومعہ شریف	256

URDU TUBE
www.urdutube.com



خصوصی مضمون

شاہ کوٹ کے در... زرافشاں فرحین 98

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ).....1000 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ.....8.000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا.....10.000 روپے

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سٹی OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی
Phone : 021-35893121 - 35893122
Email : pearlpublications@hotmail.com

Digitized by Google

سارے فسانے میں...

کہتے ہیں نا کہ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آ جاتے ہیں تو اسی طرح میرے ابا نے جان لیا تھا کہ میرے اندر بھی ایک افسانہ نگار چھپا بیٹھا ہے کیونکہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ بات کا فسانہ بنانا تو کوئی میری بیٹی سے سیکھے مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ صرف اُن کی بیٹی نہیں بلکہ کئی اور لوگوں کی بیٹیاں اور بیٹے فسانہ بنانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ جیسے پچھلے دنوں ایک نہایت تکلیف دہ واقعہ رونما ہوا' کراچی میں چینی سفارت خانے پر دہشت گردوں نے حملہ کیا' حملہ ناکام ہوا دہشت گرد سفارت خانے کے داخلی دروازے سے بھی آگے نہ بڑھ سکے' وجہ دروازے پر موجود پولیس کے دو اہلکار تھے جنہوں نے اپنی جانیں دے کر سفارت خانے کو محفوظ رکھا خبر جب میڈیا پر نشر ہوئی تو کئی لوگوں نے اپنے سر پر سہرا سجانے کی کوشش کی' جیسے SP کلفٹن محترمہ سہائے کی فل ایکشن تصاویر جاری ہوئیں۔ کُل 10 منٹ جاری رہنے والے آپریشن کو انہوں نے اپنی کامیابی گردانا چاہا' SSP صاحب بھی کچھ بولے اور کچھ دیگر ادارے بھی..... مگر شاید سب یہ بھول گئے تھے کہ عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے دیکھ تو CCTV کیمرے کی آنکھ بھی رہی تھی جس کا کنٹرول چینی حکام کے پاس تھا۔ شاید اسی لیے چینی سرکار نے فیصلہ کیا کہ ہر چینی ایک یو آن (چینی کرنسی) جمع کرے گا یوں یہ رقم 27 ارب یو آن بنے گی جو دونوں شہید اہلکاروں کے ورثاء میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔

وہی دونوں اہلکار جن کا سارے فسانے میں کہیں ذکر ہی نہ تھا.....

منزہ سہام

Digitized by Google

زادِ راہ

غزالہ عزیز

اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضؓ بنتِ عمر رضؓ



حضرت حفصہؓ نے جب ہوش سنبھالا تو والدین کو اسلام کے رنگ میں پایا اور نہ صرف والدین بلکہ قریبی رشتہ دار چچا ماموں پھوپھی سب ہی اسلام کے شیدائی بن چکے تھے۔

حضرت حفصہؓ کا تعلق قریش کے خاندان عدی سے تھا آپ عظیم صحابی رسول سیدنا حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں آپ کی والدہ زینب بنتِ مظعون تھیں جو خود بھی بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ حضرت حفصہؓ کے ماموں حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے اور بھائی فقیہِ اسلام حضرت عبداللہ بن عمر تھے۔

حضرت حفصہؓ کے والد سیدنا حضرت عمرؓ کے بارے میں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''عمرؓ کی رضا مندی اللہ کی رحمت ہے۔''

رسولؐ اللہ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ''قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا وہ عمرؓ بن الخطاب ہوں گے اور ان کا چہرہ یوں چمک رہا ہوگا جیسے سورج کی شعاعیں۔''

جب عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا کہ ''اے اللہ کے رسول کے چچازاد بھائی ابوبکر اس وقت کہاں ہوں گے؟'' تو انہوں نے فرمایا ''اس شخص کے بارے میں کیا پوچھتے ہو وہ تو ایسا خوش نصیب انسان ہے کہ جسے فرشتے بغیر حساب کتاب کے جنت میں لے جا چکے ہوں گے۔''

حضرت حفصہؓ کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے جن کے بہتر اور برتر ہونے کی شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں دی کہ ''نعم الرجل عبداللہ'' (عبداللہ بہترین شخص ہے) حضرت حفصہؓ کے چچا عظیم الشان مجاہد اور جرنیل حضرت زیدؓ بن خطاب ہے جن کی عظمتوں کے بارے میں سیدنا فاروق اعظمؓ کہتے ہیں۔

''میرا بھائی کتنا عظیم ہے کہ اُس نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور مجھ سے پہلے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کرنے میں

Digitized by Google

کامیاب ہوا۔''

حضرت حفصہؓ کے ماموں عثمان بن مظعون تھے۔ ایمان لانے کے بعد آپؓ مکہ کے سردار ولید بن مغیرہ کی امان میں تھے لیکن جب آپؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب پر اس قدر ظلم وستم توڑا جارہا ہے اور خود وہ ولید کی پناہ کی وجہ سے ہر آزمائش سے محفوظ ہیں تو تڑپ اٹھے اور دل دل میں کہا:۔

''خدا کی قسم! میرا یہ امن وسکون اور وہ بھی ایک مشرک کی امان کی بنا پر قابل افسوس ہے جبکہ رسول اللہ اور میرے سارے ساتھی ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔''

آپ ولید کے پاس گئے اور اس کی دی ہوئی امان شکریہ کے ساتھ واپس کردی۔

ولید کی امان سے نکلنے کے بعد مشرکین نے آپ سے بلاوجہ جھگڑا کیا اور ایک بدبخت کافر نے آپ کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا جس سے آپ کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ اس پر کسی نے عثمان بن مظعون سے کہا۔

''اے عثمان! خدا کی قسم تم ایک طاقتور اور معزز شخص کی پناہ میں تھے اور بڑے امن سے رہ رہے تھے۔ اگر تم نے اس کی پناہ واپس نہ کی ہوتی تو تمہاری آنکھ یوں ضائع نہ ہوتی'' حضرت عثمان نے جواب دیا۔

''اللہ کی پناہ زیادہ قابل بھروسہ اور قابل عزت ہے۔ اور میری وہ آنکھ جو صحیح سالم ہے اُس سے زیادہ ضائع ہونے والی آنکھ قیمتی ہے (کہ وہ راہ حق میں قربان ہوگئی) اور میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کی زندگیوں میں بہترین اسوہ ہے۔''

حضرت حفصہؓ ایسے جلیل القدر اور صاحب عزیمت و استقامت باپ کی بیٹی، چچا کی بھتیجی، ماموں کی بھانجی اور بھائی کی بہن تھیں۔ وہ خود بڑی عابدہ، زاہدہ، قاریہ فصیحۃ البیان اور بلیغہ الکلام تھیں آپؓ کے ساتھ قریبی رشتہ دار بدر کی جنگ میں شریک تھے جن کے نام یہ تھے والد گرامی سیدنا عمرؓ بن خطاب، چچا زیدؓ بن خطاب، خاوند خنیسؓ بن حذافہ سہمی، تین ماموں عثمانؓ بن مظعون، قدامہؓ بن مظعون، عبداللہؓ بن مظعون اور ایک ماموں زاد بھائی سائبؓ بن عبداللہ بن مظعون۔

یہ وہ اصحابہؓ بدر تھے جن کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے اہل بدر! اب تم جو چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی۔''

حضرت حفصہؓ نے ایسی عظیم ہستیوں کی قربت ومحبت پائی تھی۔ اُن کی عظمت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ:

ازدواج مطہرات میں صرف حفصہؓ ہی ایک ایسی خوش نصیب خاتون تھیں جو کبھی کبھار میرے مقابلے میں آتی۔ حضرت حفصہؓ بعثِ نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب سیلاب کے باعث کعبہ کو نقصان پہنچا تھا اور قبائل تعمیر کعبہ کے کام میں مصروف تھے۔ لیکن جب حجر اسود کے نصب کا وقت آیا تو کام رک گیا کہ عرب کا ہر قبیلہ یہ کام خود انجام دینے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ قریب تھا کہ کشمکش خطرناک صورت حال اختیار کر جائے اور اس مسئلہ پر کشت و خون کا بازار گرم ہو فیصلہ ہوا کہ کل صبح کے وقت سب سے پہلے جو بیت اللہ میں تشریف لائے گا وہ ہی یہ اعزاز حاصل کر پائے گا۔

Digitized by Google

آپؐ نے نہایت حکیمانہ انداز سے مسئلہ کو حل کیا اور تمام قبائل شاداں و فرماں مطمئن اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ تاریخ کے اس اہم واقعہ کے دنوں میں ہی حضرت حفصہؓ نے قریش کے خاندانِ عدی میں جنم لیا۔

قریش میں سفارت کا منصب خاندانِ عدی کو حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ کی ہوشیاری باریک بینی مردانگی اور رعب کے باعث اُن کے خاندان نے یہ اہم منصب حضرت عمرؓ بن خطاب کے ذمہ کردیا تھا۔ یہ ایک نہایت قابل عزت منصب تھا جو عمرؓ کو نوجوانی ہی میں حاصل ہوگیا تھا یوں تو قریش کا ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت میں بہت آگے تھا لیکن خاندانِ عدی کا اس معاملے میں کوئی ثانی نہ تھا۔

لہٰذا جب کسی معاملے میں اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کرنا مقصود ہوتا یا کسی مخالف قبیلے کے عیوب و نقائص کو اجاگر کرنے کی نوبت آتی تو قریش اپنے سفیر عمر بن خطابؓ کی جانب دیکھتے حضرت حفصہؓ نے ابھی اپنے قابل فخر باپ سے فصاحت و بلاغت میں بڑا حصہ پایا تھا۔

حضرت حفصہؓ نے جب ہوش سنبھالا تو والدین کو اسلام کے رنگ میں پایا اور نہ صرف والدین بلکہ قریبی رشتہ دار چچا ماموں پھوپھی سب ہی اسلام کے شیدائی بن چکے تھے۔ جب آپؓ جوان ہوئیں تو آپؓ کا نکاح خنیسؓ بن حذافہ سہمی سے کردیا گیا۔ جو سیدنا ابوبکرؓ صدیق کی تبلیغ سے اسلام قبول کر چکے تھے۔

یہ دور اسلام لانے والوں کے لیے بڑا پُرآزمائش دور تھا۔ قریش کے سرداروں کو بنوسہلم کے اس نوجوان کے اسلام لانے کے بارے میں اطلاع ملی تو انہوں نے اس پر بھی اپنے ظلم وستم کے انداز آزمانے شروع کردیے۔ انہیں کفار مکہ کی جانب سے شدید مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت خنیسؓ جس زمانے میں مسلمان ہوئے تھے وہ بالکل ابتدائی زمانہ تھا ابھی رسول اللہ ارقمؓ بن ارقم کے گھر میں پناہ گزین نہ ہوئے تھے۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم کے باعث رسولؐ اللہ نے صحابہؓ اکرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حضرت خنیسؓ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کرنے والے گروہ میں شامل تھے۔

لیکن حبشہ میں اُن کا دل نہ لگا انہیں ہر وقت بیت اللہ اور رسول اللہ کی محبت و بے چین رکھتی۔ لہٰذا آخر کار انہوں نے حبشہ کو خیر باد کہا اور واپس مکہ آگئے۔ یہاں ظلم وستم کا وہ ہی انداز تھا۔ آپؓ نے رسولؐ اللہ کے عشق ومحبت میں تمام ظلم وستم خندہ پیشانی سے برداشت کیے۔ کچھ ہی عرصے بعد ان کے ساتھ اس دفعہ سفر ہجرت میں غمگسار ساتھی اور شریک حیات حفصہؓ بنت عمر بھی ساتھ تھیں۔

مدینہ میں دونوں میاں بیوی رفاعہؓ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے ابن اسعد نے بیان کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے مواخات میں انہیں ابی عبسؓ بن جبیر کا اسلامی بھائی بنایا تھا۔

رسولؐ اللہ کی ہجرت کے بعد جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت خنیسؓ نے پہلے غزوہ بدر میں داد شجاعت دی اور پھر ۳ھ میں احد میں شریک ہوئے۔ جنگ احد میں میدان کارزار میں حضرت خنیسؓ نہایت بہادری سے دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اس کشمکش میں انہیں بڑے گہرے زخم لگے۔

جنگ ختم ہوئی تو لشکر اسلام کو اللہ نے کامیابی

Digitized by Google

عطا کی۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے سردارانِ قریش قتل ہوئے۔ اللہ کے رسولؐ نے اُن کی لاش بدر کے ایک کنوئیں جس کا نام ''قلیب'' تھا پھینکنے کا حکم دیا مجاہدین اسلام کا قافلہ فتح و نصرت کے جھنڈے اڑاتا مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو دیگر زخمیوں کے ساتھ حضرت حنیسؓ بن حذیفہ بھی ساتھ تھے۔

حضرت حفصہؓ نے اپنے خاوند کو زخمی حالت میں دیکھا تو اُن کی بہادری و جوانمردی کی تعریف کے لیے سورہ انفال کی وہ آیات پڑھنا شروع کیں جو معرکہ بدر کی مناسبت سے نازل ہوئیں تھیں۔

''اور یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتادی کہ تمہیں خوش خبری ہو، اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ یقیناً زبردست اور دانا ہے۔''

حضرت حفصہؓ کی زبان سے قرآن کی یہ آیات سن کر حنیسؓ بہت خوش ہوئے حضرت حفصہؓ نے انتہائی جانفشانی اور توجہ کے ساتھ خاوند کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ زخم اگرچہ خاصے گہرے تھے۔ لیکن حضرت حفصہؓ کی دیکھ بھال سے کچھ مندمل ہوگئے لیکن بالکل ٹھیک نہیں ہوئے۔ آخر انہی زخموں کے باعث چند دنوں بعد آپؓ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اُن کا نام احد کے شہداء کی فہرست میں شامل کرلیا گیا۔

جب رسول اللہ کو حضرت حنیسؓ بن حذیفہ کی شہادت کا علم ہوا تو آپؐ نے انہیں جنت البقیع میں حضرتؓ کے ماموں حضرت عثمان مظعون کے پہلو میں دفن کرنے کا حکم دیا اور خود نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت حفصہؓ کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ لیکن آپ نے نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت کیا۔ عبادت الٰہی میں انتہائی مشغول ہوگئیں۔ کثرت سے تلاوت اور کثرت سے روزے اپنا معمول بنالیا۔ جب آپؓ بیوہ ہوئیں تو اس وقت آپؓ کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔

سیدنا فاروق اعظمؓ باپ ہونے کی حیثیت سے اپنی لاڈلی بیٹی کے بارے میں فکرمند تھے۔ کم عمری اور معصومیت کے ساتھ بیوگی کی تلخی کی پرچھائیں بیٹی کے چہرے پر دیکھتے تو سوچ بچار میں پڑ جاتے آخر کار بڑی سوچ و بچار کے بعد آپؓ نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا۔ انہوں نے سوچا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی بیوی رقیہ وفات پاگئی ہیں اور میری بیٹی کی طرح وہ بھی صدمے سے دوچار ہیں۔ لہٰذا کیوں نہ اس اس سلسلے میں حضرت عثمان بن عفانؓ سے بات کی جائے لہٰذا بغیر کسی واسطے کے ان کے گھر پہنچ گئے۔

حال دریافت کرنے کے بعد مدعا بیان کیا اور اپنی دلی خواہش کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''آج میں آپؓ کے پاس اسی مقصد سے آیا ہوں۔''

حضرت عثمانؓ بولے ''فرمایئے کیا حکم ہے؟''

آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپؓ چاہیں تو میری بیٹی حفصہؓ سے نکاح کرلیں۔'' یہ بات سن کر حضرت عثمانؓ نے نگاہیں جھکالیں پھر کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور کہا کہ

''آپ مجھے سوچنے کے لیے کچھ مہلت دیجئے''

حضرت عمرؓ نے چند دن بعد دوبارہ حضرت عثمانؓ سے اسی موضوع پر بات کی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ

''ابھی میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے''

Digitized by Google

حضرت عثمانؓ کے جواب سے مایوس ہوکر حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ ''اگر آپ چاہیں تو میں بیٹی حفصہؓ کو آپ کے عقد میں دے دوں.....''

حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر قدرے مسکرائے اور خاموش ہوگئے اور نگاہیں جھکا کر کوئی جواب نہ دیا

ہمارے ہاں یہی سمجھا جاتا ہے کہ رشتہ کی پیش کش صرف مرد کی طرف سے ہونی چاہیے۔ بیٹی یا بہن کے رشتے کے لیے پیش کش کرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا حالانکہ اسلام میں یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس عمل کی فضیلت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے یعنی ''باب عرض الانسان ابنتہٗ او اختہٗ علی اھل الخیر'' (انسان کا اپنی بیٹی یا بہن کے رشتے کے لیے کسی نیک آدمی کو پیش کش کرنا)

حضرت عمرؓ کی پیش کش پر جب حضرت ابوبکرؓ نے بھی خاموشی اختیار کی تو حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا یہ صورت حال اُن کے لیے پریشان کن تھی انہیں اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی کہ اُن کی پیش کش کو یوں رد کر دیا جائے گا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ لوگ تو ان کے ساتھ رشتہ داری کو اعزاز سمجھیں گے، لیکن معاملہ تو کچھ اور نکلا۔ پریشانی کے عالم میں اپنی شکایت لے کر رسولؐ اللہ کے پاس آئے۔ اور اپنی صورت حال سے آگاہ کیا۔

آپؐ ساری بات سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا ''عمرؓ گھبراؤ نہیں، غم نہ کرو، حفصہؓ سے وہ شادی کرے گا جو عثمانؓ سے بہتر ہوگا اور عثمانؓ کی شادی اس سے ہوگی جو حفصہؓ سے بہتر ہے۔''

اپنے آقا کی زبان مبارک سے یہ بات سن کر سیدنا عمرؓ بہت خوش ہوئے کچھ حیران بھی ہوئے کہ ایسا کیسے ہوگا۔ چند روز بعد رسول اقدس نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ سے کر دیا۔ اب دوسری بات پوری ہونے کا انتظار ہے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد سید المرسلین آقائے دو جہاں نے حضرت عمرؓ سے حضرت حفصہؓ سے عقد کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

یہ سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خوشی سے جھوم اٹھے اور اپنی بیٹی کے اس بلند درجہ پر شاداں و فرماں ہوگئے۔ اس سے پہلے حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ اور حضرت عائشہؓ بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے عقد میں آچکی تھیں۔

رخصتی کے وقت والد بزرگوار حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی بیٹی کو نصیحت کی کہ ''بیٹا دیکھو کبھی عائشہؓ سے مقابلہ نہ کرنا وہ تجھ سے بہتر ہے اور اُس کا باپ تیرے باپ سے بہتر ہے۔ تُو خوش نصیب ہے کہ ام المومنین کے بلند مرتبے پر فائز ہوئی ہے۔ خدا تجھے خوش رکھے۔''

حضرت حفصہؓ کے نکاح کے بعد ایک دن حضرت ابوبکرؓ صدیق حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور فرمایا:

''میرے بھائی! ناراض نہ ہونا رسول اللہ نے ایک دن حفصہؓ سے شادی کا عندیہ دیا تھا۔ اسی لیے میں اُس روز خاموش ہوگیا تھا اور میں رسولؐ کا راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جواب میں حضرت عمرؓ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی:

''یہ میرے رب کا فعل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا نعمت کی ناشکری

Digitized by Google

کرتا ہوں۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے اُس کا شکر اس کے اپنے لیے ہی مفید ہے ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور آپ اپنی ذات میں بزرگ ہے۔"

حضرت حفصہؓ ام المومنین کے بلند مرتبے پر فائز ہونے کے بعد دین کے علم کی طرف راغب ہوگئیں۔ قرآن کی جو آیات رسول اللہ پر اترتیں انہیں فوراً یاد کرلیتیں۔ رسول اللہ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ غور سے سنتیں دل میں محفوظ کرتیں۔ رسول اللہ کے عمل کو توجہ سے دیکھتیں۔ بلکہ بعض دفعہ شرعی احکامات معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ سے سوال جواب کرتیں۔ گفتگو میں انہیں مہارت حاصل تھی۔

حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ام بشرؓ نے بتایا کہ ایک روز میں حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ رسول اللہ تشریف لائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان میں حصہ لیا ہے وہ سب جنتی ہیں۔ ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا۔"

حضرت حفصہؓ یہ سن کر بولیں "یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

آپؐ یہ سن کر غصے میں آ گئے اور حضرت حفصہؓ کو ڈانٹ دیا

حضرت حفصہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو" سورہ مریم

یہ بات سن کر رسول اللہ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

"پھر ہم اُن لوگوں کو بچا لیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

اس واقعہ کے بعد اس دن رسول اللہ کی طبیعت سارا دن بجھی بجھی سی رہی۔ حضرت عمرؓ کو جب اس بارے میں پتہ چلا تو بیٹی کو سرزنش کرتے ہوئے کہا:

"بیٹا! تُو اس طرح جس کے سامنے سوال جواب کرتی ہے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کے محبوب پیغمبر ہیں۔ وہ جو ارشاد فرمائیں خاموشی اور ادب سے سنا کرو۔"

حضرت حفصہؓ نے کہا کہ "ابا جان! عائشہؓ بھی تو ان سے اسی طرح کلام کرتی ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا "میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ اس کی نقل اور برابری نہ کرنا ورنہ اس طرزِ عمل سے اپنا نقصان کر بیٹھو گی۔ ہمیشہ ادب، اطاعت اور سلیقہ شعاری کو مدِ نظر رکھو۔"

رسول اللہ کا معمول تھا کہ نمازِ عصر کے بعد ہر ازواج مطہرات کے پاس کچھ دیر گزارتے تھے۔ ہر زوجہ آپ کا انتظار کرتیں تھیں اور منتظر رہتی تھیں کہ کب آپ تشریف لائیں۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؐ نے معمول سے کچھ زیادہ وقت حضرت زینبؓ کے ہاں گزارا۔ کئی دن جب ایسا ہوا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو شدت سے محسوس کیا اور اس کا تذکرہ حضرت حفصہؓ اور حضرت سودہؓ سے کیا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ کسی رشتے دار نے حضرت زینبؓ کے پاس شہد بھیجا ہے اور وہ روزانہ اُسے رسول اللہ کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔

چونکہ شہد رسول اللہ کو بہت پسند تھا لہٰذا اُسے نوش کرنے میں حضرت زینبؓ کے پاس آپ کو زیادہ وقت لگتا تھا۔

یہ بات حضرت عائشہؓ کو آپؐ سے والہانہ محبت

Digitized by Google

کے باعث ناگوار گزری لیکن ادب واحترام کے باعث براہ راست اظہار خیال کی جرأت نہ تھی۔ انہوں نے حضرت حفصہؓ اور حضرت سودہؓ سے بات کی۔ ایک دوسرے سے مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ جب رسول اللہ باری باری اُن کے حجرے میں تشریف لائیں گے تو ہم میں سے ہر ایک آپؐ سے یہ سوال کرے گا کہ ''یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے.....''

مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے اگر شہد کی مکھی اس کا رس چوستی ہے تو شہد میں اُس کی ناگوار سی بو محسوس ہوتی ہے رسول اللہ ہر قسم کی بو کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس بات کو سخت ناپسند کیا کہ مغافیر کی بو آپ کے دہن مبارک سے آئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے آپ پر شہد کو ممنوع قرار دے لیا۔

یہ بات کیونکہ کسی عام فرد کی نہ تھی بلکہ اُس عظیم ہستی کا معاملہ تھا جس کی ہر بات اور ہر عمل شریعت بن جاتا ہے اس لیے اللہ نے اُن سے فرمایا:

''اے نبی! تم کیوں اُس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے (کیا اس لیے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو..... اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

اسی زمانے میں رسول اللہ نے حضرت حفصہؓ سے راز کی کوئی بات کی اور فرمایا کہ اسے افشا نہ کرنا لیکن انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت عائشہؓ سے کر دیا۔

''اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کی جب اس نے دوسری کو خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس واقعے کو ظاہر کر دیا تو نبی نے اس بیوی کو اس کا قصور کچھ بتایا اور کچھ نہ بتایا اس نے عرض کی آپ کو یہ کس نے بتایا آپؐ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر اللہ نے بتایا'' (التحریم)

صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی۔ ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ نے حضرت حفصہؓ کو ایک مرتبہ طلاق دے دی پھر آپؐ نے رجوع کر لیا۔

مستدرک حاکم میں ابوبکرؓ بن ابی خیثمہ نے حضرت انسؓ بن مالک کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی۔ آپؐ کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ ''اے محمدؐ! آپؐ نے حفصہؓ کو طلاق دے دی ہے وہ تو بڑی روزے دار اور عبادت گزار ہے اور وہ جنت میں آپؐ کی بیوی ہوگی'' آپؐ نے یہ بات سنتے ہی رجوع کر لیا۔

تیز مزاج ہونے کے باوجود حضرت حفصہؓ نہایت خدا ترس تھیں عبادت الٰہی نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ کرتیں۔

۹ ہجری تک جزیرۃ العرب کے بیشتر حصے آپؐ کے زیر نگیں آ گئے تھے۔ دور دراز کے علاقوں سے مال غنیمت مدینہ آنے لگا تھا۔ غلے اور دیگر مال کی فراوانی دیکھتے ہوئے ازواج مطہرات نے گھریلو اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر بن الخطابؓ بڑے پریشان ہوئے انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ دیگر ازواج مطہرات کو بھی اس مطالبے سے دستبردار ہونے کی تلقین کی۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے کہا:

''اے عمرؓ آپؓ ہر معاملے میں دخل دیتے تھے

Digitized by Google

''جلال الدین رومیؒ''

آپؒ مولانا رومی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ بلخ میں پیدا ہوئے، بغداد میں تعلیم حاصل کی اور ترکی کے شہر قونیہ میں قیام کیا اور باقی زندگی وہیں گزار دی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپؒ کی مثنوی کو شہرتِ دوام حاصل ہے جو کہ فارسی میں ہے ایک زمانہ تھا جب فارسی ایران اور وسطی ایشیا کے بیشتر ملکوں کے علاوہ برصغیر میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ عقل و دانش اور دین سے متعلق ایسے ایسے جوہر آبدار آپؒ نے اپنی مثنوی میں اکٹھا کیے ہیں کہ آج تک ایک عالم ان سے علم و شعور کشید کرتا ہے۔ (مرسلہ: بلال احمد)

اب آپؐ نے رسولؐ اقدس کی بیویوں کے معاملے میں بھی دخل دینا شروع کر دیا ہے۔''

یہ بات سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اسی دوران رسول اللہ کے ساتھ حادثہ پیش آیا کہ آپؐ گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے۔ اب آپؐ نے ازواجِ مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے ساتھ بالا خانے پر رہائش اختیار کر لی۔ منافقوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر افواہوں کا سلسلہ شروع کر دیا کہ ''رسول اللہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔''

حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی صحابہ اکرامؓ اس صورت حال سے بہت دل گرفتہ تھے۔ لیکن کچھ پوچھنے کی جرأت نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز آپؐ سے اجازت لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ''کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟''

آپؐ نے فرمایا ''نہیں''

یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ ''کیا یہ خوشخبری عام مسلمانوں کو سنا دوں؟''

آپؐ نے اجازت دی۔

حضرت عمرؓ نے تمام مسلمانوں کو نہایت جوش و خروش سے یہ اطلاع دی کہ منافقوں کی افواہ جھوٹی ہے۔ سارے مدینہ میں یہ خوشخبری پھیل گئی۔

حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ سے وعدہ کیا کہ زندگی بھر اپنے ذاتی مصارف میں اضافے کا مطالبہ نہ کروں گی اور اس وعدہ کو پوری طرح نبھایا۔

رسول اللہ نے حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ عدویہ سے حضرت حفصہؓ کی تعلیم کے حصول کا بندوبست کیا تھا۔ انہوں نے حضرت حفصہؓ کو لکھنا اور پڑھنا سکھایا۔ رسول اللہ نے قرآن پاک کے تمام اجزاء کو یکجا کر کے حضرت حفصہؓ کے پاس رکھوا دیا تھا۔ یہ اجزاء مکمل قرآن کی صورت میں پوری زندگی آپ کے پاس امانتاً محفوظ رہے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ نے 59 سال کی عمر میں سن 41ھ میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے دن بھی آپؓ کا روزہ تھا۔ نماز جنازہ میں صحابی رسول ابو ہریرہؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے میت کو کندھا دیا بعد میں آپ کے بھائی اور بھتیجوں نے حضرت عبداللہؓ بن عمر اور ان کے بیٹے سالم، عبدالرحمان، اور حمزہ نے قبر میں اتارا۔ انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت حفصہ علم کے بلند مقام پر فائز تھیں اُن سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی۔ ☆☆

Digitized by Google



دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت رابطوں کی دلفریب محفل



دسمبر کی گلابی شام میں آپ لوگوں کے لیے 2018ء کا آخری شمارہ تیار کرتے ہوئے بہت ساری سوچوں نے میرے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے۔ ماہ وسال کس قدر تیزی سے گزر رہے ہیں کہ کبھی کبھی تو خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں دوشیزہ کا سالنامہ ہے دوشیزہ ماشاء اللہ 47 برس کی ہوگئی ہے بہت سرد وگرم کا سامنا کر کے یہ دوشیزہ یہاں تک پہنچی ہے اس لیے اس بار آپ کو شمارے میں کچھ خاصے کی چیزیں ملیں گی طویل مکمل ناولز اور ناولز کو شش کی ہے کہ سردراتوں میں پیروں پر گرم گرم لحاف ڈال کر آپ ہیٹر کے پاس بیٹھ کر دوشیزہ پڑھیں (کراچی والوں سے معذرت کے ساتھ) اور اس کے ایک ایک لفظ کو اتنا ہی انجوائے کریں جتنا میں نے کیا ہے۔

چلیے اب بڑھتے ہیں پہلے خط کی جانب۔

URDU TUBE

✉: فرحت صدیقی فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔ پیاری پیاری منزہ' السلام علیکم! سدا خوش رہو اور اپنے بچوں کے بچوں کی خوشیاں دیکھو آمین ثم آمین' نومبر کا اعزازی پرچہ دو دن پہلے ملا تھا۔ بہت خوشی ہوئی' دوشیزہ کی محفل پڑھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم سب دوشیزہ میں اکٹھی بیٹھی ہیں اور گپ شپ کے لیے علاوہ ایک دوسرے کی تحریروں کو بھی سراہا جاتا ہے۔ بہت اچھا لگتا ہے سلمٰی غزل کے لیے بہت ساری دعائیں کہ وہ اس طرح دوسرے شماروں کے ساتھ ساتھ دوشیزہ میں بھی لکھتی رہیں۔ کبھی ہم بھی اس رستے کے مسافر تھے زمرنعیم آپ کے ساتھ تحریر چوری کا جو سانحہ ہوا ہے میں دل سے آپ کے ساتھ ہوں۔ مگر کچھ کر نہیں سکتی کیونکہ یہ زخم ہم نے بھی کھائے ہیں۔ سارے خطوط نے اپنا اپنا الگ الگ ہی مزہ دیا' زاد راہ' کا سلسلہ ایمان کو تازہ کر دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں بہت جامع اور دل نشین تحریر پر اُم ایمان کو مبارکباد' منیر عشق سنبل کا ناول اچھا جا رہا ہے اگلی قسط کا انتظار ہے لیزی ڈیزی کے پھول واہ کیا کہنے' پھولوں کے' پتھر دل کو موم کر دیا' بہت گہرا اور اچھوتا خیال تھا اچھا لگا۔ صبر ایک ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو کبھی گرنے نہیں دیتی نمکین پانی کا بے حد خوبصورت جملہ' نمکین پانی ان جذبوں کا نام ہے جو اپنوں کے لیے آنکھ سے گرتا ہے خوشی ہو یا غم..... دل کا درد آنسو میں بہہ جاتا ہے۔ شکر ہے کہ رافعہ کو اتنی اچھی بہن ملی جو اس کے لیے آنکھوں میں آنسو اور دل میں اُسے اپنا کر اُس کا غم ہلکا کرنا چاہتی ہے۔ بادِ سموم' ڈاکٹر سیمیں رخ آپ جس طرح اس کہانی کو اتنی خوبصورتی سے لے کر لکھ رہی ہیں آپ کو بہت مبارکباد آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ موبل اور صاحباں دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں دونوں کا دکھ سانجھا ہے۔ شاعر تیرا ایک تلخ حقیقت مرد کی خودغرضی کی انتہا اُس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے مختصر کہانی میں بہت سچ اور بہت گہرائی تھی۔ ہائے وہ شرارہ بچیاں اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ کچھ عرصہ سسرال کی میں جی لی تو ساری زندگی وہ سکھی رہتی ہیں۔ مان

Digitized by Google

دینے سے مان ملتا ہے دلدل پڑھ کر میں حیران رہ گئی اس لیے لوگ غیر ممالک میں بچیوں کو بسانے سے ڈرتے ہیں۔ سیما کی کہانی پڑھ کر دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو دلدل سے بچالے اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے' دوسرا مرد شادی شدہ بچیوں کے لیے سبق آموز کہانی' کام اپنی جگہ' مگر شوہر کا رتبہ اور اس کے لیے آنے سے پہلے نہا دھو کر تیار ہونا خوش گوار زندگی کا حصہ ہے۔ میری ایک بچی جس گھرانے میں بیاہ کر گئی وہاں پہلے سے بڑے تین بھائی شادی شدہ تھے ساس کا حکم تھا کہ شوہر کے آنے سے پہلے ہر بیوی تیار ہو فل میک اپ کے ساتھ اور اس میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ میری بچی شروع میں بہت حیران تھی اپنے آپ کو ہمیشہ صاف ستھرا اور سجا کر رکھو یہ شوہر کا حق ہے اس طرح شوہر کبھی بھی گھر سے باہر نہیں دیکھتا۔ یہ اس کی ساس صاحبہ نے اُسے سمجھایا۔ اس کی شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں ماشاء اللہ تین بچے ہیں۔ سب بھائی علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گھر والے ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو اسمارٹ رکھنا اور تیار رہنا اُسی طرح کا ہے۔ موسم گل کا خوبصورت پیرار شتے صرف خون کے نہیں ہوتے بلکہ احساس کے بھی ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ جب خونی رشتے ہمیں راستے میں پڑے بے جان پتھر کی طرح ٹھوکر مار کر چلے جاتے ہیں۔ تو احساس کے رشتے ہی ہماری اندھیری دنیا میں جگنو کا کام کرتے ہیں۔ فرحی نعیم کا ناولٹ زبردست طمانچہ اپنے مذہب سے باہر نکل کر انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ ماں باپ کی غلطی کا خمیازہ بچوں کو بھی بھگتنا پڑتا ہے اور بچے بھی اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر لیتے ہیں دین کی سمجھ ان کو بالکل نہیں ہوتی اصول رشتے انسان صرف چند روزہ محبت میں اپنے بہن بھائی ماں باپ سب کو چھوڑ دیتا ہے۔ تو ساری زندگی اس کا درد اُسے سکون سے نہیں رہنے دیتا۔ روشنی کی زندگی ایک سبق ہے ان بچیوں کے لیے جو اس راستے کو اپنا لیتی ہیں۔ شکر ہے کہانی کا انجام اچھا تھا اور یہ صرف کہانیوں میں ہی ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ دیواریں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ جن کو کوئی بھی پھاند نہیں سکتا' توبہ توبہ..... ہریالی بی بی پڑھ کر تو روح کانپ اٹھی۔ اُف کیا اس طرح بھی ہوتا ہے اس دنیا میں' ایسے لوگوں کو تو سرعام گولی مار دینی چاہیے۔ لوگوں کو اپنا ایمان مضبوط کرنا ہوگا اور صرف اللہ کی طرف دیکھنا ہوگا۔ ورنہ ایسے خوفناک واقعات ہوتے رہیں گے۔ ماں بہو اور ساس ازل کی کہانی' ابد تک رہے گی۔ احساس کا رشتہ جنم لے لے' بہو بیٹی اور ساس ماں بن جائے۔ تو زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے ہر بچی کا خواب ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کو سجائے اور خود چلائے' اس کی مرضی ہو' تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے صبح اور شام ہوتی ہے۔ اس طرح ہر رشتہ کا بھی ایک وقت ہوا ہے ہمیں آسانیاں پیدا کرنی چاہیے۔ اور بہو کو بیٹی کا درجہ دے کر گھر اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اور خود سکون سے رہنا چاہیے۔ جس طرح میں ہوں کہتے ہیں جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں صحی کے ساتھ یہی ہوا۔ ذرا سی غلط فہمی نے پورے حالات ہی بدل دیے۔ صحی کے لیے یہ پل صراط ضرور ہے لیکن اس میں بھی اللہ کی حکمت ہوگی اس لیے اس کو بھی اب اُسے اپنا نصیب سمجھ کر اپنا لینا چاہیے تاکہ زندگی آسان ہو جائے تایا ابو کا فیصلہ وقتی طور پر تکلیف دہ ضرور ہے میرا خیال اگلی قسط اور مزے کی ہوگی۔ اب رہ گئے ہمارے فنکار' تو وہ ہمارے ہی فنکار ہیں دوشیزہ گلستان میرا پسندیدہ موضوع' سب سے پہلے اسی کو پڑھتی ہوں۔ بہت اچھا تھا' باقی رہا پکوان تو اب کوئی اتنا شوق نہیں رہا کھانے پکانے کا اور کھانے کا' اب تو سادہ ہی کھانا اچھا لگتا ہے۔ سبزی دال بہت اچھی لگتی ہے۔ چکن گوشت مشکل سے کھائی ہوں اور ہاں فش بے شک روز ہو جائے۔ منزہ جی آپ نے لکھا تھا اپنے ساتھ کچھ لمحے گزار لیے یہ لمحے ہی حاصل زندگی ہوتے ہیں۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ بہت سارے آپ کے اپنے لمحے آپ کو نصیب کرے آمین ثم آمین۔ کراچی.....!! بہت اداس ہوں کوئی بہانہ نہیں بن رہا کہ آپ سب سے اور سمندر سے ملاقات ہو جائے۔

ھ: فرحت آنٹی! مفصل تبصرہ ارسال کر کے تو آپ چھا گئی ہیں میں امید کرتی ہوں کہ اگلے ماہ بھی آپ محفل میں شامل ہوں گی۔

Digitized by Google

☒: زرافشاں فرحین لکھتی ہیں۔ محترم اور عزیز منزہ جی! السلام علیکم! خیریت موجود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی بہت شکر گزاری کے ساتھ آپ کی بھی مشکور ہوں کہ ایک بار پھر دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کے لیے منتخب کیا' ارادہ تو تھا جلد ہی محفل میں شرکت ہو اور اپنی بہنوں کی طرف سے ملنے والی حوصلہ افزائی و ستائش پر اپنی محبت اور دل کے خوبصورت احساسات شیئر کروں مگر کچھ ناگزیر مصروفیات مانع رہیں اب کاغذ قلم سنبھالا ہے تو ایک اور سعادت نصیب ہونے کے بعد دل مزید خوبصورت احساسات سے بھرا ہوا ہے عمرہ کی سعادت ملی سب کے لیے دعائیں بھی خوب کیں کہ اے رب مجھ سے وابستہ تمام رشتوں' محبتوں' دوستوں اور رفقاء کو بھی یہ سعادت نصیب ہو' اس سفر مبارک میں جو کچھ محسوس کرتی رہی قلمبند کرنے کی حقیری کوشش کی ہے اس نیت سے کہ قارئین بھی مستفید ہوں آپ کو اپنی تحریر ارسال کر رہی ہوں اگر ممکن ہو تو میگزین میں اسلامی مضامین والے حصے میں شامل فرما دیں از حد مشکور رہوں گی۔

☙: اچھی زرافشاں! اللہ تمہیں بار بار اپنے گھر آنے کی سعادت نصیب فرمائے اور تم ہر بار روضہ رسول ﷺ پر بھی حاضری دے سکو' تمہاری تحریر شمارے میں موجود ہے۔

☒: انیلا طالب گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! عزیز از جان پُر خلوص اور شگفتہ مزاج میری سویٹ اور کیوٹ سی آپی منزہ سہام آپ کو میرا بے لوث سلام قبول ہو' امید ہے خوش باش ہوں گی یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ایک اچھے حکیم صاحب کی بدولت آپ شفایاب ہو گئی ہیں ہم تو ابھی تک مارے مارے پھر رہے ہیں ڈاکٹرز کی مہنگی مہنگی میڈیسنز بھی کوئی خاص اثر نہیں دکھا رہیں پھر بھی شکر ہے گزارا کر لیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں شکریہ ادا کروں گی آپ کا کہ آپ نے انٹرویو لیا کر میری ٹیمی سمیت سب کو زبردست سرپرائز دیا۔ ابھی تک داد و تحسین سمیٹ رہی ہوں آپ کی دعا سے اب آئی ہوں جی باقاعدہ تبصرے کی جانب ٹائٹل دیکھتے پہلے تو دھچکا لگا کہ کہیں پچھلے ماہ کا رسالہ تو نہیں غلطی سے آ گیا پھر مہینے کا نام دیکھا تو شکر ادا کیا فہرست پر نظر دوڑائی ایک سے بڑھ کر ایک ستارہ موجود پایا۔ اداریہ بہترین اور بے مثال رہا کیا عنوان چنا تھا سایہ دیوار بھی نہیں' قیصرہ حیات صاحبہ کا ناول یاد آ گیا جو بے مثال تھا۔ بہت عمدہ بہت شاندار منزہ آپی اداریہ پڑھ کے محفل میں قدم رکھا تو دوشیزہ رائٹر ایوارڈز کی تقریب کا سن کر بہت ایکسائیٹڈ ہوں یقین مانیں آپ سے ملنے کے لیے بہت پاگل ہو رہی ہوں گھر والے بھی خوب کام کروائیں گے کہ اگر جانا ہے تو یہ کام کر دو وہ کرواتے ٹھنڈے ٹھار موسم میں صرف آپ کے لیے بیٹھ کر لیٹر لکھ رہی ہوں ہمارا پوسٹ مین بہت خوار کرتا ہے اگر آپ مجھے واٹس اپ پر تقریب کا ایڈریس اور تاریخ وغیرہ سینڈ کر دیں گی تو زندگی بھر مشکور رہوں گی اگرچہ اس سے پہلے لاہور سے بھی کوئی ادبی تقریبات کے دعوت نامے موصول ہوتے رہے مگر میرا دل نہیں کرتا تھا لیکن آپ کی تقریب ہو اور میں نہ آؤں یہ ہو ہی نہیں سکتا اللہ سے پرزور دعائیں کر رہی ہوں کہ تقریب لاہور میں ہو تو مزہ آئے کیونکہ کراچی آنا میرے لیے فی الحال ممکن نہیں ہے۔ باقی شمیم فضل خالق آنٹی جی آپ نے میرے انٹرویو کو پسند کیا یہ بات میرے لیے ایوارڈ کا درجہ رکھتی ہے۔ سوئٹ سنبل ڈیئر کلیم سکینہ صدف پیاری بہن سیدہ عروج فاطمہ قابل احترام خولہ عرفان جی میرا انٹرویو پسند کرنے کا دلی شکریہ سدا خوش رہیں۔ زادراہ پڑھ کر دل ایمان سے بھر گیا لیزی ڈیزی اچھا لگا افسانوں میں اب تک جو پڑھے ہیں مجھے ان میں حمیرا فضا کا افسانہ کمال کا لگا آخری جملوں نے تو رلا ہی دیا میں دل کھول کر اُن کی تعریف کر رہی ہوں میری نظر میں یہ ایوارڈ کا مستحق ہے نیئر شفقت جی آپ نے معاشرے کے بہت کامن مسئلے کو قلمبند کیا بہت سی لڑکیاں سدھر جائیں گی پڑھ کے' منبر محشق سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور مل رہا ہے تسنیم منیر علوی کے افسانے میں جہاں قید تھا دریا کو کوزے میں بند کرنے والی بات ہو گی اس کے لیے تو' تکیں پانی بھی زبردست رہا' دوسرا مرد بے حد عمدہ تحریر تھی سکینہ فرخ کی موضوع بہت حقیقی تھا۔ ہریالی بی بی حنا بشریٰ کی کہانی تو عنوان سے ہی منفرد لگی۔ انجان ہمسفر وقت مانگ رہا ہے باقی اپنی نظم اور ایک کئی ماہ پہلے کی بھیجی گئی تحریر دوشیزہ میں دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا اچھا منزہ

Digitized by Google

دعائے مغفرت

ہمارے سابق آرٹ ڈیزائنر افتخار الدین مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

آپی یاد آیا میں نے سچی کہانیاں کے لیے غالباً اگست میں دو افسانے بھیجے تھے ان میں ایک درد کا قصہ کافی منفرد موضوع پر تھا مجھے کچھ پتہ نہیں چلا اُن کے بارے میں اگر آپ کی نظر میں قابل اشاعت ہے تو لگا کر ایک بار پھر مجھے سرپرائز دیجیے اور ہاں پیاری آپی اگلے ماہ 14 دسمبر کو میری سالگرہ بھی ہے اور ایک خوشی آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کی دعاؤں سے میری کتاب چھولو آسمان شائع ہو چکی ہے جلد ہی گفٹ کروں گی آخر میں قارئین کو ایک پیغام دینا چاہتی ہوں کہ میری مایوسی سے نکال کر امید میں لانے والے موضوع پر لکھی ہائیکو شاعری کی کتاب چھولو آسمان شائع ہو چکی ہے اگر آپ سے کوئی گھر بیٹھے خریدنا چاہے تو رابطہ کر سکتے ہیں بہت سلام اور دعائیں زندگی رہی تو پھر حاضری دوں گی انشاء اللہ۔

ھ: انیلا! کتاب کی اشاعت پر دلی مبارکباد اللہ کرے کامیابیوں کا سفر اسی طرح جاری رہے۔ تمہاری تحریر میرے پاس ہے جلد شائع کروں گی اور دعوت نامے کی فکر مت کرو وہ بروقت مل جائے گا۔

✉: خولہ عرفان لکھتی ہیں۔ محترم و عزیز منزہ سہام صاحبہ، السلام وعلیکم! امید و دعاؤں کے ساتھ حاضر محفل ہوں۔ ہمارا دوشیزہ ہمیں بروقت مل گیا تھا اس کیلئے جزاک اللہ اور ہم نے پوری رغبت و محبت کے ساتھ اسکا مطالعہ بھی فرمالیا تھا اور منتظر وقت مناسب تھے (سب کے نیچے زیر لگا کر پڑھیئے گا) کہ آپکو اپنے تبصرے سے روشناس ہونے کا موقع مرحمت فرماتے مگر جیسا کہ مجھے علم ہے اور آپکو اب علم ہو جائے گا کہ..... خولہ عرفان کے ساتھ عین وقت پر ضرور کچھ نہ کچھ ایسا غیر متوقع واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے جو ناممکنات میں سے ممکنات کا ظہور کر کے اللہ کی محبتوں اور آپکے خلوص نیت پر مہر ثبت کر دیتا ہے۔ اب آپ کہیں گی کہ مجھے کہانیاں بنانے کا بہت شوق ہے وہ تو ہے لیکن میرے نظریے میں ہر کہانی حقیقت کا ہی عکس ہوتی ہے۔ خیر اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کا مقصد اس درد سے آپکو آگاہ کرنا ہے جو ابھی ابھی مجھ پر منکشف ہوا۔ یعنی نہ پوچھیں منزہ..... پچھلی دفعہ تبصرہ لکھتے وقت لائٹ غائب ہوئی تھی اور اب کے تو دوشیزہ ہی غائب ہو گیا۔ ہر کارے دوڑانے پر پتا چلا کہ ہماری عزیز از جاں بھتیجی وہ اپنی عزیز از جاں کزن کو مطالعے کیلئے دے چکی ہیں۔ وہ بھی تھیں کہ میں تبصرہ لکھ چکی ہوں اب واٹس ایپ سے افسانوں کی فہرست منگائی ہے شاید نام کے ساتھ کہانی بھی یاد آجائے۔ تو بس اس تبصرے میں اونچ نیچ کی مصنفین سے قبل از وقت معذرت کی گذارش ہے۔ اب آتی ہوں تبصرے کی طرف۔ منزہ آپکا جواب سیروں خون بڑھا دیتا ہے۔ آپ جو مجھے عزت و محبت دیتی ہیں وہ آپکی بڑائی ہے میرا تبصرہ اس خوشی کا اظہار ہے جو آپ مجھے دیتی ہیں۔ اگر کسی وقت نہ لکھ سکوں تو یہ مقصد نہیں کہ خوش نہیں ہوں سمجھ لیجئے گا اظہار کا موقع نہیں ملا۔ آپکا ادارہ ہمیشہ کی طرح نا امیدی امیدیں جگاتا لگا۔ بل، ڈاکٹر سیمیں اور حبیبہ کے ناول زبردست ٹکر پہ جا رہے ہیں کہانی خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ تحسین صاحبہ کا دلدل پڑھ کر واقعی دلدل میں پھنس گئے کہ باقی آئندہ نے پوری طاقت سے ہمیں اگلے مہینے کے انتظار میں مبتلا کر رکھا ہے اور فرحی کا احد نا الصراط..... تسلیم کا انمول رشتے اور حنا کا ہریالی..... بہت زبردست ناولٹ تھے تینوں مصنفین کی کہانی اور اسلوب تحریر زبردست تھے۔ بان سیرا کا، موسم گل عاصمہ کا، دوسرا مرد سکینہ، ہائے شرارہ نیئر اور شاعر تیرا حمیرا کا سب کے سب بہت اعلیٰ تحریریں تھیں۔ مگر سب میں بازی لے جانے والے دو تھے نمکین پانی غزالہ کا اور لیزی ڈیزی تسنیم صاحبہ کا۔ مزہ آگیا لفظوں کی خوبصورت ترتیب اور منظر نگاری

Digitized by Google

اور جذبات نگاری زبردست۔بہت اعلیٰ.....دوشیزہ گلستان ہمیشہ کی طرح مہکتا اور چہکتا ملا۔دوشیزہ ٹوٹکے بھی بہت موثر ثابت ہوئے اور کچن کارنر تو ہوتا ہی بھوک جگانے کیلئے ہے تو بس اب میں چلی کھانا کھانے۔منزہ پوری کوشش کی ہے کہ تبصرہ معیاری ہو۔مصنفین کی کہانیاں ذہن میں مکس ہو رہی تھیں اس لیے کرداروں کے حوالے کے بغیر تبصرہ کیا ہے لیکن یقین رکھیں رسالہ زیر مطالعہ لائے بغیر تبصرہ نہیں کیا ہے اب کیا کروں کہ رسالہ سامنے ہوتا تو اور اچھا تبصرہ ہو جاتا۔تمام مصنفین کو اپنی بہترین تخلیقات پر بہت بہت بہت۔۔۔۔مبارک باد۔خدا کرے زور قلم اور زیادہ سے زیادہ۔آمین۔اچھا۔۔۔اچھی اور پیاری موٹی ان شاءاللہ اگلے مہینے نئے تبصرے کے ساتھ حاضری ہوگی۔اس وقت تک کے لیے اللہ حافظ۔

✍: پیاری خولہ!تم میرے اُن چند دوستوں میں سے ہو جو مجھے بہت عزیز ہیں اور یہ بات تم بھی جانتی ہو۔غیر معمولی لوگوں کے ساتھ اکثر انتہائی معمولی واقعات ہوتے رہتے ہیں جیسے لائٹ کا چلا جانا تو تم اس کی پرواہ مت کرو بس خود محفل میں شامل ہو کر اُس کو روشن کر دیا کرو۔

✉: سیدہ عروج فاطمہ'ملتان سے لکھتی ہیں۔السلام علیکم اچھی 'پیاری اور مخلص منزہ آپی سب سے پہلے تو میری طرف سے محبت وعقیدت کے ڈھیروں پھول قبول کریں اور اب تھوڑا سا مسکرا دیں تاکہ یہ ہمیشہ تروتازہ رہیں۔یہ آپ کی طرف سے ملنے والی اپنائیت کا ہی نتیجہ ہے کہ اپنے چاہنے والوں کے درمیان آپ چمکتا ہوا روشن ستارہ بن گئی ہیں جس کی روشنی میں دعاؤں کی بدولت ہر گزرتے دن کے ہمراہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔آپ جب تبصروں کی محفل میں شمولیت کی دعوت دیتی ہیں تب جی چاہتا ہے خط لے کر آپ کے آفس میں حاضر ہو جاؤں لیکن ہمارے بیچ حائل کم از کم گیارہ گھنٹوں کا سفر یہ خواہش پوری ہی نہیں ہونے دیتا ہے لیکن خیر کوئی بات نہیں جدید ٹیکنالوجی نے دوریاں مٹا دی ہیں یہ ہی بہت ہے۔منزہ آپی سب سے پہلی آپ کی لکھی ہوئی تحریر "سایہ دیوار بھی نہیں" پڑھی۔آپ نے بالکل ٹھیک لکھا کہ لوگ خود اپنا محاسبہ نہیں کرتے ہیں سارا الزام حکومت پر لگا دیا جاتا ہے۔دیواروں پر پان کی پچکاری ذہنی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔زادراہ کی روشنی سے آنکھوں کی تشنگی مٹائی اور یوں اسلامی تحریر سے دل کی زمین تازگی کے پانی سے سیراب ہوگئی۔سنبل کا لکھا ہوا ناول "منبر عشق" بڑی عمدگی سے آگے کی جانب بڑھ رہا ہے۔نسیم منیر علوی کی تحریر "سفر در سفر" نے مسکرانے پر مجبور کر دیا خاص طور پر اس بات سے تو میں سو فیصد متفق ہوں کہ محبوب کا انتظار بڑا جاں گسل ہوتا ہے۔یہاں محبوب دوشیزہ کو کہا گیا ہے اور ریو تو ہم سب کا راج دلارا ہے بہت ہی پیارا ہے۔نسیم منیر علوی کا لکھا ہوا افسانہ "لیزی ڈیزی کے پھول" سب سے منفرد اور سب سے جدا تھا۔باپی بیٹی نے آخر میں اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت ماں باپ کی ہاں میں ہاں ملا کر دے دیا۔غزالہ فرح کا افسانہ "تمکین پانی" عورت کی حساسیت کے بارے میں تھا کہ وہ اپنوں کو تکلیف میں دیکھ کر بے قرار ہو جاتی ہے اور اگر شوہر محمد احمد جیسا ہو تو پھر تو کیا ہی بات ہے۔غم کا سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد ہی غروب ہو جاتا ہے۔حمیرا نفضا کے افسانے "شاعر تیرا" نے تو میرا دل جیت لیا۔شاعری تو واقعی محبت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور یہ بات بھی ماننے والی ہے کہ یہ ہمیشہ سچ بولتی ہے۔شاعرہ زبیدہ سیماب کا کردار بڑا جاندار تھا۔اس افسانے کے کچھ جملے پڑھتے ساتھ ہی سیدھا دل میں اتر گئے جو بے حد پسند آیا وہ لکھ رہی ہوں

"محبت اور شاعری میری زندگی میں جل کی حیثیت رکھتی تھیں 'وہ جل جسے پی کر سانسیں چلتی ہیں۔فرق صرف اتنا تھا کہ میں نے شاعری کا گھونٹ پہلے بھرا بس اگلا گھونٹ محبت کا تھا ورنہ پہلے گھونٹ کو تسکین نہ ملتی۔"ویلڈن حمیرا نفضا آپ کا شاندار افسانہ بہت اچھا لگا۔اس کے بعد نیر شفقت کے قلم سے لکھا ہوا افسانہ "ہائے وہ شرارہ" نظروں کے سامنے آیا۔اس افسانے سے سینکڑوں لڑکیوں تک یہ مثبت پیغام پہنچا کہ سسرال والوں کی پسند کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔بات اگر مکمل ناول کی کروں تو تحسین انجم انصاری نے اپنی تحریر "دلدل" میں شروع سے آخر تک تجسس برقرار رکھا اور سیما کی زندگی کے ہر ایک پہلو پر احسن طریقے سے روشنی ڈالی۔بیرون ملک میں رہنے والے لڑکوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے

Digitized by Google

تب ہی تو والدین اپنی بیٹی کی شادی کرنے سے قبل سو طرح کے وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔شراب نوشی جو کہ ہمارے مذہب میں حرام ہے مغرب کے کلچر کا حصہ ہے اور پارٹیز میں اس کا بیدریغ استعمال کیا جاتا ہے لیکن لڑکی اگر پڑھی لکھی ہو تو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھا سکتی ہے۔سکینہ فرخ کے افسانے "دوسرا مرد" میں مظلوم بیوی کی بے بسی پڑھنے کو ملی' ہائے رے بے چاری معصوم بیوی جس نے اپنی ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیئے خود کو ہی فراموش کر دیا اور یوں عورت سے دوسرا مرد بن گئی اور پھر شوہر دوسری عورت کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔افسانہ "موسم گل" از عاصمہ عزیز اچھے موضوع پر لکھا گیا ہے۔وراثت میں اگر حصہ داروں کو اپنا جائز اور شرعی حق مل جائے تو پھر خاندانوں میں ہونے والے جھگڑوں کا نام ونشان ہی مٹ جائے۔آخر میں عنایہ شاہ کے والد کی وفات کے بارے میں پڑھ کر دل افسردہ ہو گیا۔ماں باپ کو ناراض نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ پھر بعد میں یہ غم ساری عمر ناگ بن کر ڈستا رہتا ہے جب وہ اس دنیا میں نہیں رہتے ہیں۔ناولٹ "اھدنا الصراط مستقیم" لکھنے پر سب سے پہلے فرحی نعیم کو میری طرف سے دلی مبارکباد۔اس ناولٹ میں ماڈرن گھرانوں کے رہن سہن کو بڑی عمدگی سے قلمبند کیا گیا ہے۔کئی گھرانوں میں جہاں پیسے کی فراوانی ہے وہاں نماز نہ پڑھنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے اور یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔حد سے زیادہ آزادانہ ماحول اکثر ذہنی دباؤ کی وجہ بن جاتا ہے اور اس انتشار سے باہر نکلنے کے لیئے پھر امیر طبقہ شاپنگ پر پانی کی طرح پیسا بہاتا ہے لیکن یہ حقیقت ماننے کی کوشش نہیں کی جاتی ہے کہ ایسا دین سے دوری کی وجہ سے ہوا ہے۔مختلف مذاہب کے والدین کے بچے دو کشتیوں میں سوار ہو جاتے ہیں اور پھر نہ یہاں کے رہتے ہیں اور نہ وہاں کے۔صبح قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور کچھ دیر بعد گھر میں ہی بنے ہوئے مندر میں پوجا شروع ہو جاتی ہے۔یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہوئی۔مجھے پسند آیا یہ موضوع۔اب آتے ہیں ناولٹ "ہریالی بی بی" کی جانب جس کی مصنفہ ہیں حنا بشریٰ' بدعقدہ لوگوں پر لکھی جانے والی بہترین تحریر۔پاکستان میں کھلم کھلا شرک ہو رہا ہے اور اسے روکنے والا بھی کوئی نہیں ہے' سمیرا نشانہ رائٹر ہیں لیکن اپنے افسانے مان کو اچھے طریقے سے لکھا۔اب یہ بات سب کو مان لینی چاہیئے کہ دوشیزہ ڈائجسٹ میں جگہ جان پہچان سے نہیں بنتی ہے۔میری نظروں سے اکثر نیو رائٹرز کے افسانے گزرتے رہتے ہیں۔میرا پسندیدہ ناول "انجان ہمسفر" از جیبہ عمر خوبصورتی سے اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا ہے اور اس سفر میں بطور ہمسفر ہم بھی اس کا ساتھ آخر تک نبھائیں گے۔شوبز کی دنیا کے ستاروں کی فراہم کردہ معلومات ایک الگ ہی دنیا میں لے جاتی ہیں۔حسام خان' ارم اختر' زباب فاطمہ' عمران اشرف اعوان اور آغا مصطفیٰ کے بارے میں جان کر خوشی کے احساس نے اپنے حصار میں لے لیا۔ہمیشہ کی طرح دلفریب شاعری سے سجا ہوا سیکشن سخن زار بازی لے گیا۔دوشیزہ ٹوٹکے بے انتہا مفید معلومات کا خزانہ ہیں۔دوشیزہ گلستان میں لگے ہوئے ہر پھول نے اپنی خوشبو سے ماحول میں مسرت کے احساس کو عروج بخش دیا۔اب بڑھتے ہیں کچن کارنر کی طرف کہیں آلو پیاز پراٹھے کی اشتہا انگیز خوشبو منہ میں پانی لانے کا سبب بنی تو ساتھ ہی بیف پسندے کی ترکیب نے معدے میں ہلچل مچا دی۔مرغی کے چپلی کباب اور چکن چاؤمن نے دعوتوں کی یاد تازہ کروادی اور آخر میں ناشپاتی ٹارٹ ودکوکی کرسٹ' جنجر کوکیز اور چاول و کھجور کی پڈنگ نے بھوک کا احساس جگا دیا۔آخر میں منزہ آپی میں یہ کہنا چاہوں گی کہ شاعری سیکشن میں مجھے اپنی کمی محسوس ہوتی ہے لہٰذا اس بار تبصرے کے ساتھ اپنی نظم بھیج رہی ہوں۔اب مجھے اجازت دیں زندگی رہی تو اگلی بار پھر اپنے تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضری لگواؤں گی۔

ھ: سوئٹ عروج! تمہارا تبصرہ شاندار رہا بھئی اب تو یہ طے ہے کہ تم ہر ماہ محفل میں شرکت کرو گی ہو سکتا ہے اچھا خط لکھنے والے کو تقریب میں خصوصی ایوارڈ سے نواز دیا جائے (آ گیا نہ منہ میں پانی) سخن زار میں اس بار تمہیں اپنی کمی یقیناً محسوس نہیں ہونی ہو گی۔

✉: سنبل کراچی سے لکھتی ہیں۔بہت پیاری منزہ! السلام علیکم! الحمدللہ ہماری طرف سب خیریت ہے اور آپ

Digitized by Google

تمام احباب کی خیریت اللہ پاک سے نیک مطلوب ہے۔ اداریہ دل کو لگا واقعی ہم من حیث القوم خود کس مقام پر ہیں کہ ہر وقت حکومت اور حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بنا کر رکھتے ہیں بہر حال اللہ کرے زور قلم اور زیادہ محفل میں کورم پورا نہیں تھا اور گروپ والے تو بہت ہی ظالم لوگ ہیں کبھی نہیں آتے محفل میں اور ایڈمن نے افسانہ بھی نہیں لکھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تحریر اتنی پیاری تحریر تھی کہ دل کو چھو گئی محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب بیوی اور امت مسلمہ کی ماں۔ غزالہ آپ نے حق ادا کر دیا جزاک اللہ خیراً ناول میں منزہ ایک اہم حصہ غائب تھا جب فواد سوئی کو تصاویر اور وڈیوز واٹس اپ کرتا ہے اور اسے اسکی اصلیت پتہ چلتی ہے تسنیم منیر علوی ایک لمبے عرصے بعد آئیں انکی کہانیوں کا جو ایک مخصوص ادبی ماحول ہوتا ہے وہ مجھے بہت پسند ہے مان میں بھی گھر بسانے کے گر تھے اچھی تھی انجان ہمسفر بھی توجہ کھینچ رہی ہے زبردست حبیبہ ٹوٹکے اچھے تھے دوشیزہ۔ سخن زار کمال کر رہے ہیں دوشیزہ گلستان نہ صرف پھل پھول رہا ہے بلکہ مہک بھی خوب رہا ہے کچن کارنر میں اس بار بڑی مذیدار ترا کیب تھیں کارنر شاعری بہت کمال ہوتی ہے۔ اب تم سناؤ کیا حال احوال ہیں رسالہ جلدی ملا مگر فارم ہاؤس اور نائٹ اسٹے اور اسکی دو دن پہلے سے تیاری۔ پھر میلاد کی محافل۔ میری قرآن کلاسز اور ناول کی اقساط اسلیے کچھ دیر ہو گئی تبصرے میں مائنڈ نہ کرنا ویسے اس بار افسانوں میں غلطیاں نہیں تھیں یہ خوش آئند ہے اب اجازت دو اپنا بہت خیال رکھنا اور دعاؤں میں یاد رکھنا فی امان اللہ..... غزالہ فرخ نے بہت گیپ کے بعد لکھا مگر بہت اچھا لکھا جو لوگ اپنے پالنے والوں کو سائڈ پر لگا دیتے ہیں انکے انجام رافعہ جیسے ہی ہوتے ہیں بادسموم اف سیمیں میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ کن الفاظ میں آپکی تعریف کروں تسی تو چھا گئے ہو کردار نگاری ماحول ہر چیز اسقدر مکمل ہے کہ لگتا ہے آپ اس ماحول کا حصہ رہ چکی ہو۔ حمیرا کا افسانہ دکھی کر گیا گھر بسانے کیلئے اتنی بڑی قربانی اور یہ عورت کا ہی ظرف ہو سکتا ہے۔ نیر شفقت نے ایک سبق آموز افسانہ لکھا کہ آجکل یہ ٹرینڈ چل نکلا ہے کچھ خوشیاں لڑکے کے گھر والوں کی بھی ہوتی ہیں۔ تحسین کی تحریر کی ابتداء تو اچھی ہے اب آگے دیکھتے ہیں سیما عاتق کو کس طرح راہ راست پر لاتی ہے۔ سکینہ کے افسانے میں بہر حال سارا قصور ولید کا نہیں تھا جبکہ وہ اسے سمجھا تا بھی تھا مگر عورت سمجھتی ہے دنیا اسکے کاندھوں پر رکھی ہوئی ہے اور جب دنیا کاندھوں پر اٹھا رکھی ہے تو بھگتو عاصمہ کی تحریر تو ٹھیک تھی مگر انھوں نے جو آسمیں وراثت کی قرآن کے حوالے سے منصفانہ تقسیم بتائی وہ ہم سب کو سیکھنی چاہیے میں خود تفسیر میں یہ سب پڑھ چکی ہوں جزاک اللہ؟ خیراً عاصمہ۔ فرحی کا ناولٹ اصلاحی پہلو لئے ہوئے تھا یہی ہوتا ہے مذاہب کا اگر خیال نہ رکھا جائے تو بچے آدھے تیتر آدھے بٹیر ہوتے ہیں انڈیا میں تو اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ تسلیم شیخ نے بھی یہی سمجھانے کی کوشش کی کہ ماں باپ کو جنکی فرمانبرداری کرنے کا حکم قرآن میں ہر بار اپنی فرمانبرداری کرنے کے حکم کے ساتھ آیا ہے انکا دل دکھانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے حنا کی تحریر بدعقیدہ لوگوں کے لئے ایک لاجواب تحریر تھی مجھے تو آج تک یہ سمجھ ہی نہیں آیا کہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور سے مانگ کیسے لیتے ہیں ویلڈن حنا مگر ہریالی بی بی کو پکڑوا ہی دیتیں مگر غالباً آپنے نور العین کا راز فاش نہ کرنے کی وجہ سے اسے نہیں پکڑوایا۔

بھ: سنبل! اب میں کیا کہوں گروپ والے بہت خراب ہیں تقریب میں ان سب کو غائب رہنے پر ایوارڈ دینے کا سوچ رہی ہوں سب کو نام پکار پکار کر بلایا جائے گا۔ سابق مدیران بھی ذرا سن لیں..... (ہاہاہا) ویسے سنبل بڑے مزے ہو رہے ہیں اچھا ہے ادھر ادھر منہ مارو جو مرضی کرو یہی زندگی ہے۔

✉: فصیحہ آصف خان، ملتان سے لکھتی ہیں۔ اسلام علیکم، کیسی ہیں؟ منزہ جی؟ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ سب کی دعاؤں کے سبب، ماہ نومبر کا دوشیزہ ملا، سرورق کا مزہ نہیں آیا، صنم چودھری کو لائیں سرورق پہ، اداریہ کار آمد الفاظ پہ مبنی تھا کہ انسانیت کو زندہ رہنا چاہیے، دوشیزہ کی محفل میں دمکتے چہرے، ذہانت سے پر دکھائی دیے، پیاری خولہ اب تو خوش ہو، بس اپنی سستی ہے، ورنہ آپ سبکی محبتوں کی مقروض ہوں، تمام خطوط جاندار اور شاندار لگے،، اماں عائشہ

Digitized by Google

صدیقہ بارے تفصیلی مضمون کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، لیزی ڈیزی کے پھول بے حد خوشبودار تھے، نمکین پانی دو بہنوں کو ملا گیا، ایسے شوہر اللہ سب کو دے، شاعر تیرا، خود غرضی کی انتہا پہ محسوس ہوا، شرارا بہت کچھ سمجھا گیا، دلدل، گو موضوع پرانا تھا، مگر ایسی تحاریر آج بھی مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں، دوسرے حصے میں سب واضح ہو جائے گا، سکینہ فرخ کی کہانی دوسرا مرد اختتام پسند نہیں آیا، شوہر کو گھریلو عورت، خصوصا بیوی کے ساتھ ایسا سلوک گناہ کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ اس بیوی کا قصور بھی نا ہو، مثبت انجام دل خوش کرتا ہے، موسم گل ٹھیک لگی، فرحی نعیم کی دلکش تحریر جی کو بھائی، انمول رشتے، تسلیم شیخ نے خوب لکھی، معاشرے میں اس لیے بگاڑ پیدا ہو رہا ہے کہ لوگ بے دینی کو گناہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ ایسا کرنے کو فخر سمجھتے ہیں، سو بہنو اپنے گھروں کو دینی ماحول سے آراستہ کرو، ہریالی بی بی کو تو جوتے پڑنے چاہیے ساتھ میں ساس جیسی کم عقل عورتوں کو بھی سزا دی جائے، صبر تو ان میں ہوتا نہیں، آج شادی ہوئی، کل ان کو بچہ چاہیے، توبہ کا مقام ہے، ماں مزید تحریر رہی، باقی تمام سلاسل اپنی مثال آپ تھے، امید ہے تبصرہ مناسب لگے گا، سب بہنو اور محترم قارئین کو خلوص بھرا سلام، اجازت دیجیے اللہ حافظ

ھ: اچھی فصیحہ! تبصرہ بہت اچھا تھا ٹائٹل کے سلسلے میں معذرت قبول کرلو یار اکنامی کا دور ہے سب کرنا پڑتا ہے۔

✉: مومنہ بتول کراچی سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! امید خدا ہے کہ خوشیاں کامیابیاں راہ سفر میں ساتھ ساتھ رہیں اور ہمارا قبیلہ ادب محبت' محنت' عظمت کے سنگ خوش و آباد رہے۔ اس ماہ کا دوشیزہ ملا بروقت ملا حالانکہ یہاں لانڈھی میں دوشیزہ اور سچی کہانیاں مشکل سے ملتا ہے آپ کا اداریہ پڑھا بہت حساس موضوع پر جیسے آج کل لوگوں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے عمل تو دور کی بات ہے کاش ایسے چھوٹے مگر بڑے مسئلے کو لوگ محسوس کریں عمل کریں معاشرا اچھائی کی طرف بڑھے گا سب سے پہلے اس مبارکباد کی حقدار ہیں آپ کہ صابیات' صحابہ کرامؓ کی حالات و زندگی پر شائع ہونے والا سلسلہ بہترین ترین ہے کم از کم دوبارہ سے اپنے اسلامی واقعات پڑھ کر ایمان تازہ اور علم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شاعر حمیرا افضل صاحبہ کی اچھی کاوش تھی سکینہ فرخ کی دوسرا مرد ہم عورتوں کی از حد محبت شوہر گھر اور بچوں سے جو ہمیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہے اور مرد تو..... ہے ہی وہ ذات شریف کہ تو نہیں اور سہی..... ہاں بھی اچھی رہی سلسلے وار ابھی پڑھی ہی نہ سکی منزہ صاحبہ آپ کا بھیجا اعزازنامہ بصورت سکیڈ راج الوقت مل گیا ہے بہت شکریہ ایک بات کہ اس کے ساتھ میں اپنا ایک طویل افسانہ بعنوان میانہ روی' بھجوا رہی ہوں بہت عرق ریزی سے لکھا ہے براہ کرم اسے ضرور شائع کرنا اور ہو سکے تو دو اقساط میں لگا دینا میں نے آپ سے پچھلے خط میں اجازت لی تھی طویل افسانے خدارا مایوس نہیں کرنا اپنا فون نمبر بھی ایڈریس بھی چینج ہونے کی وجہ سے لکھوا دیا ہے سچی کہانیاں ابھی ابھی ملا ہے یعنی پورے آدھا ماہ بعد لہٰذا سوائے احوال کہ کچھ نہ پڑھ سکی ہوں مزید یاد دلانا ہے کہ پہلے کافی عرصہ پہلے میں نے دو پُراسرار سچے واقعات تحریر کر کے بھیجے تھے یقیناً محفوظ ہوں گے اگر ایک آدھ شائع ہو جائے تو بہت مہربانی آخر میں عرض ہے کہ میں اس لفافے میں مسئلہ یہ ہے کا لفافہ بھی رکھ رہی ہوں اور پھر لفافہ ایک ساتھ رجسٹری کر دوں گی براہ کرم متعلقہ لفافہ مسئلہ یہ ہے تک بھجوا دیجیے گا بہت مہربانی' دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

ھ: مومنہ! آپ کی تحریر جلد شائع کر دوں گی اور پُراسرار تو میرے پاس شاید ایک تحریر ہے پھر بھی چیک کرلوں گی۔

اور اس آخری خط کے ساتھ اب اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے دوشیزہ کے حصول میں اگر کوئی بھی دشواری ہے تو مجھے ضرور آگاہ کیجیے' خوش رہیے خوش رکھیے۔

دعاؤں کی طالب
منزہ سہام

Digitized by Google

غزالہ عزیز (اُمِ ایمان)

مصنفہ، ایڈیٹر (جسارت ویمن پیج) کالم نگار، افسانہ نگار اور صحافی ہیں۔ حریم ادب کراچی کی جنرل سیکریٹری ہیں۔ پریس کلب اور آرٹس کونسل کی ممبر ہیں۔ کئی کتابیں جن میں افسانوں کا مجموعہ صبح تمنا، ناول 'مسافتیں' اور سیرت صحابہ ''غلام جو سردار ہے'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں افسانوں کا ایک مزید مجموعہ اور کالم کی کتاب زیر تکمیل ہے۔ ادارہ

سوال: اپنے گزرے موجودہ اور آنے والے کل کے بارے میں کچھ آگاہی دیجئے۔

غزالہ عزیز: میں ایک متوسط اور پڑھے لکھے دین دار گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ پانچ بہن بھائیوں کی سب سے چھوٹی بہن جس کو بچپن سے پیار ملا اور خوب ملا۔ میرے والد دینی جماعت کے سرکردہ رکن تھے۔ مولانا مودودی کے ابتدا سے ساتھ رہے انڈیا ہی سے اُن کے رسالے ترجمان القرآن کے خریدار تھے۔ لکھنؤ شہر کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ تجارت کے سلسلے میں سفر کرتے رہتے تھے۔ پاکستان بننے کے چند سال بعد پاکستان آئے تاکہ تجارت اور کاروبار کا جائزہ لیں اس بات کو دیکھیں کہ یہاں کا کاروبار اور رہائش کس شہر میں کیا جائے۔

جب وہ واپس انڈیا پہنچے تو ان کے کاروباری حریفوں نے مخبری کر کے اُن کے خلاف پرچہ کٹوا دیا۔ کوتوالی میں کسی دوست کے ذریعے اُن کو اطلاع ملی کے گرفتاری کا آرڈر آنے والا ہے لہٰذا تم دو دن کے اندر شہر چھوڑ دو۔ والد صاحب نے چلتا ہوا کاروبار اپنے چھوٹے بھائیوں کے حوالے کر کے بیوی سمیت پاکستان کی راہ لی۔ اس زمانے میں چھوٹی عمروں میں شادیاں ہو جایا کرتی تھیں۔ والد کی شادی سے تقریباً دس سال پہلے ان کے والد یعنی ہمارے دادا کا اچانک انتقال ہو چکا تھا۔ سب سے چھوٹے بھائی کی عمر اس وقت چند ماہ تھی۔ والد صاحب نے نہ صرف بخوبی کاروبار سنبھالا بلکہ گھر اور بہن بھائیوں کی بھی دیکھ بھال کی۔ دادی اماں انتہائی گھریلو اور سادہ خاتون تھیں۔

والد صاحب بتاتے تھے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد میں نے معمول بنا لیا تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا لکھنؤ کے یتیم خانے میں یتیم بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں جہاں کھانے کا انتظام والد صاحب کی طرف سے ہوتا تھا۔ اور کھانے کے بعد ہر بچہ کو اُن کی طرف سے ایک پیسہ دیا جاتا تھا۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں ایک پیسے کی اچھی خاصی قدر ہوتی تھی۔

Digitized by Google

بہر حال والد صاحب لکھنؤ سے جلدی میں کچھ رقم جو دو ہزار سے کم ہی تھی لے کر نکلے کھوکھرا پار کی سرحد سے پاکستان میں داخل ہوئے۔ وہ راستہ صحرائی تھی اور کوئی سواری نہ تھی۔ پیدل کئی میل کا سفر کیا..... میرے والد اور والدہ دونوں کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ آخر کار جب کوئی سواری ملی تو..... کراچی پہنچے اور یہاں ہی رہائش اختیار کی۔ ساتھ لائے سرمائے سے دو، دو دکانیں خریدیں



اور کاروبار شروع کیا رفتہ رفتہ حالات بہتر ہوتے گئے۔

کراچی میں ہی سب بہن بھائی پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کی شادیاں ہوئیں۔ بڑی بہن مشعل پروین کی شادی معروف مصنف خرم مراد کے چھوٹے بھائی سے ہوئی۔ باقی بہن بھائیوں کی شادیاں بھی دینی مزاج کے گھرانوں میں ہوئیں لیکن ہر معاملے میں اللہ نے نصیب مختلف رکھا..... میرے شوہر عبدالعزیز صاحب دینی گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن نہایت شریف اور عقل مند انسان تھے اللہ انہیں جنت نصیب فرمائے آج سے تقریباً بارہ سال قبل اُن کا اچانک انتقال ہوگیا۔

میرے چھ بچوں میں سے ایک کے سوا سب اسکول میں تھے۔ اب ماشاء اللہ صورت حال بدل چکی ہے۔ یہ میرا گزرا ہوا کل اور آج ہے..... مستقبل کے بارے میں کون کچھ کہہ سکتا ہے..... البتہ خواہشیں ہوتی ہیں..... اور میری خواہش بس دو ہیں کہ جب میں اللہ میاں کے پاس جاؤں تو وہ مجھ سے راضی ہوں اور دوسری میرے بچے میرے لیے بہترین صدقہ جاریہ بنیں..... اس خواہش کے پیش نظر میں نے اپنے بچوں کو ہمیشہ حلال کھلانے کی کوششیں کی ہے۔

اس معاملے میں میرے شوہر بہت زیادہ حساس اور سمجھدار تھے۔ سعودی ایئرلائن میں غیر عرب ملازمین میں پورے پاکستان بھر میں ٹاپ پوزیشن پر تھے۔ ایک ایک دن میں کروڑوں روپے کی

Digitized by Google

ٹرانزیکشن کا معاملہ درپیش رہتا تھا..... لیکن امانت داری پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اپنے کام کے سلسلے میں انہیں ڈھیروں ایوارڈ اور سرٹیفکٹ دیے گئے تھے۔

سوال: لکھنے کا رجحان کیسے پیدا ہوا؟

غزالہ عزیز: ہمارے ہاں بچوں کے رسالے آتے تھے۔ جب پڑھنا نہیں آتا تھا تو بہن بھائیوں سے کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا جب پڑھنا آ گیا تو کہانیاں پڑھنا دن رات کا مشغلہ بن گیا۔ آٹھویں جماعت میں بچوں کے ایک رسالے میں پہلی تحریر شائع ہوئی۔ پھر چھوٹی چھوٹی تحریریں لکھنا شروع کیں..... بڑوں کے لیے لکھنا خاصی دیر سے شروع کیا..... اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ اسکول کی تعلیم مکمل کر کے کالج میں داخلہ لیا تو والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا غم تھا میرے لیے..... اور ایک مشکل وقت تھا..... میرے خیال میں اگر گھر میں بچوں کے لیے اور بڑوں کے لیے رسالے مستقل لگوائے جائیں تو لکھنے کے شوق کے ساتھ ساتھ سمجھ اور شعور میں بہت اضافہ ہوتا ہے لیکن آج کل سو روپے کا برگر بچوں کے لیے آسانی سے خرید لیا جاتا ہے لیکن سو روپے کا رسالہ نہیں خریدا جاتا جبکہ وہ ایک ماہ میں ایک دفعہ خریدنا ہوتا ہے۔

سوال: آپ نے افسانہ نگاری کے علاوہ اور کون سی صنف میں طبع آزمائی کی؟

غزالہ عزیز: سب سے پہلے تو کہانیاں لکھیں بچوں کے لیے جن میں تاریخی کہانیاں بھی شامل ہیں پھر بڑوں کے لیے افسانے لکھے..... ناولٹ بھی کئی لکھے اس کے علاوہ ایک ناول قسط وار لکھا جو بعد میں کتاب کی شکل میں ''مسافتیں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ صحابیاتؓ اور صحابہؓ کی زندگیوں پر بھی مضامین لکھے خاص طور سے غلام صحابہؓ پر ایک سیریز لکھی جو بعد میں کتاب کی صورت میں ''غلام بنے سردار'' کے عنوان سے شائع ہوئی کالم لکھنا بھی میرا شوق ہے میرے کالم ایکسپریس نوائے وقت اور جسارت میں مستقل شائع ہوتے رہتے ہیں۔ منتخب کالم کی کتاب ابھی زیر ترتیب ہے۔

سوال: آپ کی اُس کے علاوہ بھی کتاب شائع ہوئی ہے؟

غزالہ: جی ہاں ایک افسانوں کا مجموعہ ''صبح تمنا'' کے نام سے شائع ہوا ہے اور دوسرا عنقریب آنے والا ہے اس کے علاوہ کالم کا ایک مجموعہ بھی تیاری کے مراحل میں ہے۔

سوال: بحیثیت افسانہ نگار اور بحیثیت کالم نگار آپ دنیا کو کس نگاہ سے دیکھتی ہیں؟

غزالہ: ایک افسانہ نگار ہو یا کالم نگار دونوں انتہائی حساس دل کے مالک ہوتے ہیں لہٰذا ان کی نگاہ ہر معاملے میں انتہائی باریک بین ہوتی ہے۔ وہ مسائل اور ان سے پیدا ہونے والے واقعات اور ان کے نتائج سب ہی پر کچھ گہری نظر سے دیکھتا ہے۔ تصور کی آنکھ سے نتائج کے بارے میں پہلے ہی سے آگاہی رکھتا ہے۔ اللہ نے بصیرت کی نگاہ بھی عطا کی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا قلم معاشرے کے دھندلے آئینے کو صاف کرنے کا کام کرتا ہے۔ وہ بے لوثی' اخلاص اور درد دل کے ساتھ مسائل کی آگاہی ہی نہیں اُن کا حل بھی لوگوں کے سامنے رکھتا ہے..... اور اتنے خوبصورت انداز سے رکھتا ہے کہ لوگ اُسے نصیحت اور نصیحت سمجھ کر نظر انداز یا بیزار نہیں ہوتے بلکہ مسائل کے حل کے بارے میں آگاہ ہوتے ہیں۔

کالم نگار کا حالات حاضرہ سیاسی معاملات اور بین الاقوامی صورت حال کے بارے میں گہری آگاہی رکھنا ضروری ہے اس کے مقابلے میں ایک

Digitized by Google

افسانہ نگار کے لیے معاشرے کی صورت حال گھریلو سیاست.....انسانی نفسیات اور رشتوں کی باریکی کا جاننا ضروری ہے۔

حقیقت تو یہ ہے نگاہ کا گہرا ہونا ضروری ہے.....اور سب سے گہری نظر اپنے آپ پر رکھنی چاہیے کہ آپ نے اپنے آپ کو پہچان لیا تو بڑا کام کیا

آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر خود کو پہچانے تو پہچانے بہت

سوال: جب آپ کہانی کو الفاظ کا جامہ پہناتی ہیں تو کیا آغاز سے انجام تک ساری کہانی آپ کے ذہن میں واضح ہوتی ہے؟ یا کہانی خود ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے یا کہانی اختتام تک پہنچ کر کوئی دوسرا رخ اختیار کر لیتی ہے؟

غزالہ: کہانی لکھنے سے پہلے ذہن میں اُس کا پلاٹ تیار کرتی ہوں کئی دنوں بعض دفعہ کئی ہفتوں تک کہانی کو ذہن میں پکانا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہانی کا تانا بانا ذہن میں تشکیل پاتا ہے کبھی کردار اور منظر بھی سوچ لیے جاتے ہیں۔ لکھتے ہوئے انجام کبھی ذہن میں ہوتا ہے اور کبھی نہیں لیکن وہ پیغام ذہن میں بالکل واضح ہوتا ہے جو میں اپنی کہانی کے ذریعے دینا چاہتی ہوں۔

سوال: کسی معاشرے میں قلم کار کا حقیقی منصب کیا ہے؟ کیا وہ معاشرے کے بناؤ اور بگاڑ میں کوئی کردار ادا کرتا ہے؟

غزالہ: قلم کار کا حقیقی منصب تو یہ ہے کہ وہ معاشرے کے بگاڑ کو اپنی تحریروں کے ذریعے سنوارنے کی کوششیں کرے اس طرح کہ اس کی تحریر کی دلکشی اور خوبصورتی قاری کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لے اور پھر قلم کار اپنی کہانی کے کسی کلائمکس یا اختتام پر قاری کو اپنا ذہنی جھٹکا دے کہ قاری کے اندر معاشرے کو درست کرنے کی تحریک پوری امنگ اور ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہو۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں ہر انقلاب کی بنیاد میں کہیں کوئی قلم کار اور ادیب ضرور موجود تھا۔

افسانے اور کہانیاں اگر لڑکیوں کے ذہن میں کسی آئیڈیل کی تحریک پیدا کریں اور اس کی کھوج میں کہیں دور نکل جائے.....اپنی زندگی کے خطرناک فیصلے کرنے لگے جس سے اُس کے والدین اور خاندان کو صدمہ ہو.....اس کے بجائے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ اُس کے ذہن میں تبدیلی کی لگن اور عمل کے میدانوں کی وسعت کا احساس پیدا کیا جائے۔

سوال: دوشیزہ کا ساتھ کیسا پایا؟

غزالہ: دوشیزہ سے تعلق گو کہ بہت پرانا نہیں مگر بہت مضبوط ہے۔ دوشیزہ پڑھنے والے میری تحریر کو پسند کرتے ہیں میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔

سوال: پاکستانی عورت کی طاقت کس چیز میں ہے؟

غزالہ: پاکستانی عورت بہت مضبوط ہے وہ بیک وقت کئی محاذوں پر پوری محنت اور دیانت داری کے ساتھ مصروف عمل ہے.....اور کامیاب ہے۔ پاکستانی عورت کی اصل طاقت اُس کے خاندانی نظام میں ہے۔ خاندانی نظام میں رشتوں کو آپس میں زنجیروں کی طرح محبت خدمت اور قربانی کے ذریعے جوڑا جاتا ہے۔ مضبوطی اسی طرح آتی ہے۔ مرد اور عورت خاندان کے ستون ہیں آج معاشرے میں مرد کہیں ظالم ہے کہیں مظلوم بھی ہے۔ یہ ہی عورت کا بھی حال ہے۔ لیکن عورت ایک ایک ماں کی صورت میں بے حد مضبوط کردار ادا کرتی ہے، کل کا ظالم مرد آج کے بچے کی صورت میں اُس کی گود میں ہوتا ہے.....کیا ماں کی تربیت اور دعائیں بچوں کے لیے نہایت اہم ہیں.....

Digitized by Google

سوال: دوشیزہ کا ساتھ کیسا پایا؟

جواب: دوشیزہ سے تعلق گو کہ بہت پرانا نہیں مگر بہت مضبوط ہے ۔ دوشیزہ پڑھنے والے میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔

سوال: اپنی زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ سنائیے؟

غزالہ: میرے خیال میں لڑکیوں کی زندگی میں اہم ترین ناقابل فراموش واقعہ شادی ہوتا ہے۔ میری زندگی میں بھی تھا۔ جیسے پودے کو گملے سے نکال کر زمین میں لگانا ہوتا ہے میرے لیے کچھ یوں بھی مشکل تھا کہ مٹی اور ماحول موافق نہ تھا۔ شکر ہے خدا کا کہ جس نے بہترین ماحول بنا دیا۔ ذہنی ہم آہنگی عطا کی۔ میری ساس مجھے بیٹیوں سے زیادہ چاہتی تھیں اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

پھر ساری لڑکیوں کی طرح زندگی کے اہم واقعات شوہر سے ہی جڑے رہے۔ اُن کے ساتھ نگری نگری کی سیر کی۔ اور پھر آخری سفر جو سعودی عرب اور لندن کا تھا اختتام پر ڈاکٹر نے اُن کی بیماری کی اطلاع دی یہ ایسی روح فرسا بات تھی کہ آج بھی دل لرز جاتا ہے لیکن بات وہ ہی ہے کہ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے جس پر جانے والے کو جانا ہی ہوتا ہے۔ میرے عزیز از جاں شوہر چلے گئے لیکن سچ یہ ہے کہ

تمہارے حسن سے رہتی ہے ہمکنار نظر
تمہاری یاد سے دل ہم کلام رہتا ہے

اور

الفاظ و صوت و رنگ و تصور کے روپ میں
زندہ ہیں لوگ آج بھی مرنے کے باوجود

سوال: آپ آج کی لڑکیوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟

غزالہ: آج کی نوجوان نسل بہت سمجھدار ہے۔ دل میں امنگ بھی ہے اور کچھ کر کرنے کی خواہش بھی..... لیکن حالات اور دور فتنے والا ہے منزل سے بھٹکانے والے دیدہ ور بھی ہیں اور دیدہ زیب بھی کہ لو تلاش منزل کے مرحلوں میں یہ حادثہ اک عجیب دیکھا
فریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے صورتِ اعتبار بن کر

لہٰذا اپنی نوجوان نسل سے مجھے یہ کہنا ہے کہ

اپنے خیالات کی نگرانی کرو..... کیونکہ وہ الفاظ بنتے ہیں

اپنے الفاظ کی نگرانی کرو..... کیونکہ وہ عمل بنتے ہیں

اپنے عمل کی نگرانی کرو..... کیونکہ وہ عادت بنتی ہے

اپنی عادت کی نگرانی کرو..... کیونکہ اُس سے کردار بنتا ہے

اپنے کردار کی نگرانی کرو..... کیونکہ اُس سے انجام بنتا ہے

سوال: آپ اپنے آپ کو آج کس مقام پر کھڑا دیکھتی ہیں؟

غزالہ: مجھے اپنی کمزوری کا اعتراف ہے مٹی کا ذرہ ہوں، خطا کار ہوں، مجھے اپنی بے خبری بے عملی کا بھی اعتراف ہے کہ

تیری عظمتوں سے ہوں بے خبر
یہ میری نظر کا قصور ہے
تیری راہ گزر میں قدم قدم
کہیں عرش ہے کہیں طور ہے
یہ بجا ہے مالک بندگی
میری بندگی میں قصور ہے
یہ خطا ہے میری خطا مگر
تیرا نام بھی تو غفور ہے

☆☆.....☆☆

Digitized by Google

نیاسلسلہ وار ناول

سنبل

منبرِ عشق



محبت قربانی مانگتی ہے اور جہاں قربانی کا جذبہ نہیں ہوتا وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا...

خوبصورت جذبوں سے گندھی تحریر جو آپ کو بے حد حسین دنیا کی سیر کرائے گی

☆.....☆

URDU TUBE

''اور یہی بات ایک ماہ میرے ساتھ گزار کر سمجھ آ رہی ہے تمہیں۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''غلط بات مت کرو ایما اخراجات کی زیادتی اور تمہارے لاکھ اصرار کے باوجود ہم نے چاہے چھوٹا ہی تمہیں سپرٹ روم لے کر دیا اس پر تمہارا الزام سراسر تہمت ہے یوں بھی ہم لوگ برائی کی بیخ کنی کرنے والے لوگ ہیں اور برائی کے فروغ سے دُور رہنے والے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے اور عورت اور مرد کی تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے تو کیوں ہم شیطان کو دعوت دیں کہ وہ آئے اور ہم پر حملہ کرے۔'' اس بار جواب حسین کی طرف سے آیا تھا۔

''ہاں ایما بات کو سمجھو تم وقت سے آتی ہو تو ہم کبھی تمہیں منع نہیں کرتے مگر اب ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں۔'' نوفل نے کہا تو وہ غصے سے اپنا سامان اٹھانے لگی۔

''ایما! ہم بھی انسان ہیں فرشتے نہیں۔'' حسین نے اس کے غصے کو دیکھ کر کہا۔

''اور فرشتے کیسے ہوتے ہیں؟'' اس نے بڑے عجیب لہجے میں کہا اور باہر نکل گئی۔

☆.....☆

اس کے بعد ایما ان دونوں سے کئی دنوں تک نہیں ملی اور ایک دن یونیورسٹی کے بعد نوفل نے اسے جالیا۔

''کیا ہوا ہے؟ اتنے دن سے منہ چھپائے کیوں پھر رہی ہو؟'' نوفل نے پوچھا۔

''تمہیں برا جو لگتا ہے!'' وہ منہ بنا کر بولی۔

Digitized by Google


URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

''یہ ہم نے کب کہا تھا؟'' نوفل نے اسے حیرت سے دیکھا
''اور کیا مطلب تھا تمہاری بات کا'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔
''اللہ کی بندی ہم صرف تمہیں وقت زیادہ ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔'' وہ بولا۔ ''نہیں تم دونوں مجھے خود پر مسلط ہونے کا احساس دلا رہے تھے'' وہ برہم تھی۔
''ایک بات بتاؤ ایما! یورپی ممالک میں سیکس فری ہے، اس کے باوجود Rape کی شرح اتنی زیادہ کیوں ہے؟'' نوفل نے ایما سے پوچھا اور وہ چونکی وہ بہت سلجھی ہوئی گفتگو کرتا تھا اور اس قسم کی بات تو کبھی ان لوگوں کے درمیان ڈسکس ہوئی ہی نہیں تھی۔
''میں تمہاری بات نہیں سمجھی'' اس نے ناسمجھی سے کہا۔
''حالانکہ بات بالکل صاف اور سیدھی ہے سیکس فری ہونے کے باوجود تمہارے ہاں Rape کی شرح اس لیے زیادہ ہے کہ یہ شیطان وہاں سے وار کرتا ہے جو سائیڈ کمزور ہوتی ہے۔ تمہارے ہاں شادیوں کا رواج ختم ہو چکا ہے اگر کوئی دستیاب نہ ہو تو زبردستی..... ایما! میں اور حسین بھی انسان ہیں فرشتے نہیں ہیں۔ ہم اسی معاشرے میں رہ رہے ہیں اور تمہارے معاشرے میں جو کچھ ہر وقت ہو رہا ہے وہ کیا ہم پر اثر انداز نہیں ہو رہا ہوگا۔ اور یوں بھی نفس کو امتحان میں ڈالنا منع ہے کیونکہ نفس کی بھوک عام بھوک پیاس سے زیادہ زور آور اور طاقت ور ہوتی ہے جو برائی پر آمادہ کر دیتی ہے اور بھلے برے کا فرق بھلا دیتی ہے اسی لیے نفس کو ہمارے ہاں امتحان میں نہیں ڈالا جاتا۔ ہماری عورت خود کو کور کرتی ہے اور مرد اپنی نظروں کی حفاظت کرتا ہے۔ تم ہمارے معاشرے سے تعلق نہیں رکھتیں تم لباس کے سلسلے میں غیر محتاط ہو، تم لوگوں کی نشست و برخاست میں ہم لوگوں والی شائستگی نہیں ہوتی۔ ہم تمہیں یہ صرف سمجھانا چاہ رہے تھے کہ ہم دونوں انسان ہیں فرشتے نہیں۔ اگر ہم خود اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں تو بس اس لیے کہ اپنی کتاب اپنے دین اپنے نبی اور اپنے رب کائنات کی تعلیمات و احکامات ہمارے ذہنوں میں راسخ ہیں'' وہ تفصیل سے بتاتا چلا گیا۔ ''ایک بات تو تم بھول گئے جو تمہیں اپنے نفس پر قابو رکھنے پر مجبور کرتی ہے'' ایما نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
''وہ کیا؟'' نوفل نے پوچھا۔ ''ایشل کی محبت۔ تم اس سے بے وفائی کے مرتکب ہو ہی نہیں سکتے۔ ورنہ مسلمان بھی یہاں آ کر کیا کیا نہیں کرتے'' وہ حسرت سے بولی تھی۔
''وہاں سوتو ہے ہیں۔'' اس کے لبوں پر بڑی بے ساختہ سی اور بڑی پیاری سی مسکراہٹ آئی تھی ''اور مجھے اس محبت سے محبت ہے'' نوفل سکندر اس کی آواز سی سرگوشی سے مشابہہ تھی۔ نوفل نے اس کے لب ہلتے دیکھے تھے مگر وہ کچھ بھی سننے سے قاصر تھا۔ ''تم اور حسین وہ مسلمان ہو جنہوں نے مجھے حقیقت میں بتایا ہے کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں'' اور اس لمحے نوفل نے بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ اس لادین معاشرے میں بھی رب نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔
''اور یہاں پاکستان میں لوگ اپنا مذہب اور تعلیمات، اپنے رب اور نبی کو بھلائے، سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور ہر معلومات ون ٹچ کے زعم میں اس گندگی میں اترنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں جو تباہی کا دہانہ ہے، جہنم کی آگ ہے''
سونی گھر آ چکی تھی اس لیے بڑے دنوں بعد لیلیٰ یونی آئی تھی آتے ہی شائم اور اسامہ نے اسے گھیر لیا۔ ''کیا

Digitized by Google

ہوگیا تھا کیوں نہیں آ رہی تھیں؟'' ثمائم نے پوچھا۔

''میری کزن hospitalized تھی'' اس نے بتایا۔ ''کیوں کیا ہوگیا تھا۔'' ثمائم نے دوبارہ سوال کیا۔

''پتہ نہیں شاید نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا'' اس نے بات گھمائی تھی تبھی اس کی ذہنی رو بہکی تھی ''یا شاید کسی اور کے اعمال کے مکافات کی جکڑ میں آ گئی'' اس نے خود کلامی کی۔ ''کیا کیا کیا! کہا تم نے!'' ثمائم اس کا اگلا جملہ سن نہیں سکی تھی سو بولی۔ ''کچھ نہیں کچھ خاص بات نہیں ہے، بہرحال اب وہ ٹھیک ہے اور گھر پر ہے۔'' لیلیٰ نے بات بدلی۔

''لیکن تم نے شروع میں کہا تھا کہ شاید اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے'' ثمائم نے کہا۔ ''ہاں'' لیلیٰ نے لاپرواہی سے کہا۔

''شاید کا مطلب ہے تمہیں ٹھیک سے پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ کیوں hospitalized تھی اور تم مسلسل اس کی وجہ سے چھٹیاں کر رہی تھیں'' ثمائم نے جرح کی۔

''ہاں اب بیٹھ کر تم بال کی کھال نکالو۔'' اسامہ نے جل کر کہا تو لیلیٰ ہولے سے مسکرائی۔ ''وہ ایکچوئیلی بات یہ ہے کہ میں اور ایشل گھر پر ہی تھے اور hospital میں قیام کرنے والوں کے طعام کا بندوبست ہمارے ذمے تھے۔ تو ہم دونوں کا جانا ہی نہیں ہوا اس لیے درست بات معلوم نہیں ہے کہ اسے کیا ہوا تھا جو ہاسپٹل سے آتا وہ اتنی افراتفری میں آتا کہ پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ اب وہ آ گئی ہے جاؤں گی ملنے۔ اور چھٹی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ میری سگی ماموں زاد ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تسلی ہوگئی ہوگی اور ہاں وہ ہماری ہی لین میں رہتی ہے اور کوئی معلومات تو درکار نہیں ہیں؟'' لیلیٰ نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر پوچھا۔

''معلومات تو جبت سازی درکار ہیں مگر تم پٹھے پر ہاتھ بھی تو رکھنے دو'' اسامہ نے کہا۔ ''پوچھو آج سب بتاؤں گی کیونکہ میں نے رب کی بے نیازی دیکھ لی اب مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے'' اس نے کہا تو دونوں بہن بھائی نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔

''تم اتنی دنیا سے ناراض خفا کیوں رہتی ہو؟'' اسامہ نے اس من موہنی سی لڑکی کو دیکھا۔ ''بس کچھ حالات و واقعات نے ایسا کر دیا ہے'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''ایکچوئیلی میرے فادر سوتیلے ہیں'' لیلیٰ نے آہستگی سے کہا۔

''اوہ! تو یہ وجہ ہے تمہارے کڑوے پنے کی۔'' اسامہ بخاری نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''ارے نہیں نہیں he is very nice person۔ باپ کیا ہوتا ہے اس کی محبت کیا ہوتی ہے یہ میں نے ان کے وجود سے محسوس کیا ہے۔'' اس کے چہرے پر محبت، نرمی اور روشنی ایک ساتھ بکھری تھی اور ان دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تو کیا چیز ہے جس نے تمہیں اتنا روڈ اور کڑوا بنا دیا ہے؟'' ثمائم نے اسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ ''وہ چیز نہیں شخصیت ہیں میرے باپ میرے سگے باپ جنہوں نے مجھے دنیا کے سامنے سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔'' وہ بڑے دکھ سے ہنسی تھی۔

''یعنی تمہارے فادر زندہ ہیں؟'' ثمائم نے پوچھا۔ ''ہاں انہوں نے میری ماما کو ناپسندیدگی کی پاداش میں اس دن طلاق دی تھی جس دن میں پیدا ہوئی تھی'' اس کے چہرے پر کرب کی پھیل کر جم سا گیا تھا۔

Digitized by Google

''اوہ! آئی ایم ویری سوری..... شائم نے اس سے معذرت کی۔'' کیوں تم معذرت کر رہی ہو، تمہارا اس میں کیا قصور ہے'' وہ کرب سے ہنسی تھی۔'' اور تمہیں پتہ ہے ناں! ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے تو سارے قصور سارے کھاتے میری ماں کے نام ہی کھلے اور ان سے مجھ تک منتقل ہو گئے۔ کیونکہ وہ میری ماں ہیں اور کیونکہ وہ گھر نہیں بسا سکیں تو میں بھی نہیں بسا سکوں گی۔ میرے بیسیوں رشتے آ کر پلٹے پھر ایک فیملی نے مجھے ان داغوں سمیت قبول بھی کر لیا مگر بعد میں ان کا بیٹا میرے منہ پر منگنی کی انگوٹھی مار کر چلا گیا۔'' لیلیٰ نے کہانی ایڈٹ کر کے سنائی۔'' کم ظرف'' اسامہ نے نفرت سے کہا۔'' کم ظرف کہہ لو یا کچھ بھی بہر حال میں اس کی ٹھکرائی ہوئی ہوں'' وہ تلخی سے مسکرائی۔

''اوہ کم ظرف تم جیسی اچھی لڑکی کو ڈیزرو ہی نہیں کرتا تھا۔'' شائم نے برہمی سے کہا۔'' بہر حال میری سوتیلی پھوپھی مجھے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں مگر step ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ میرے اور ماما کے ساتھ امتیازی سلوک کیا اس لیے میرے پاپا میری شادی وہاں نہیں کرنا چاہتے مگر وہ بضد ہیں اور میرے لیے آئے ہوئے اکثر رشتے انہی کی وجہ سے واپس نہیں پلٹتے۔ میری منگنی ٹوٹنے میں بھی در پردہ انہی کا ہاتھ ہے۔'' اس نے مزید بتایا۔ اور شائم قدرے بھائی کی طرف مڑی تھی۔'' بھائی! آپ مزید دیر کے متحمل نہیں ہو سکتے'' اس نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

''کیسی دیر؟'' لیلیٰ نے ناسمجھی سے شائم کو دیکھا۔'' ارے یار! سر عزیر ارسلانی کی کلاس ہے نا، اس کی بات کر رہی ہوں۔'' شائم نے بات گول کی جبکہ اسامہ نے سر ہلایا اور تینوں نے کلاس کی جانب قدم بڑھائے۔

سونی کو گھر واپس آئے ہوئے کافی دن گزر چکے تھے وہ بہت خاموش ہو چکی تھی اور اس وقت آمنہ اور شہروز اس سے بات کرنے کے ارادے سے اس کے روم کی طرف آئے تھے کہ اس نے اتنی قبیح حرکت کیوں کی تھی اور وہ ہانی اور سونی کے روم کے دروازے پر ہی تھے کہ اندر سے آتی ایشل کی آواز نے ان کے قدم روک لیے۔'' اب شرافت سے جلدی جلدی بتاؤ کہ یہ حرکت کیوں کی تھی اور بالکل ٹھیک ٹھیک بتانا ورنہ پہلے تو تم نے خود کشی کی تھی۔ اب میں تمہیں قتل کر دوں گی'' ایشل کا انداز خاصا جارحانہ تھا۔'' کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ بتایا تو ہے کہ ایکچوئلی پیر کٹر لگ گیا تھا'' سونی کی تھکی تھکی سی کمزور سی آواز آئی تھی۔'' یہ بکواس اور سب کے سامنے کرنا مجھے سچ چاہیے بالکل سچ ورنہ یہ چھری دیکھ رہی ہو ناں!'' ایشل کی برہم آواز آئی۔'' مار دو۔ مار دو ایشل! مجھے مار دو۔ میں ہوں ہی اسی قابل۔'' سونی نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور ایشل اور ہانی نے گھبرا کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''نہیں رو سونی! ہم اسی لیے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر تمہیں کسی مدد کی ضرورت ہے تو ہم دونوں حاضر ہیں۔ ہم سے جو مدد ہو سکی وہ ہم کریں گے۔ بجائے اس کے بڑوں کو بتاؤ ہمیں بتا دو۔ ہم اپنے طریقے سے ان کو بریفنگ دے دیں گے اور یہ تو طے ہے کہ بڑے جاننا چاہتے ہیں کہ اس انتہائی اقدام کی وجوہات کیا تھیں.....'' ہانی نے اپنی مدد کی یقین دہانی کے ساتھ اسے آئندہ آنے والے مسائل کے سامنے کا بھی بتایا۔

''ہانی، ایشو! میرا کوئی قصور نہیں ہے وہ اینا کا کزن تھا فواد۔ اس نے مجھے اینا کے گھر پر دیکھا پھر اس نے مجھے کال کی.....'' اور اندر منہ کھولے اور دم سادھے ہانی اور ایشل سن رہی تھیں اور باہر سن کھڑے آمنہ اور شہروز.....

''اب وہ مجھے ان تصویروں اور وڈیوز کے ذریعے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے'' سونی نے بات ختم

Digitized by Google

کی تو وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

''تمہاری اس سے کس حد تک بے تکلفی تھی؟'' ہانی کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی اور باہر کھڑے شہروز اور آمنہ پانی پانی ہو گئے۔ ''ہانی!'' سونی کی آواز میں دکھ تھا۔ ''ہاں میں بُری ہوں کہ میں نے گھر والوں کی لاعلمی میں اس سے ملاقاتیں کی ہیں مگر اتنی بری نہیں ہوں کہ مجھے اپنی حدود کا پاس ہی نہ ہو ان تصاویر اور وڈیوز میں بے تکلفی ضرور ہے مگر.....'' وہ دکھ سے بولی۔

''پھر وہ کیوں تمہیں اس انداز کی دھمکیاں دے رہا ہے اور بلیک میل کر رہا ہے؟''

''وہ جانتا ہے کہ ہمارے گھر کی اقدار کیا ہیں اور یہ تصاویر اور وڈیوز بھی ہمارے گھر میں کیسا ایٹم بم ثابت ہوں گی'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''اور ہمارے گھرانے کے متعلق اتنی معلومات اسے کہاں سے ملیں تم سے یا اینا سے؟'' ایشل کا لہجہ سرد تھا۔

''ظاہر ہے مجھ سے، اینا اس سارے معاملے میں کہیں بھی ملوث نہیں ہے'' سونی جانتی تھی کہ اینا نے خود کو بہر حال اس طرح سے صاف اور الگ رکھا ہوا تھا کہ وہ چاہے بھی تو اس کی انوالومنٹ کو اور فواد کی کہی ہوئی باتوں کو ثابت نہیں کر سکے گی وہ بہت شاطر کھلاڑی تھی۔

''فواد نے مجھ سے خود ہی کال کر کے رابطہ کیا تھا اس میں اینا کا کہیں بھی کوئی بھی کنٹری بیوشن نہیں ہے'' سونی نے دوبارہ کہا۔

''چلو تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں ورنہ مجھے اس بات پر مطلق یقین نہیں ہے'' ہانی نے بے لچک لہجے میں کہا۔ ''اب آگے بتاؤ وہ کہتا کیا ہے؟'' اس نے دوبارہ پوچھا اور جو بات سونی نے بتائی اس نے ان دونوں کے قدموں تلے سے زمین نکال دی اور باہر کھڑے ہوئے شہروز کے منہ سے نکلا ''تو آمنہ بیگم! کسی کی بیٹی کے ساتھ کی گئی زیادتی کی پہلی قسط..... تم نے تو صرف الزام لگایا تھا اور تمہاری بیٹی خود انوالو ہے۔'' شہروز کا لہجہ بڑا کڑوا تھا اور آمنہ اندر تک لرز کر رہ گئی تھیں اور اس کے ساتھ ہی شہروز نے ہینڈل پر دباؤ بڑھا کر دروازہ کھول دیا اور غصے میں آگے بڑھے سونی گھبرا کر ہانی کے پیچھے چھپی تھی جبکہ ایشل تیزی سے اٹھ کر چچا کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''نہیں چاچو! میں آپ کو اب سونی پر کوئی زیادتی نہیں کرنے دوں گی، پہلے خبر رکھنی تھی..... اگر آپ لوگوں سے کوتاہی ہوئی ہے تو اب برداشت بھی کریں اور اس مشکل سے نکلنے میں اس کی مدد بھی کریں۔'' ایشل کا لہجہ بے لچک اور چٹانوں کا سا تھا۔ شہروز ڈھیلے پڑ گئے اور انہوں نے گہری سانس لی۔

''فرہاد کے دوست کا بڑا بھائی ہے ڈی ایس پی۔ فرہاد کو بھی بتانا پڑے گا۔ وہ سابر کرائم وغیرہ والوں سے contact میں ہوں گے۔'' شہروز اس وقت بڑے بے بس اور بوڑھے سے نظر آنے لگے تھے۔

''چاچو! ان سے تو آپ خود اپنے انداز میں بات کریں سمجھا کر بہر حال فرہاد بھائی، بھائی ہیں۔ انہیں غصہ آنا فطری عمل ہے۔'' ایشل نے سمجھداری سے کہا تو شہروز نے تھکے تھکے سے میں سر ہلایا۔ آمنہ بالکل خاموش تھیں اور ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

ایشل کی نوفل سے بات ہوئی تو وہ اسے بہت خاموش خاموش لگی تھی اس نے کئی بار کریدا مگر اس نے کچھ نہیں بتایا کہ اسے اس معاملے کو کسی کو بھی نہیں بتانا تھا، بتا کر اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہی کرنا تھا۔ ''تو تم

Digitized by Google

مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' اس نے برہمی سے کہا۔

''کوئی بات ہوگی تو بتاؤں گی ناں! بس کالج جانا وہاں سے آکر کوچنگ اور واپس آکر پھر پڑھائی بس اسی وجہ سے تھکن ہو جاتی ہے، تب ہی میں تمہیں کمزور و خاموش خاموش لگ رہی ہوں'' اسے بڑی تفصیل سے جواب دیا کہ نوفل کی تسلی ہو جائے۔

''لیلیٰ ٹھیک ہے ناں! گھر میں سب خیریت ہے؟'' اس کی تسلی ہوئی نہیں۔ ''شکر الحمدللہ نوفل! انہیں دن لگے مگر اب وہ زندگی کی جانب واپس آ گئی ہیں اور پھپھو جانی اور پھوپھا صاحب سب خیریت سے ہیں'' اس نے چہرے پر بشاشت لا کر کہا ورنہ نوفل کو مطمئن کرنا مشکل ہو جاتا۔

''اور ہماری پھپھو جانی کا کیا حال ہے؟'' اس نے بڑا چبا کر طنزیہ کہا تو ایشل کے چہرے پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی۔ ''ان کا حال بڑا پتلا ہے، مان بھائی کا تو تمہیں پتا ہے ناں! اپنی بیوی اور بچوں سمیت آ گئے ہیں مستقل تو اب پھپھو کا گھر۔ گھر کم National Or Provincial Assembly زیادہ لگتا ہے'' وہ ہولے سے ہنسی تھی۔

''گویا وہ قدرت کی پکڑ میں آ گئیں!'' نوفل نے کہا۔ ''نہیں نوفل! قدت کی پکڑ اتنی ڈھیلی نہیں ہوتی۔ قدرت بہت ڈھیل دیتی تو ہے مگر جب رسی کھینچتی ہے تو ہڈیوں کا سرمہ بنا دیتی ہے۔ یہاں دونوں فریقین ہم پلہ ہیں نہ پھپھو کم ہیں اور نہ ہی بھابھی اور نہ ہی مونا۔ ہاں اس گھر کے مرد شانی بھائی اور انکل ضرور suffer کر رہے ہیں اس صورت حال سے.....'' ایشل نے کہا۔

''ایشل! ایک بات کہوں.....'' نوفل نے پوچھا۔

''نوفی! تمہیں ضرورت ہے اجازت کی'' ایشل نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔ ''ایشو! تم بہت گہری باتیں کرنے لگی ہو، بہت گہری ہو گئی ہو تم سے اب کوئی بات اگلوانا بہت مشکل کام ہے تم نے کتنی آسانی سے مجھے دوسری جانب گھما دیا جبکہ کوئی بات ہے ضرور تم نہ بتاؤ وہ ایک الگ بات ہے۔'' نوفل نے بڑا صائب تجزیہ کیا تھا اور وہ قائل ہو گئی کہ واقعی نوفل اسے اچھی طرح جانتا تھا۔

''نوفل! پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ کوئی بات ہوگی تو بتاؤں گی ناں! اور وقت کے ساتھ ساتھ انسان میں سنجیدگی تو آتی ہے۔ خیالات و افکارات میں بھی گہرائی و گہرائی آ جاتی ہے تمہیں پتہ ہے تمہیں گئے ہوئے دو سال ہونے والے ہیں اب میں کوئی وہ اسکول گرل تو رہی نہیں، وہی بچکانہ اور بے تکی باتوں پر گھنٹوں خوش ہو کر ہنستی رہوں'' وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

''ہاں واقعی وقت کتنی جلدی گزرا پتہ ہی نہیں چلا'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔ ''تمہیں پتہ نہیں چلا ہوگا ہم سے پوچھو ایک ایک لمحہ پتہ چلا ہے گزرتا ہوا'' اس نے بے ساختگی سے کہا۔

''یعنی تم مجھے مس کرتی ہو مجھے یاد کرتی ہو'' وہ شرارت سے بولا۔ ''چچ!'' اس نے نفی میں سر ہلایا ''اور تم کو بھولے ہی کہاں ہیں جو تمہیں یاد کریں'' کہہ کر اس نے messenger video call ڈراپ کر دی اور نوفل نے خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا کبھی کبھی اس کے چھوٹے چھوٹے جملے دل میں کیسی خوشی و سرشاری بھر دیتے تھے کوئی نوفل کے دل سے پوچھتا۔ حالانکہ اقرار میں وہ ہمیشہ کنجوس ہی رہی تھی مگر کبھی کبھی بے ساختہ بے اختیاری میں کہے جملے اس کے منہ سے نکل جاتے اور احساس ہو جانے پر وہ فوراً منظر

URDU TUBE

Digitized by Google

سے غائب ہوجاتی تھی، گھر بھی بات ہوئی اس کی مگر گھر سے بھی کچھ پتہ نہ چلا۔

سبرینہ جو کہ اپنے گھر کی بلاشرکت غیرے حکمران تھیں بہو کے آنے سے اب ان کی حیثیت ایک معزول حکمران کی سی ہوگئی تھی ان کی بہو حقیقتاً ان کے لیے لوہے کے چنے ثابت ہوئی تھی۔ گھر کے کام کاج سے تو اس کی جان جاتی ہی تھی مگر اس کی زبان بھی ہر لحہ اس کے کاندھے پر پڑی رہتی تھی۔ مونا کی وہ سب سے بڑی مخالف تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ پرانی کہانیوں کی طرح صبح سویرے گلی میں داخل ہونے والے پہلے سب سے پہلے انسان سے اس کی شادی کر کے اسے چلتا کردے چاہے وہ پہلے سے شادی شدہ، اندھا، کانا، لنگڑا، بہرہ، گونگا یا لولا ہو مگر بس وہ جلد از جلد مونا کو یہاں سے نکالنا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں تو اب انوار اور سبرینہ دونوں ہی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ جلد از جلد مونا کا کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر اسے اپنے گھر کا کردیں مگر ابھی تک کوئی معقول رشتہ ملا نہیں تھا نور بینہ کی تو دونوں ہی بیٹیاں تھیں..... خاندان والے مونا کی زبان دانی سے واقف تھے اور اب رہ گئے تھے غیر تو ان کی ڈیمانڈز اب بہت زیادہ تھیں بہت پڑھی لکھی، کم عمر، سگھڑ اور جاب کرنے والی لڑکیاں آج کل آن ڈیمانڈ تھیں اور خوب صورتی اضافی خصوصیات میں شامل تھی۔ اب کوئی ان معیار بنانے والوں سے پوچھے بہت پڑھی لکھی کم عمر کیسے ہوگی اور جاب کرنے والی سگھڑاپا کس وقت دکھائے گی مگر خیر.....

مونا پیاری اور کم عمر تو تھی مگر تعلیم میں کم تھی اس نے ردیپیٹ کر مڈل تک پڑھا تین بار کوشش کے باوجود جب وہ 9th کلیئر نہ کرسکی تو اس نے پڑھائی کو سات سلام بھیجے اور گھر بیٹھ گئی۔ ماں باپ اور بھائی سب کی لاڈلی تھی شان نے کہا بھی کہ وہ آگے کوشش کرے، وہ مدد کردیا کرے گا مگر اس نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔ انوار صاحب کو بھی قلق تھا اس کی تعلیم مکمل نہ ہوسکی مگر سبرینہ کو اس بات کا کبھی دکھ نہیں ہوا تھا۔ مگر آج انہیں احساس ہو رہا تھا کہ وہ لاڈ میں اپنی ہی بیٹی کے ساتھ برا کرچکی ہیں اور کام کو کہ اسے سب آتے تھے اور وہ سب کر بھی لیتی تھی مگر ان کاموں میں سگھڑاپا مفقود تھا اور ان خصوصیات سے خاندان والے تو واقف تھے ہی آنے والے رشتے بھی واقف ہوجاتے تھے اور کچھ آگ بہو بیگم کی بھی لگائی ہوئی ہوتی تھی بظاہر تو ایک طرف وہ یہ چاہتی تھی کہ مونا گھڑی کی چوتھائی میں یہاں سے چلی جائے مگر دوسری طرف وہ آنے والے رشتوں میں بھی رکاوٹ بن رہی تھی پتہ نہیں کیا سائیکی تھی اس عورت کی۔ اور جب چوتھے رشتے سے انکار کے بعد مونا نے صاف انکار کردیا کہ وہ اب اس بار بار کی rejection پریڈ کا حصہ نہیں بنے گی تو پہلی بار سبرینہ نے اپنا احتساب کیا ان کی بیٹی جس حالت سے چوتھی بار ہی چیخ پڑی تھی اس کا نشانہ انہوں نے لیلیٰ کو بیسیوں بار بنایا تھا اور اب آخری وار تو انہوں نے بہت ہی کاری کیا تھا اگر لیلیٰ ان کی سوتیلی تھی بھائی تو سگا تھا اور اکلوتا بھی تھا۔ انہوں نے تو اس کا بھی خیال نہیں کیا تھا کیا اس ساری کنڈیشن سے صرف لیلیٰ اور عالی متاثر نہیں ہوئی تھیں انکا پورا گھر متاثر ہوا تھا۔ لیلیٰ کی زندگی پر ایک اور داغ لگا دیا تھا۔

انسان بہت کم ظرف ہے اس کے لیے اپنا آپ ہی اہم ہوتا ہے ان کے لیے بھی ان کا اپنا آپ اور ان کا بیٹا اہم تھا۔ انہوں نے کبھی خود کو لیلیٰ کے ماں باپ کی جگہ رکھ کر سوچا ہی نہیں جو ذاتی عناد انہوں نے سکندر کی عالی سے شادی پر باندھا تھا۔ وہ عالی کے رویے پر بھی ختم نہ ہوا بلکہ اس کی شدتوں میں ہر بدلتے دن کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جب ان کی بیٹی پر آئی تھی تو انہیں احساس ہوا تھا کہ بیٹی کی تکلیف کیا ہوتی ہے اور اکلوتی لاڈلی بیٹی جسے ہم گرم نگاہ سے بھی نہ دیکھنا چاہیں اس کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ اور ابھی تو ابتداء تھی بہت سے کھاتے

Digitized by Google

کھلنے تھے بہت سی آہوں اور سسکیوں کے حساب دینے تھے.....

شہروز نے فرہاد کو بتایا تو کئی لمحے تو سُن سا ہو گیا وہ اپنی دونوں بہنوں پر بہت اندھا اعتماد کرتا تھا۔ اور ہانی واقعی ان لوگوں کے اعتماد پر پوری اترتی تھی مگر یہ سونی کیا کر بیٹھی تھی۔ وہ بہت دیر تک کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا اسے اس لمحے اپنے باپ پر بڑا ترس آیا تھا۔ وہ ایک محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے باپ تھے بہر حال کہیں نہ کہیں تو کوتاہی ہوئی تھی۔ اور یہ کوتاہی سب سے ہوئی تھی کوئی ایک قابل گرفت نہیں تھا۔ ہاں مگر ان کی ماں کی ذمے داری زیادہ تھی جس سے انہوں نے مجرمانہ غفلت برتی تھی کہتے ہیں عورت کے جو ماں بھی ہو اس کے چہرے پر ہی نہیں پیچھے سر پر بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ مگر وہ تو شروع سے ہی ایک لاپرواہ ماں تھیں۔

''پھر اب کیا کرنا ہے بابا!'' وہ بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوا تھا۔ ''وہ تمہارے دوست کا بھائی ہے ناں! ڈی ایس پی.....'' انہوں نے نظریں چرا کر کہا۔

''بابا..... وہ میرا دوست ہے میں کیسے اپنی بہن'' وہ بات پوری بھی نہ کر سکا۔ ''اور بابا ہر طاقت میں ہونے والے شخص میں جو شخصی خامیاں ہوتی ہیں وہ بلال میں بھی موجود ہیں ہر بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا خود کو برتر اور دوسروں کو حقیر ثابت کرنا تو آپ کو کیا لگتا ہے میری کمزوری اس کے ہاتھ لگے گی تو کیا وہ مجھے بخش دے گا'' فرہاد نے بے بسی کی انتہا پر جا کر کہا۔

''لیکن اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو میں بات کرلوں گا صلاح بھائی سے'' اس نے فرمانبرداری سے کہا۔ ''میری تو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟'' شہروز نے بے بسی سے کہا۔ ''اس معاملے کو ایسے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ لڑکا آگے بھی سونی کو بلیک میل کر سکتا ہے یا کوئی ناقابل معافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' شہروز نے سیدھے ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے اپنی پیشانی دبائی جو کہ ان کے ذہنی دباؤ کو ظاہر کر رہی تھی۔

''ارے ہاں بابا! یاد آیا شان بھائی کے ایک دوست بھی ڈپٹی کمشنر کے بیٹے ہیں میں شان بھائی سے بات کرتا ہوں۔'' اچانک ہی فرہاد نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

''مگر وہاں سے بات سبرینہ تک چلی جائے گی اور تم ان کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو پورے خاندان میں ڈھنڈورا پیٹ دیں گی'' شہروز نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

''کون بتائے انہیں۔ بابا! کیا آپ واقف نہیں ہیں شان بھائی کے مزاج سے!'' اس نے پوچھا۔ ''ہاں پتہ تو ہے مجھے اس کے مزاج کا مگر پھر بھی ڈر ہی لگتا ہے اگر سبرینہ کو بھنک بھی پڑ گئی ناں تو میری بیٹی تباہ و برباد ہو جائے گی۔'' ان کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔ ''اپنی تباہی و بربادی میں تو اس نے ابھی بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اس خودکشی کے ہی متعلق خاندان میں کئی سوال گردش کر رہے ہیں..... ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے مگر ہماری نسل کو ہر مسئلے کا حل اور چھٹکارہ خودکشی لگتی ہے پیچھے گھر والے ہیں ناں! مشکلات جھیلنے اور لوگوں کے کاٹ دار سوالات کے جواب دینے کے لیے'' فرہاد نے تلخی سے کہا۔

''بہر حال بابا! میں شان بھائی سے بات کر کے آپ کو انفارم کرتا ہوں'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اسے منع کر دینا کہ کسی کو بھی یہ بات نہ بتائے۔'' شہروز کا لہجہ ملتجی تھا۔

Digitized by Google

''مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے بابا! یہ بات باہر نہیں نکلے گی مجھے یقین ہے۔'' شان بھائی بہت ذمے دار انسان ہیں۔'' فرہاد نے کہہ کر قدم باہر کی جانب موڑے۔

''ہاں ہے تو پھر بھی پتہ نہیں کیا بات ہے عالی اور سکندر کیوں اڑے ہوئے ہیں اس رشتے کے لیے'' انہوں نے خود کلامی کی اور فرہاد نے مڑ کر ان کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔

شان نے فرہاد کی پوری بات تحمل سے سنی۔ فرہاد ساتھ میں سونی کا موبائل بھی لایا تھا جس میں موجود تصاویر اور وڈیوز کو دیکھنے کی ان دونوں میں ہمت نہیں ہوئی تھی۔ تمام بات سن کر اس نے اپنے دوست کو کال کی اور تمام معاملہ اس کے گوش گزارا۔ تمام بات سن کر شان کے دوست عدیل نے انہیں شام کا وقت دیا کہ وہ آ کر ان کے والد سے شام میں مل لیں اور ان لوگوں نے محاورتاً نہیں حقیقتاً گھڑیاں گن گن کر گزاریں اور شام میں عدیل کے والد ڈپٹی کمشنر راحیل سے ملاقات کی۔ انہوں نے تمام بات سن کر تسلی دی کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے انہوں نے موبائل لے کر تمام وڈیوز اور تصاویر دیکھیں اور سر ہلایا۔

''میٹریل اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا بچی ڈر گئی ہے غالباً آپ کے گھرانے میں ابھی بھی پرانی اقدار باقی ہیں ورنہ آج کل کی لڑکیاں جب ہر حد سے گزر جاتی ہیں تو انہیں عزت بچانے کا خیال آتا ہے جو کہ پہلے ہی..... خیر میں دیکھتا ہوں اس معاملے کو..... انشاء اللہ جلد پکڑا جائے گا یہ لڑکا'' انہوں نے zoom کر کے فواد کی تصویر دیکھی۔

''ویسے یا تو یہ لڑکا over confident ہے یا پھر اس نے آپ کی بہن کو غلط judge کیا ہے ورنہ اس طرح سے تصاویر اور وڈیوز'' راحیل صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں پاپا! آپ نے غور نہیں کیا وڈیوز میں زیادہ تر میں اس کی بیک اور لڑکی کا فرنٹ ہے اور تصاویر میں یا تو سائیڈ پوز ہے یا بلر تصاویر'' عدیل نے باپ کی توجہ وڈیوز اور تصاویر پر دلائی اور شان اور فرہاد تو مارے شرمندگی کے کچھ بولنے کے لائق ہی نہیں تھے۔

''ہاں بیٹا لیکن ان تصاویر سے بھی اسکیچ تو بن سکتا ہے.....'' راحیل صاحب نے کہا۔

''جی پاپا!'' اس نے تائید کی۔ ''ٹھیک ہے بیٹا! ابھی یہ موبائل کچھ دن ہمارے پاس رہے گا ہم سارا data نکلوا لیں پھر لے جایئے گا اور انشاء اللہ جلد ہی آپ کو خوشخبری ملے گی'' راحیل صاحب نے کہا۔ ''تھینک یو سو مچ انکل.....! ہم آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھیں گے'' شان نے شکر گزاری سے کہا۔

''کیا غیروں والی بات کر دی تم نے شان.....'' عدیل نے برہمی سے کہا ''احسان کیسا، ضرورت پر اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں اگر مجھے کوئی ضرورت ہوگی تو میں تو تم سے حق سے سوال کروں گا تو کیا تم مجھ پر احسان کرو گے!'' اس نے دوبارہ کہا۔

''یہ تمہارا بڑا پن ہے عدیل'' تم گریٹ ہو'' شان نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

☆.....☆

مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا کئی جگہ چھاپے پڑے مگر فواد کی گرفتاری عمل میں نہ آ سکی وہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو چکا تھا اینا اور مام کو بھی چیک کیا گیا مگر انہوں نے خود کو صاف نکال لیا اور ظاہر ہے صرف کزن ہونے کی بناء پر اسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا جبکہ اس نے اس معاملے میں خود کو بہت حد تک صاف

Digitized by Google

اور الگ ہی رکھا تھا یہاں تک کہ پہلی بار کال بھی فواد نے خود ہی کی تھی اس میں بھی اینا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ اور وہ اینا کے گھر ضرور آتی تھی مگر وہاں سے وہ باہر ہی چلے جاتے تھے بقول ''مام اس کا تو ملک سے باہر آنا جانا لگا رہتا ہے کیا پتہ آج کل ملک سے باہر ہو یہاں آیا تو ہم انفارم کر دیں گے۔''

سو کوئی بھی پروگریس ہوئے بغیر یہ کیس ایک ہی جگہ رک کر کھڑا ہو گیا اور اس دن بھی شان اور فرہاد راحیل صاحب سے ملنے آئے تھے ''انکل آپ کو نہیں لگتا ہے کہ آپ نے بہت اہم مہروں کو چھوڑ رکھا ہے'' شان نے کہا۔ ''کون مسز کاشان اور اینا کی بات کر رہے ہو؟'' راحیل صاحب نے پوچھا۔ ''جی'' شان نے کہا۔

''نہیں چھوڑا نہیں ہے وہ دونوں under observation ہیں، ہمیں پتہ ہے کہ یہ پورا گینگ ہے۔ مگر انہیں پکڑنے کے لیے پکے ثبوت کی ضرورت ہے ان پر ایسے ہی ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔'' راحیل صاحب نے کہا۔

''مگر وہ فواد کا میسج کہ اینا اس کی بزنس پارٹنر ہے'' فرہاد نے جلدی سے کہا تو راحیل صاحب ہنسے۔ ''یہ کوئی ثبوت نہیں ہے بیٹا! اگر اس بات کو چیک کیا گیا تو وہ لوگ واقعی اپنا آپس کا کوئی بزنس شو بھی کر دیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ کچھ سوچنے لگے ''آپ کو کیا لگتا ہے بیٹا! یہ human trafficking اور prostitution کے ریکٹس یونہی ہوا میں قائم ہیں ان کے در پردہ بہت بڑی بڑی شخصیات ہوتی ہیں ان کی سپورٹرز میں۔ ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنا پھر انہیں جیل میں رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک کوئی پکا ثبوت نہیں ملتا جب تک انہیں پکڑنا بہت مشکل ہے۔'' راحیل صاحب نے کہا۔

''تو اس کا مطلب ہے ان کا کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ لوگ اسی طرح معاشرے میں گند پھیلاتے رہیں گے۔'' فرہاد نے مایوسی سے کہا۔

''یہ میں نے کب کہا ہے..... ان دونوں خواتین کو ہم آبزرو کر رہے ہیں اور بیٹا بات تلخ ہے مگر حقیقت ہے کہ کیا معاشرے کو صرف یہی لوگ گندا کر رہے ہیں یا ہماری اپنی تربیت کہاں گئی۔ ہماری بہن، بیٹیاں ان اسلامی اقدار سے کیوں بے بہرہ ہو گئی ہیں جو ہمارے اسلاف کی شان تھیں۔ معاف کرنا مگر بیٹا کوئی کسی کے گھر میں بیٹھ کر کسی کو ورغلا کر اس دنیا میں نہیں لے جاتا۔ یہ ہماری ہی تربیت کی خامی اور ہماری ہی شخصی کمزوری ہوتی ہیں جو ہماری بہن، بیٹیاں اُن لوگوں کے ورغلانے میں آ کر ان لوگوں کے پیچھے چل کر ان کی آلۂ کار بن جاتی ہیں'' راحیل صاحب نے کہا اور ان دونوں کے سر شرمندگی سے جھک گئے۔

''ہم نے جنریشن گیپ پاٹنے اور بچوں کو دوست بنانے کے چکر میں اُن پر چیک رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ جبکہ ہمارے بزرگوں کا قول تھا کہ کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ ایک بیس سال پہلے والی نسل کا بیس سال بعد والی نسل سے جنریشن گیپ ہے تو اسے پاٹنا چہ معنی دارد۔ ماں باپ، ماں باپ ہیں اور دوست، دوست۔ اس ترتیب کو بدلنے کا مقصد۔ اور خرابی یہیں سے شروع ہوتی ہے، بچے بے تکلف ہو کر ماں باپ سے ڈرنا چھوڑتے ہیں اور پھر عزت کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ تربیت ویسے بھی ہمارے بچوں کی الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کر رہا ہے اور جیسی کر رہا ہے وہ سامنے ہے۔ والدین کی اپنی اپنی مصروفیات اور بچا ہوا وقت بھی بچوں کے بجائے سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے نام۔ اور یہیں سے بچے اپنی بے لگام خواہشات کے آگے غلط ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں اور پھر ہم روتے ہیں'' وہ بول رہے تھے اور شان اور فرہاد

Digitized by Google

شرمندگی سے سن رہے تھے۔

''بیٹا! میں آپ کو شرمندہ نہیں کر رہا ایک جنرل بات ہے..... یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، بچوں کو اپنی استطاعت سے بڑے اسکولوں میں داخل کرواتے ہیں وہاں بڑے گھرانوں کے بچوں کے کھلے ڈھلے خرچ دیکھ کر ان کے اندر احساس کمتری پیدا ہوتا ہے اور یہیں سے بہت سے بچے چھوٹی موٹی چوریوں سے بڑے بڑے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں۔ بھیڑ چال ہے جہاں ہمیں ہانکا جا رہا ہے'' وہ دکھ سے بول رہے تھے'' وہیں ہم ہنکے جا رہے ہیں''..... ''بہرحال مسز کاشان اور اینا کو ہم نے چھوڑا نہیں ہے اُن پر ہماری نظر ہے اگر ابھی ہم نے اُن پر ہاتھ ڈالا تو نہ صرف یہ کہ وہ فوراً چھوٹ جائیں گے بلکہ محتاط بھی ہو جائیں گی ابھی وہ خود کو بہت over smart سمجھ رہی ہیں تو رہنے دو انہیں اسی غلط فہمی میں'' انہوں نے کہا تو ان دونوں کو تسلی ہوئی۔ اور ان دونوں نے سر ہلایا۔

آج بہت دنوں بعد نویرا کالج آئی تھی اور اب فری پیریڈ میں اب چائے اور برگر سے انصاف کرتے ہوئے کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہی تھی۔

''تم نے تو عالم کو پاگل کر دیا ہے، دیوانہ ہو گیا ہے'' اور اس کی بات پر ایشل کا منہ تک کڑوا ہو گیا۔

''تو اسے حیدر آباد لے جاؤ، سنا ہے وہاں پاگل خانہ موجود ہے'' اس نے تلخی سے کہا۔

''حیرت ہے اتنی خوبصورت بات کا اتنا بدصورت جواب'' نویرا تنکی۔

''تم جیسی لڑکیوں کے لیے ہوگی یہ خوب صورت بات۔ میرے لیے یہ ایک انتہائی بے ہودہ بکواس بات ہے۔'' ایشل کا لہجہ خاصا خشک تھا۔ ''اور آئندہ تم نے مجھ سے ایسی کوئی بات کی تو میں تمہاری شکایت پرنسپل سے کر دوں گی'' اس نے دوٹوک کہا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا مجھ جیسی لڑکی سے، کیا خرابی دیکھی ہے تم نے مجھ میں..... تم جیسی انتہائی خشک اور بور لڑکی سے میں نے پتہ نہیں کیا سوچ کر دوستی کی اور تم ہو کہ اکڑے ہی چلی جا رہی ہو۔ ایک عالم کی لڑکیاں مرتی ہیں عالم پر اس کے قدموں میں بچھی جاتی ہیں اور ایک وہ دیوانہ ہے تم جیسی خشک اور فضول لڑکی کا دیوانہ ہو رہا ہے'' نویرا کے لہجے سے بھی غصہ جھلکنے لگا۔

''بات برائی کی نہیں ہے نویرا! میں نے تم میں کوئی برائی نہیں دیکھی ہے مگر مجھے تمہاری بات بری لگی ہے تم ایک عرصے سے میرے ساتھ ہو اور دوستوں کی نیچر ہمارے سامنے بہت جلدی عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ وہ آپس میں بے تکلف ہوتے ہیں، ریاکاری اور تصنع سے پاک ہو کر ملتے ہیں، تمہیں کب لگا کہ میں اس ٹائپ کی لڑکی ہوں۔ اس دن تم بغیر میری خواہش کے مجھے اپنی کزن سے زبردستی ملانے لے گئیں اور آج اس بے ہودہ بات کے ساتھ موجود ہو۔'' ایشل نے بغیر لاگ و لپیٹ کے کہا۔ ''تمہیں نہیں پتہ عالم کی لائف کتنی صاف و ستھری گزری ہے تم واحد لڑکی ہو جو اسے اچھی لگی ہو جبکہ اس کے پیچھے ایک سے ایک حسین لڑکی ہے مگر اس نے آج تک کسی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا'' نویرا نے ارسل عالم کا دفاع کیا۔

''نویرا! اول تو مجھے یہ فضولیات پسند ہی نہیں ہیں مگر صرف تمہاری تسلی کے لیے بتا رہی ہوں کہ میں اپنے پھوپھی زاد کزن سے engaged ہوں اور اسے پسند کرتی ہوں اور اپنے عالم کو مشورہ دو کہ ان پیچھے رہ جانے والی حسین لڑکیوں میں سے کسی کا انتخاب کر لے کیونکہ شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ سے محبت کرے نہ کہ

Digitized by Google

اس سے جس سے آپ محبت کریں'' ایشل نے اسے سمجھایا۔

''تمہیں نہیں پتہ ایشل! اگر وہ تمہاری زندگی میں آ گیا تو تمہاری لائف بن جائے گی وہ بہت پیسے والا ہے اس کا یورپ اور پاکستان میں بزنس پھیلا ہوا ہے، اس کا ایک پیر یورپ اور دوسرا پاکستان میں ہوتا ہے اور یار ترس آتا ہے مجھے تم جیسی لڑکیوں پر اتنا پڑھ لکھ کر بھی اسی جاہلانہ فرسودہ نظام کا حصہ بن جاتی ہو۔ خالہ زاد، تایا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد۔ نکلو اس چکر سے..... تمہیں پتہ ہے اس طرح خاندانوں میں شادی کرنے سے رشتے میں کتنی بیماریاں بچوں میں منتقل ہو جاتی ہیں ان کی لائف پیدا ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہے۔'' نوریا نے دوسرا پانسہ پھینکا۔

''نوریا! ایک تو میں مادہ پرست نہیں ہوں۔ اور یہ سب بکواس ہمارے خاندانی نظام کو توڑنے کے لیے جاتی ہے اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو قرآن کریم کو سب سے پہلے منع کرتا میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی پھوپھی زاد سے نکاح نہ کرتے۔ پٹھانوں میں نسل در نسل خاندانوں میں شادیاں ہوتی ہیں مگر نہ تو وہ پاگل ہوتے ہیں اور نہ بیمار بلکہ ہم سے زیادہ صحت مند اور مضبوط ہوتے ہیں۔'' ایشل نے کوئی اثر نہ لیا۔

''سوچ لو قسمت بار بار ہمارے دروازے پر دستک نہیں دیتی ہے، ہمیں پہلی ہی دستک پر دروازہ کھولنا ہوتا ہے ورنہ ہم ساری زندگی قسمت کا در کھٹکھٹاتے رہ جاتے ہیں اور وہ پڑی سوئی رہتی ہے'' نوریا نے ایک کوشش اور کی۔

''الحمدللہ! میرے بزرگوں کی دعا اور مرضی سے میری قسمت میرے ہمراہ ہے، وہ میرا در کھٹکھٹا کر چلی نہیں جائے گی وہ میرے ساتھ رہے گی انشاء اللہ! یہ کہہ کر ایشل اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں کلاس لینے جا رہی ہوں تم چل رہی ہو یا نہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے'' اس نے بیزاری سے کہا۔ ''اور ہاں میری باتوں کو تنہائی میں سنجیدگی سے سوچنا ضرور پھر جواب دینا'' نوریا نے ایک اور کوشش کی۔

''نہیں..... آج بھی نہیں، اور کل بھی نہیں، مجھے اس بات پر کبھی نہیں سوچنا'' اس نے قطعیت سے کہا۔ اور کلاس لینے چل دی اور نوریا نے اسے دور تک دیکھا۔

''تم مشکل ضرور ہو ایشل بی بی! مگر ناقابلِ تسخیر تو نہیں..... میں تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑنے والی نہیں ہوں۔'' نوریا نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ سوچا۔

☆.....☆

سونی آج کل گھر میں سب سے چھپتی پھر رہی تھی۔ وہ کھانا وغیرہ بھی کمرے میں ہی کھاتی تھی۔ اور ہانی اور ایشل دونوں اس کی چھایا بنی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ہی اسے ایک لمحے کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑتی تھیں انہوں نے کمرے سے ہر مہلک چیز ہٹا دی تھی چاقو، چھری، قینچی، بلیڈ، پیپر کٹر وغیرہ اور دوائیں بھی..... ہانی نے تو کانچ کی چوڑیاں تک کمرے سے ہٹا دی تھیں۔

''ہانی! کیوں کر رہی ہو یہ سب..... مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں نے صرف اپنا سوچا پیچھے تم لوگوں کو سوالیہ نشان بنا دیا۔ اب میں ایسا کبھی بھی کچھ نہیں کروں گی جس سے تم سب کو تکلیف ہو۔ مجھے لڑنا چاہیے تھا مگر میں نے تو لڑے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے تھے۔ ابھی بھی تو سب کو پتہ چل ہی گیا نا..... میں بتا کر مدد طلب کر لیتی تو

Digitized by Google

لوگوں کے ذہنوں میں یوں سوالیہ نشان تو نہ ہوتے۔ کیا ہوتا بابا مجھے تھوڑا سا مار لیتے پھر اسی طرح میری مدد کو راضی تو ہو جاتے۔ مما تھوڑی سی باتیں سنا دیتیں۔ بھائی کی نظروں میں تھوڑی ملامت آجاتی۔ مگر یوں تو نہ ہوتا نا!'' وہ بری طرح سے رو رہی تھی۔

''اسی لیے کہتے ہیں سونی کہ ہماری سب سے بہترین ٹیم ہماری فیملی ہوتی ہے جو ہمارے بھلے برے میں ہمارے ساتھ کھڑی ہوئی ہوتی ہے'' ہانی نے کہا ''تم نے تو مجھ پر بھی اعتبار نہیں کیا سونی! حالانکہ میں نے بڑی کوشش بھی کی تھی مگر..... خیر اب تم زیادہ اسٹریس نہیں لو..... ابھی تمہاری کمزوری گئی نہیں ہے، انشاء اللہ اللہ بہتر کرے گا۔'' ہانی نے اسے خود سے لگا لیا۔

''انشاء اللہ'' دونوں نے بے آواز کہا۔

☆.....☆

لیلیٰ سامنے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی کوئی اسائنمنٹ بنانے میں مصروف تھی کہ عالی نے آکر اس کے سامنے دودھ کا گلاس رکھا۔

''لیلیٰ! یہ شائم بخاری کون ہے؟'' انہوں نے سرسری سی پوچھا۔

''شائم میری دوست ہے، کیوں؟'' اس نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر پوچھا۔ ''سب خیر ہے ناں؟''

''اسکی امی کا فون آیا تھا وہ آنا چاہ رہی ہیں ہمارے گھر'' انہوں نے کہا۔

''ہمارے گھر مگر کس سلسلے میں'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

''اس شائم کا کوئی بھائی بھی ہے؟ اسامہ بخاری؟'' انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

''ہاں ہے، دونوں ساتھ ہی ہوتے ہیں، دونوں ہی میرے دوست ہیں'' اسکا لہجہ الجھن آمیز تھا۔

''وہ اسامہ بخاری کا پروپوزل لانا چاہ رہی ہیں۔'' عالی نے گویا بم پھوڑا۔ ''منع کر دیں ماما'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔

''نہیں میں نے ان کو سٹرڈے ایوننگ کا ٹائم دے دیا ہے'' عالی نے کہا۔

''منع کیوں نہیں کیا ماما..... آپ نے ان کو؟'' وہ برہمی سے بولی۔

''کیونکہ تم ہماری بیٹی ہو اور تم سے متعلق فیصلے کے کرنے کا ہم اختیار رکھتے ہیں، جب تک تم اسٹریس میں تھیں ہم نے تمہاری بات مانی اب تم ہماری بات مانو اور اچھے بچوں کی طرح ان سے مل لینا'' عالی نے پیار سے کہا۔

''مگر ماما..... آپ نے انہیں منع کیوں نہیں کیا؟'' وہ سخت چڑی ہوئی تھی اس نے غصے سے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیے بغیر ہی نیچے دھکیلا۔

''خراب ہو جائے گا پہلے شٹ ڈاؤن کرو'' انہوں نے اس کی بات کو اہمیت نہ دی۔

''آپ نے منع کیوں نہیں کیا'' وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''کیونکہ ہمیں تمہاری شادی کر کے تمہارے گھر کا کرنا ہے اور بیٹیاں تو نبیوں اور ولیوں نے بھی گھروں میں نہیں رکھیں تو ہم تو بہت ادنیٰ لوگ ہیں۔'' وہ بولیں۔

''اب اچھی بچیوں کی طرح اپنی ماں کی بات کی لاج رکھ لینا'' انہوں نے دوبارہ کہا۔ ''ٹھیک ہے'' اس نے

Digitized by Google

جل کر کہا اور عالی منہ دبا کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆.....☆

نوفل کے ایگزام چل رہے تھے اور آج کل وہ سب دنیا و مافیہا کو بھولے ہوئے کتابوں میں سر دیئے لائبریری میں بیٹھے ہوئے اور لیپ ٹاپ سے کھوجتے ہوئے مصروف تھے بہت دنوں سے ایک دوسرے سے ملنا جلنا بھی بند تھا۔ اگر آپس میں بات ہوتی بھی تو اسائنمنٹ مختلف ٹاپکس کی ڈسکشن۔ ان سب کو نہ کھانے پینے کا ہوش تھا نہ ہی اپنے ظاہری حلیے کا۔ شدید بھوک میں جو کچا پکا بن پاتا کھا لیتے۔ کپڑے لانڈری کے لیے پڑے ہوئے تھے مگر کسی کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ سو میچنگ تو خواب و خیال ہوئی تھی کسی بھی پینٹ پر کوئی بھی شرٹ چلالی جاتی تھی۔ اور آخری پیپر دے کر وہ جو گدھے گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا تو شام تک کی خبر نہیں لی۔ وہ تو اس کی آواز مسلسل ہوتی بیپ سے کھلی تھی اور اس نے انتہائی غصے سے موبائل کو گھورا تھا۔ جہاں ''ایما کالنگ'' جگمگا رہا تھا اس نے اس نے گرین نشان چھوا اور کال کنیکٹ ہوگئی۔

''کیا ہے'' اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

''کیا ہوا، کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو'' وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔

''تمہارے آسیب کی وجہ سے، سونے بھی نہیں دیتی ہو'' وہ سخت چڑا ہوا تھا۔

''اللہ! یعنی میں نے تمہاری نیندیں اڑا دی ہیں۔ یہ خوشگوار حادثہ کب ہوا.....'' وہ شوخی سے پوچھ رہی تھی اور نوفل کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''بکومت..... پٹوگی مجھ سے'' وہ ہنسی روک کر بولا۔

''اس کے لیے تو مجھے تمہاری طرف آنا پڑے گا'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کس کے لیے؟'' وہ نا سمجھی سے بولا۔

''پٹنے کے لیے'' وہ اتنی بے چارگی سے بولی کہ نوفل اپنے منہ سے ابلتے قہقہے کو نہ روک سکا ''ہم کو دعائیں دو تم جیسے بودا اور خشک انسان کو بھی ہنسنے پر مجبور کر دیتے ہیں'' وہ ایک ادا سے بولی۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے اتنا بھی چھوڑنے کی نہیں ہو رہی کہ اگلے کا لپیٹتے لپیٹتے ہاتھ ہی تھک جائے'' اس نے بھی حساب برابر کیا۔ ''وہاں پاکستان میں ہم کزنز جہاں ایک ساتھ ہوتے تھے وہاں وہ پھلجھڑیاں چھوٹتی تھیں کہ الامان..... اور اس کے بعد کسی نہ کسی بڑے کے ہاتھوں ہماری وہ عزت افزائی ہوتی کہ ہفتوں یاد رہتی۔ اور پھر ہم سب اس عزت افزائی کو یاد کر کے قہقہے لگاتے تھے'' وہ اس وقت مکمل طور پر پاکستان میں تھا۔

''چلو نوفل! باہر چلتے ہیں۔ کتنے دن ہو گئے کچھ اچھا نہیں کھایا'' وہ فوراً مطلب کی بات پر آ گئی۔

''چٹوری.....'' نوفل نے چھیڑا۔

''سو یہ تو ہے'' وہ بغیر برا مانے بولی تھی۔

''ہاں یار! بات تو تمہاری درست ہے امتحان نہیں تھے بلائے جان تھے نہ کچھ اچھا کھانے کو ملا، نہ پہننے کو، منہ پھیکا سیٹھا ہو رہا ہے اور حلیہ ردی، لانڈری بھی کرنی ہے۔'' وہ بولا۔

''دھلائی تو ہفتے یا اتوار کو کر لینا ابھی باہر چلو کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔ منہ کا مزہ تو بہتر ہوگا'' وہ بولی۔

Digitized by Google

''ایسا کرو تم ادھر آ جاؤ میں تم سب کو چکن کڑاہی بنا کر کھلاتا ہوں، میں نے لیلیٰ سے ترکیب سیکھ لی ہے۔ جلدی بنتی ہے اور مزے کی ہوتی ہے'' وہ بولا۔

''نہیں مجھے عین جوانی میں نہیں مرنا'' وہ شوخی سے بولی۔

''تو نہ آؤ'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''بروٹس'' اس نے چڑ کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنسا۔

''اچھا سنو ایما! چکن تو فریج میں رکھی ہوئی ہے۔ دو کلو فریش اور سرخ ٹماٹر، ہری مرچیں، دھنیہ یا پارسلے جو بھی ملے ادرک لہسن کا پیسٹ اور شان یا نیشنل کا کٹی مرچوں کا پیکٹ لے آنا'' وہ اجزائے ترکیبی بتانے لگا۔

''اور کچھ تو نہیں لانا'' وہ جل کر بولی۔

''ہاں اسے کھائیں گے کیسے، پیٹا بریڈ کے پیکٹس بھی لے آنا'' وہ مزید چڑانے کو بولا۔ اور ایما نے کھٹ سے لائن کاٹ دی مگر جب آئی تو تمام چیزوں کی خریداری کرتی ہوئی آئی تھی لیکن منہ بنا ہوا تھا۔

''مرومت پیمنٹ کردوں گا'' وہ بولا۔

''مزید بکواس کی تو ساری چیزیں اٹھا کر لے جاؤں گی پھر بناتے رہنا چکن کڑاہی'' وہ تپ کر بولی۔

''اچھا مجھے لگا یہ بات ہے'' وہ مزے لینے والے انداز میں بولا۔ اور ایما نے ہنہ کہہ کر گردن موڑی.....

نوفل ایما کے آنے سے پہلے چکن پگھلا کر تیل میں تل کر رکھ چکا تھا۔ اب دونوں نے مل کر گول گول ٹماٹر کاٹ کر کڑاہی میں ڈالے اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر ٹماٹر گلا کر چکن ڈالی' مصالحے ایڈ کیے جھٹ پٹ کھانا تیار تھا۔ آخر میں نکالنے سے قبل اس پر سلے اور ہری مرچیں دو ٹکڑوں میں کر کے گارنش کیا۔ ''اب اُن دونوں کے منہ پر ایک ایک گلاس پانی ڈالو تا کہ ان کی آنکھ ویسے تو یہ اٹھنے والے نہیں مُردوں سے شرط لگا کر سوئے ہیں میدان حشر میں ہی انکی آنکھ کھلے گی'' وہ کچن سمیٹتے ہوئے بولا۔

''توبہ ہے نوفل کتنا زیادہ اور کتنا بے تکا بولتے ہو تم'' ایما چڑ کر بولی تو وہ ہنسا ''ان دونوں کو اٹھاؤ تو پھر پتہ چلے گا اس نے گندے ہونے والے برتن سنک میں رکھے۔ اور پھر ایما کو انداز ہوا وہ واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا پانی کا ایک ایک گلاس ان دونوں کو کچھ نہیں بگاڑ سکا ان دونوں نے تکیوں اور اوڑھے ہوئے کمفرٹرز سے منہ صاف کیے تکیوں کی سائیڈ بدلی اور دوبارہ کروٹ لے کر سو گئے۔ اور نوفل کچن سے دیکھتے ہوئے دبی دبی ہنسی ہنستا رہا بڑی مشکل سے ان دونوں کو اٹھا کر ان کے منہ دھلوا کر کھانے کے لیے لایا گیا۔

کھانا بڑے مزے کا تھا۔ سب سی سی کر رہے تھے اور کھا رہے تھے۔ یورپ میں تو مرچ مصالحہ کم کھایا ہی جاتا ہے عرب سائیڈ پر بھی عموماً مرچ مصالحوں کا استعمال کم ہی ہے ''تم لوگوں کے کھانے بہت مزے دار ہوتے ہیں پیٹ بھر جاتا ہے نیت نہیں بھرتی'' یہ تینوں کی ہی رائے تھی۔

''اگر ہینڈ بلینڈر کہیں سے ارینج کرلو۔ تو شان یا نیشنل کا حلیم مکس لے کر حلیم بناتے ہیں'' نوفل نے excited ہو کر کہا۔

''وہ میں لے آؤں گی مارتھا کے پاس سے'' ایما نے ترنت کہا۔ ''تو پھر ڈن ہے اگلے ہفتے حلیم'' نوفل نے اگلے ہفتے کا مینو بھی سلیکٹ کرلیا کھانا سرو کرنے سے پہلے وہ کڑاہی کی تصویر لے کر لیلیٰ کو واٹس اپ کر چکا تھا۔ اور وہاں لیلیٰ ماں کو تصویر دکھا رہی تھی ''دیکھیں ماما آپ کا بیٹا کتنا سگھڑ ہو چکا ہے اب جلدی سے اس کے ہاتھ

Digitized by Google

پیلے کر دیں'' وہ ماں کو چھیڑ رہی تھی اور ماں محبت سے مسکرا رہی تھیں۔

☆.....☆

اسامہ بخاری، سکندر اور عالی کو بہت پسند آیا تھا اور ان کی چھوٹی سی اور سلجھی ہوئی فیملی بھی۔ اس بار بابا و بی بی جان کے مشورے سے کسی کو بھی نہیں بلایا تھا عالی و سکندر نے بابا نے کہا تھا کہ پہلے تم لوگ مل لو۔ اگر لڑکا اور اس کی فیملی سمجھ میں آئے تو ہم بعد میں ان کے گھر جا کر مل لیں گے۔ بات پکی ہونے پر سب کو اطلاع کر دینا منگنی و منگنی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور لڑکے اور اس کی فیملی سے کبھی کسی کو ملوانے کی ضرورت نہیں ہے اس بار انہوں نے بہت احتیاط کی تھی۔

بعد میں عالی و سکندر بابا و بی بی جان، زوار و صالحہ جا کر اسامہ بخاری کا گھر بھی دیکھ آئے تھے انہیں وہ لوگ بہت پسند آئے تھے اور انہوں نے اس رشتے کے لیے ہاں کر دی تھی۔ اور انہوں نے سبرینہ اور شہروز کے گھر بھی لیلیٰ کے رشتہ پکا ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ آمنہ تو جل ہی گئی تھیں۔

''دیکھا کیسا دودھ کی مکھی کی طرح نکالا ہے آپکے بہن اور بہنوئی نے آپ کو'' وہ جل کر بولیں۔ ''تم نے وہ راستہ چھوڑا تھا کہ وہ دودھ میں پڑی مکھی کو نکل لیتے'' شہروز نے استہزائیہ کہا۔

☆.....☆

ہانی اور سونی نے بی ایس سی پارٹ ون میں ایڈمیشن لے لیا تھا سونی اب اسکارف کرنے لگی تھی اور ان دونوں کو بھی اسکارف اتنا اچھا لگا کہ ان دونوں نے بھی کرنا شروع کر دیا تھا۔

فواد ایک قصہ پارینہ ہو چکا تھا اس کے بعد اس نے پھر سونی سے کوئی کانٹیکٹ نہیں کیا تھا مگر یہ خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا اور وہ کبھی بھی سامنے آ سکتا تھا۔

سونی کی گلٹی فیلنگز اسے جینے نہیں دیتی تھیں وہ سب سے چھپ رہی تھی اسے یہ کالج کا وقت غنیمت لگتا تھا جب وہ چھ سات گھنٹوں تک کسی کا بھی سامنا نہیں کرتی تھی رہ گئیں ہانی اور ایشل تو ان سے تو دوستی کا رشتہ تھا ان دونوں نے غصہ کیا شرمندہ کیا اب وہ نارمل تھیں مگر باقی نہ کسی نے شرمندہ کیا نہ غصہ کیا خاندان میں پھوپھی تایا کسی نے بھی نہیں کریدا سبھی کا وہی محبت بھرا اور شفیقانہ رویہ تھا۔ ماما کے چہرے پر برہمی رہتی تھی مگر وہ ڈانٹتی یا غصہ نہیں کرتی تھیں بابا کو جب سے ایشل نے روکا تھا وہ ٹوٹے ٹوٹے اور بکھرے بکھرے سے تو نظر آتے تھے مگر کچھ کہتے نہیں تھے اور سب سے زیادہ بھاگ دوڑ کرنے والے فرہاد نے تو اسے گرم نگاہ تک سے نہیں چھوا تھا۔ اور سب سے زیادہ شرمندہ ہی وہ فرہاد سے ہوتی تھی اسے معلوم تھا کہ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا مگر سب سے زیادہ ذلت اسے ہی سہنی پڑی ہوگی۔ اگر فرہاد سے کبھی سامنا بھی ہو جاتا تھا تو وہ کنی کترا کر گزر جاتی تھی۔

اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا کمرے میں پانی موجود نہیں تھا وہ شدید پیاس محسوس کر رہی تھی وہ فریج کے پاس پہنچی تھی کہ اس کی نظر لاؤنج میں بیٹھے فرہاد پر پڑی اور فریج کھولتا اس کا ہاتھ درمیان میں ہی رک گیا اور وہ فوراً پلٹنے لگی۔

''سونی!'' فرہاد نے پکارا..... ''جی بھائی!'' اس نے بغیر پلٹے ہوئے کہا۔

''تمہیں فریج سے جو لینا ہے لے کر آؤ میرے پاس'' فرہاد نے نرمی سے کہا۔ ''جی بھائی'' اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ اور ڈائننگ سے گلاس اٹھا کر فریج سے پانی کی بوتل نکال کر پیا اور بھائی کے سامنے آ کر

Digitized by Google

کھڑی ہوگئی۔

''کھڑی کیوں ہو سونی، بیٹھو۔'' فرہاد نے کہا تو وہ اس کے برابر میں جا کر بیٹھ گئی۔ ''سونی کیا بات ہے مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے جو تم نے مجھ سے بات کرنی چھوڑ دی ہے؟'' فرہاد نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور سونی کے بمشکل رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے ''نہیں بھائی! قصور آپ سے نہیں قصور مجھ سے ہوا ہے میں نے آپ لوگوں کو دھوکا دیا اور پھر بجائے اس کے کہ بعد میں بھی آپ لوگوں پر اعتماد کرتی خودکشی جیسا قبیح فعل انجام دیا آپ لوگوں کے لیے زندگی کو مشکل بنا دیا۔'' وہ بے آواز رو رہی تھی۔

''ہاں سونی، غلطیاں ہم سب سے ہوئی ہیں تم سے بھی ہوئی ہے ہم سے بھی۔ تم نے غلط انسان پر اعتماد کیا اور ہم نے اندھا اعتماد کیا۔ جبکہ آج میڈیا اور سوشل میڈیا نے جو گمراہی پھیلا رکھی ہے اس میں زیادہ چیک کی ضرورت ہے تم بچی ہی تو ہو ابھی عمر ہی کیا ہے تمہاری..... ہمیں تمہیں بھلائی و برائی، نیکی و بدی کا فرق سمجھانا تھا، ہم نے ہر ننھے ہاتھ میں لیپ ٹاپ اور اسمارٹ موبائل دے رکھے ہیں اور بچے اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہر ایک ٹچ پر دنیا کی معلومات ان کے سامنے ہے جبکہ ہر ہر ورڈ لکھنے پر جو جو کچھ سامنے آ رہا ہوتا ہے وہ کچے ذہنوں کو بہت اپیل کرتا ہے اور ہم یہ سب بچوں کے ہاتھ میں دے کر سب سے زیادہ لاپرواہ ہو جاتے ہیں لیپ ٹاپ اور اسمارٹ فونز ان کے ہاتھ میں دے کر ہم سمجھتے ہیں کہ ہر بچے پڑھ رہے ہیں جبکہ وہ تو کوئی اور ہی پڑھائی پڑھ رہے ہوتے ہیں اور آخر میں یہی انجام ہوتا ہے آج جتنا چیک اینڈ بیلنس ضروری ہے'' وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور سونی کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

''اچھا تم بتاؤ تمہیں اپنے اس عمل پر شرمندگی ہے'' اس نے دوبارہ کہا۔

''بھائی! آپ صرف شرمندگی کی بات کرتے ہیں میرا دل چاہتا ہے میں کہیں گم ہو جاؤں آپ لوگوں کے سامنے نہ آؤں آپ لوگوں کے سامنے سر نہ اٹھاؤں آپ سے نظریں نہ ملاؤں'' وہ مزید زور و شور سے رونے لگی۔

''تمہیں پتہ ہے سونی اللہ کو گناہ کے بعد ندامت پسند ہے وہ گناہ پر ڈھٹائی سے غضبناک ہوتا ہے اور گناہ پر بہائے ہوئے چند آنسو کے قطروں پر راضی ہو جاتا ہے ہم انسان ہیں تھوڑے آنسوؤں اور ندامت پر ہم بھی راضی ہو جاتے ہیں مگر بہر حال راضی ہم بھی ہو جاتے ہیں'' اس نے آہستگی سے سونی کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''انسان غلطیوں کا پتلا ہے مگر کوشش کرنا کہ اپنی فاش غلطی اب دوبارہ کبھی بھی نہ ہو۔ اور جتنے بھی آنسو بہانا ہیں آج بہا لو گڑیا۔ آج کے بعد مجھے وہی پہلے کی طرح ہنستی کھلکھلاتی سونی چاہیے۔ مجھے یہ خاموش خلاؤں میں گھورتی اداس و غمگین سونی اچھی نہیں لگتی مجھے پہلے والی سونی چاہیے'' فرہاد نے کہا تو سونی بدقت مسکرائی تھی۔

''یہ ہوئی ناں بات..... گڈ گرل'' فرہاد نے اس کا سر تھپکا۔

''اور ہاں سونی ابھی خطرہ ٹلا نہیں ہے ایک تو ایسے گروہ بااثر ہوتے ہیں اور یہ جن لڑکیوں پر کام کرتے ہیں انہیں آسانی سے چھوڑتے نہیں ہیں تو اب تمہیں کیئر فل رہنا ہے اس لڑکے کا کبھی بھی فون آئے یا وہ کسی بھی طریقے سے دوبارہ بلیک میل کرنے کی کوشش کرے فوراً مجھے بتانا ہے ڈرنا بالکل نہیں ہے وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں پائے گا۔'' فرہاد نے اسے خبردار کر کے تسلی دی اور اس نے سر ہلایا۔

''اب جاؤ جا کر سو جاؤ اور صبح پرانی والی سونی ہی بیدار ہونی چاہیے'' فرہاد نے پیار سے کہا تو سونی نے ہلکی سی

Digitized by Google

مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

اور لائبریری سے ان دونوں کی باتیں سنتے شہروز نے گہری سانس لی۔ تو وہ کام جوان کے ذمے تھا جوان کو کرنا تھا وہ کام بھی فرہاد نے ہی پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا وہ خود کافی عرصے سے چاہ رہے تھے کہ سونی سے بات کر کے اسے ماضی کی تلخیوں سے نکالیں اور حال میں شامل کریں۔

☆.....☆

آئے دن کے جھگڑوں اور گھریلو ٹینشن نے سبرینہ کو ذیابیطس اور ڈیپریشن کا مریض بنا کر رکھ دیا تھا اور کچھ نہیں تو ویسے ہی منہ ماری چلتی رہتی تھی اسی پر بس نہیں تھا۔ بات اگر یہاں تک ہی رہتی تو بھی قابل قبول تھا مگر اب تو مان کی بیوی مونا پر الزام بھی لگانے لگی تھی اگر مونا فون پر کسی سے بات کرتی تو بھی اسے مسئلہ تھا وہ ایک کی چار کر کے شوہر سے لگاتی تھی اور شوہر بے دام کے غلام..... وہ فوراً چڑھائی کرنے ماں اور بہن پر چڑھ دوڑتے اس سلسلے میں تو ایک مرتبہ شان اور انوار بھائی کو بھی غصہ آ گیا تھا۔ ''بھابھی! آج تو آپ نے مونی پر الزام لگایا ہے آئندہ ایسا بھی مت کیجئے گا'' شان نے شائستگی سے کہا۔ ''ورنہ کیا کر لو گے'' انہوں نے کھلا چیلنج دیا۔

''وہ تو شاید کچھ نہ کرے مگر میں مان کو عاق کر کے اس کے بیوی بچوں سمیت اس گھر سے باہر نکال دوں گا'' انوار صاحب نے غصے سے کہا۔

''دیکھ رہے ہیں آپ..... اپنے گھر والوں کو'' وہ تڑپ کر ہی تو گئی تھیں اتنی کھلی دھمکی پر ''تم چپ کرو'' مان کو بھی دھچکا لگا تھا۔

''مان..... تم اچھی طرح سے اپنی بیوی کے دماغ کے ہر کونے میں بٹھا دو کہ اگر اس نے آئندہ میری بیٹی پر کوئی الزام لگایا تو میری اسی دھمکی کو آخری سمجھنا۔ میں اسی دن تمہیں اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے عاق کر کے گھر سے باہر نکال دوں گا۔'' وہ شدید غصے میں تھے مگر جنہیں غصے میں آنا چاہیے تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں انہوں نے بھی تو کسی کی بیٹی پر الزام لگایا تھا اور اسے کن حالوں میں پہنچا دیا تھا۔ تو کیا مکافات عمل شروع ہو چکا ہے انہوں نے دہل کر سوچا۔ اگر شروع ہو چکا ہے تو مجھے اس کے بڑھنے سے قبل ہی معافی مانگ لینا چاہیے۔

انہوں نے سوچا اور وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئیں..... ''شان..... مجھے ذرا بھائی کے گھر لے چلو۔'' انہوں نے کہا تو شان نے حیرت سے ماں کو دیکھا اتنے شاندار معرکے کے بعد بجائے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے ماں، ماموں کی طرف جانے کی بات کر رہی تھیں مگر اس نے ان سے کچھ نہیں کہا۔

''چلیں ماما'' اس نے فرمانبرداری سے کہا۔ اور انہوں نے فوراً چادر اٹھائی اور شان کے ساتھ باہر نکل گئیں اور انوار صاحب اور مونا نے ناسمجھی سے ان کو دیکھا۔

☆.....☆

وہ جب سکندر کے گھر میں داخل ہوئیں تو لیلیٰ، عالی اور سکندر تینوں بیٹھے ہوئے چائے کے ساتھ اسنیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور انکو دیکھ کر ان تینوں کے چہرے سے واضح طور پر مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ اور اس کی جگہ کھنچاؤ نے لے لی تھی اور انہیں یہ بات بہت واضح طور پر محسوس ہوئی تھی اور اس وقت انہیں اپنے ہی سابقہ کردار سے نفرت ہوئی تھی اور وہ اللہ ہی تو ہے جو جس کو جب، جس جگہ اور جس وقت ہدایت دینا چاہے۔ سو

Digitized by Google

اس نے سبرینہ کو راہ ہدایت پر ڈال دیا تھا کہ بہر حال وہ نیک لوگوں کے ہاتھوں پسی ہوئی تھیں عالی کو کبھی اس کے ساس سسر نے مطلقہ ہونے کا طعنہ نہیں دیا تھا بلکہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں سے عالی اور لیلیٰ کا دفاع ہی کرتے تھے۔ اور تربیت بہر حال کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں اثر ضرور دکھاتی ہے ''بھائی، بھابھی! میں آپ دونوں سے معافی مانگتی ہوں میں نے آج تک جو بھی کیا ہے بہت برا تھا۔ مجھے معاف کر دیں پلیز'' وہ رونے لگیں۔ اور نرم مزاج عالی تیزی سے آگے بڑھیں ''ارے کیا کر رہی ہو سبری! یہاں آ کر بیٹھو یوں زمین پر کیوں جھکی جا رہی ہو'' انہوں نے نہ صرف سبرینہ کو برابر میں بٹھایا بلکہ بوتل سے پانی نکال کر انہیں پینے کو بھی دیا جسے انہوں نے ایک گھونٹ بھر کر سامنے رکھا، شان اس صورت حال کو دیکھ کر باہر نکل گیا مگر اس اس ساری صورت حال سے جو قطعی متاثر نہیں ہوئی وہ لیلیٰ تھی وہ ویسے ہی سرد نگاہوں سے ان کو دیکھتی رہی۔ اس نے ان سے کسی ہمدردی کا مظاہرہ نہ کیا اور نہ ہی اسے محسوس ہو رہی تھی ''اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' عالی نے نرمی سے کہا۔

''بھابھی! آپ سے ہم دونوں بہنوں کا خود ساختہ عناد بہت پرانا ہے ہم دونوں نے اپنے شاندار بھائی کے لیے ایک سے ایک لڑکی دیکھ رکھی تھی میں نے اپنے سسرال میں اور نورینہ نے اپنی دوستوں میں..... مگر جب بھائی نے آپ کا انتخاب کیا تو ہم دونوں ہی چڑ گئے ہمیں اپنا بھائی کبھی غلط نہیں لگا۔ ہمیں ہمیشہ یہی لگا کہ اس سب کی ذمے دار آپ ہیں بات صرف مطلقہ ہونے کی بھی ہوتی تو شاید قابل قبول تھی مگر لیلیٰ کی ذات نے تو ہم دونوں کو آتش فشاں کے دہانے پر بٹھا دیا۔ حالانکہ دیکھا جاتا تو آپ میں کیا کمی تھی آپ کا خاندان..... شکل وصورت تعلیم اور کردار ہر چیز میں آپ بھائی کی ہم پلہ تھیں اور پھر بھائی کی پسند بھی تھیں مگر ہم دونوں نے آپ کے خلاف محاذ بنا لیا اور لیلیٰ تو ہمارا خاص شکار تھی۔ میں آج جھوٹ نہیں بولوں گی لیلیٰ ہمارا خون نہیں تھی ہمیں اس سے محبت نہیں تھی بھائی سب دیکھ کر محسوس کرتے کچھ کہتے نہیں تھے یہ ان کی تربیت کی خوبی تھی حالانکہ تربیت ہماری بھی انہی ہاتھوں میں ہوئی تھی۔ مگر ضد، نفرت، غصہ ہماری تربیت پر حاوی ہو گیا اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ شان بھی اسی راہ کا مسافر ہے جس کا مسافر بھائی رہ چکے ہیں تو میں شعلوں پر جا بیٹھی مگر نورینہ نے مجھے سمجھایا کہ لیلیٰ مجھ سے ڈرتی اور دبتی تو ہے تو کیوں نہ اسے بہو بنا لیا جائے ساری زندگی دب کر رہے گی اور مجھے اس کا مشورہ صائب لگا مگر میں نے جب آپ سے رشتہ مانگا تو آپ نے فوراً انکار کر دیا اور مجھے ضد ہو گئی کہ مجھے لیلیٰ کو ہی اپنی بہو بنانا ہے اور جو انتقام دل میں پل رہے ہیں سب اسی سے نکالنے ہیں دوسری طرف میں شان کی خاموش محبت سے بھی واقف تھی اگر لیلیٰ میری بہو بن جاتی تو میرے انتقام کا راستہ کھل جاتا اور میرے بیٹے کی محبت بھی اسے مل جاتی اور یوں میں لیلیٰ کی راہ میں کانٹے بچھاتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے کردار کشی بھی کر ڈالی وہ اسپتال پہنچ گئی مگر مجھے ذرا سا بھی رحم نہیں آیا مجھے کبھی افسوس ہوا ہی نہیں کیونکہ میں خود کو حق بجانب سمجھتی تھی۔ مگر شاید سر پر ابھی ماں باپ کی دعائیں کے باقیات ہیں کہ اس رب نے مجھے ہدایت دینے کے لیے مجھ پر میری بہو نائلہ کو مسلط کر دیا اور میں نے تو لیلیٰ کے ساتھ بہت برا کیا مگر میرے اعمال کے ذرا سے چھینٹے میری بیٹی پر پڑے تو میرے اللہ نے میری آنکھیں پوری طرح سے کھول دیں اور اب میں آپ تینوں سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں مجھے معاف کر دیں.....'' وہ مستقل بول رہی تھیں اور آنسو قطرہ در قطرہ موتیوں کی مانند ان کے چہرے اور ان کے دل کی کالک کو دھو رہے تھے۔

''ارے سبری! کیسی باتیں کرتی ہو'' عالی نے کہا جو خود بھی آنکھوں کی نمی پونچھ رہی تھیں اور آنکھیں لیلیٰ کی

Digitized by Google

بھی نم ہوگئی تھیں۔

''نہیں بھابی بھائی! آپ منہ سے اقرار کریں کہ آپ نے مجھے معاف کردیا ہے کیونکہ یہ حقوق العباد بندوں کے حقوق۔ یہ اللہ معاف نہیں کرتا۔ انہیں بندوں سے ہی معاف کروانا پڑتا ہے اور لیلیٰ سے تو میں الگ سے معافی مانگوں گی سب سے زیادہ تو میں نے اس کے ساتھ برا کیا ہے'' سبرینہ نے سامنے موجود ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ کر نکالا اور منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے پھپھو! کیسی بات کررہی ہیں آپ نے کہہ دیا بس بہت ہے'' وہ فوراً ان کے گلے لگ گئی۔ آخر کو عالی کی تربیت یافتہ تھی جو توڑنے سے زیادہ جوڑنے کی داعی تھیں۔

''اور میں نے بھی تمہیں معاف کیا سبری! اب میرے دل میں تمہارے لیے کوئی شکوہ نہیں ہے'' عالی نے بھی کہتے ہوئے ان دونوں کو کندھے سے لگایا۔ ''جب ان دونوں نے معاف کردیا ہے تو میں نے بھی معاف کیا'' سکندر نے کہہ کر سبرینہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس سارے عمل میں وہ پہلی بار مسکرائیں۔ ''ارے بھئی لیلیٰ! جاؤ پھپھو کے لیے چائے تو بنا کر لاؤ۔ ساتھ سموسے اور کباب بھی تل لینا'' عالی نے کہا تو لیلیٰ سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔

''نہیں بھابھی! بس چائے بنوادیں وہ بھی بغیر چینی کی۔ آپ کو نہیں پتہ اس ذرا سے عرصے میں، میں ذیابیطس، ڈپریشن اور ہائپر ٹینشن کی مریض بن چکی ہوں'' وہ بتانے لگیں۔

''ارے بھئی کیوں اور کیسے؟'' سکندر نے پوچھا۔ ''نائلہ کے آسیب کی وجہ سے'' انہوں نے منہ بنایا اور سب مسکرادیے۔ اور اللہ کو جن کو ہدایت دینی ہو وہ ایسے ہی دیتا ہے سبرینہ نے اپنی جانب بڑھتے عذاب کی دھمک محسوس کر کے معافی تلافی کرلی تھی، اور جب بندے معاف کردیں تو وہ ہے ہی غفور الرحیم مگر بہت سے بے ہدایت ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر عذاب آکر بھی گزر بھی جاتا ہے اور وہ اسے آزمائش ہی گردانتے رہتے ہیں اور پھر ان کی اصل پکڑ ہوتی ہے تو پھر انہیں کہیں بھی جائے پناہ نہیں ملتی ہے۔

''بھائی، بھابھی آپ لوگوں سے وہی گزارش دوبارہ ہے اگر مناسب سمجھیں تو میری بیٹی کو میرے بیٹے کی زندگی کا حصہ بنادیں شاید اسی طرح سے میرا اور میرے میاں کا بڑھاپا سنور جائے'' آج ان کے لہجے میں التجا تھی آج انہوں نے رشتہ اس غرور سے نہیں مانگا تھا جس سے پہلے کبھی مانگا تھا اور ان دونوں میاں بیوی نے سر جھکالیے۔

''سبری! تم سے تھوڑی سی دیر ہوگئی۔ ہم نے ابھی کچھ ہی عرصے قبل ابھی لیلیٰ کے رشتے کے لیے ہاں کی ہے..... اگر ہم زبان نہ دی ہوتی تو یقین مانو شان ہمیں بے حد عزیز ہے، ہمیں اسے داماد بنا کر خوشی ہوتی'' سکندر نے کہا۔

''کوئی بات نہیں بھائی! بس لیلیٰ کی شادی دیکھ بھال کر کیجیے گا میری اللہ سے دعا ہے کہ اب اس کی زندگی میں کوئی غم کوئی مشکل نہ آئے'' سبرینہ نے خلوصِ دل سے کہا۔

''آمین ثم آمین'' سکندر اور عالی نے بیک وقت کہا۔

☆.....☆

وہ آخری پیریڈ لے کر باہر نکل رہی تھی کہ سامنے سے اسامہ اور شائم آتے ہوئے نظر آئے۔ ''تم یاجوج ماجوج نے آج پھر کلاس بنک کی ہے'' وہ برہمی سے بولی۔ ''ہاں تو کون لے ایسی بورنگ کلاس مسز بخت تو آکر آنکھیں بند کر کے شروع ہوجاتی ہیں۔ (اس دلچسپ ناول کا باقی حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

Digitized by Google

مکمل ناول

ڈاکٹر سید علی ارسلان

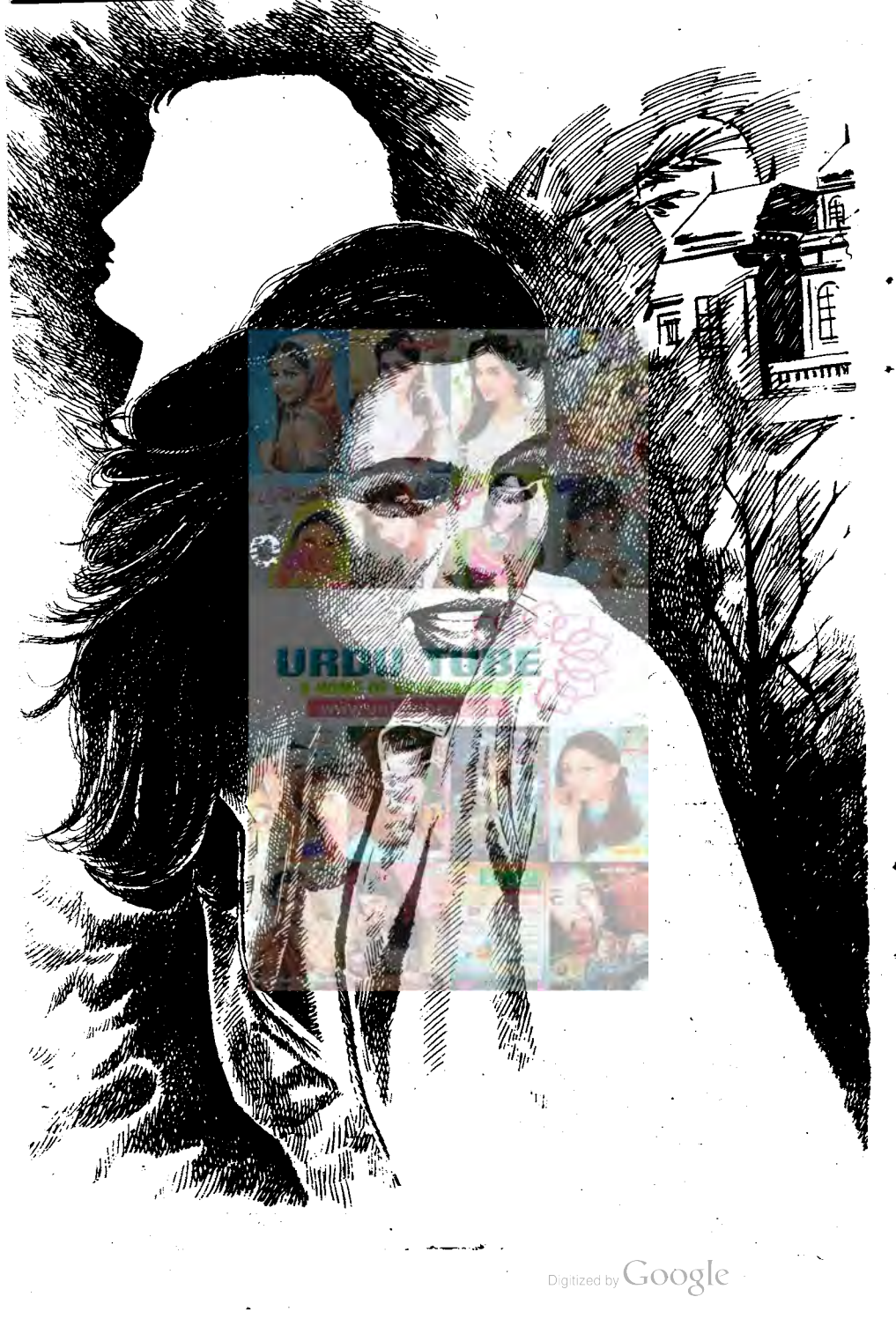
آنکھ کا بال

وہ مظلوم تھی مگر پھر وقت بدلا اور اس نے ظالم سے گن گن کر بدلے لیے..... لیکن انتقام پورا ہونے کے بعد اس کے ہاتھ کیا آیا؟؟

خوشی میرے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی بس اسٹاپ پر لوگ مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے مگر مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی اور ہوتی بھی کیوں؟ کٹھن وقت میں اپنے پرانے دوست بدل جاتے ہیں میری زندگی کا تجربہ تو یہی کہتا تھا کہ خوشی کے موقع پر شریک ہونے والے بہت کم دستیاب ہوتے ہیں زیادہ تر یا تو حسد میں مبتلا ہوتے ہیں پھر حیرت سے سوچتے رہ جاتے ہیں کہ آخر اتنی سی مسرت بھی ان کے مقدر سے نکل کر دوسرے کے حصے میں کیوں چلی گئی اللہ تعالیٰ نے بہت سوچ سمجھ کر زندگی تقدیر اور رزق اپنے ہاتھ میں رکھا ہے وہ اپنے تخلیق کردہ انسان کو زندگی تقدیر اور رزق کا اختیار کبھی نہیں دیتا اگر دے دیتا تو کرہ ارض پر زندگی اجیرن ہوتی اور جگہ جگہ پڑی سسک رہی ہوتی تقدیر معدودے چند حضرات کے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑی رہتی اور ان کی جنبش ابرو کی محتاج ہوتی جس سے چاہتے اور جب چاہتے چھین لیتے اور رزق گوداموں میں پڑے پڑے سڑ جاتا دیمک چاٹ جاتی مگر انسان کے نصیب میں نہ ہوتا جی ہاں اور یہ گودام ہوتے ان گنے چنے چند ہوس پرستوں کے جن کی حرص اور بھوک کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لیتی ان کی عمر ختم ہو جاتی ہے لالچ ختم نہیں ہوتا بدہضمی ہو جاتی ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا۔

پاس سے گزرتے ہوئے ایک نوجوان ٹھٹک کر مجھے دیکھ کر رکا اور اس نے نہایت بیہودہ انداز سے مجھے آنکھ ماری۔ میں گڑبڑا گئی اور فوراً ہی سنبھل کر سخت آواز میں اسے ڈانٹا ''یہ کیا بدتمیزی ہے تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟'' نوجوان کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اس نے میرے قریب آتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''بنو مت مسکرا مسکرا کر شکار پھنسا رہی ہو اوپر

Digitized by Google



Digitized by Google

سے انداز بھی دکھاتی ہو' کم آن میرے ساتھ آؤ معاملہ طے کیے لیتے ہیں۔'' اسکے انکشاف نے میری گھبراہٹ میں اضافہ کردیا گویا میں خیالوں میں گم مسکرائے جارہی تھی۔ اس نے غلط سمجھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

''جب سے حکومت نے پابندی لگائی ہے یہ غلاظت کوٹھوں سے اتر کر جگہ جگہ پھیل گئی ہے۔'' بس کے منتظر ایک بزرگ نے نفرت سے مجھے دیکھ کر اپنے برابر کھڑے ہوئے شخص کو دبی آواز میں مخاطب کیا لیکن آواز اتنی بلند رکھی کہ با آسانی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ میں سناٹے میں آ گئی دنیا مجھے کیا سمجھ رہی تھی نوجوان سیٹی بجاتے ہوئے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے میرے قریب آچکا تھا میں نے مدد طلب نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ خواتین اور مرد ملا کر تقریباً گیارہ آدمی تھے اور سب ہی مجھے دیکھ رہے تھے عورتوں کے چہرے پر لاتعلقی' نوجوانوں کے تاثرات میں دلچسپی اور بزرگوں کی آنکھوں سے زہر ٹپک رہا تھا مجھے ایسا لگا جیسے میں بھرے شہر میں نہیں بلکہ کسی ایسے جنگل میں اچانک وارد ہوگئی ہوں جہاں قدم قدم پر آدم خور درندے گھات لگائے ہوئے انتظار میں ہیں۔ زمانے کی بے حسی پر میرا دل پھوٹ پھوٹ کر رو دیا قبل اسکے کہ میری بے بسی آنسوؤں کی شکل اختیار کرتی اور میں میدان ہار دیتی نوجوان نے بیحیائی کی اور بے شرمی کا اعلیٰ مظاہرہ کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولا ''ٹیکسی! ٹیکسی کر لیتے ہیں'' اس کے کمس نے وہ کام نہیں کیا جو اس کے اوباش جملے نے کردیا دوسرے لمحے میں وہ اپنا گال پکڑے سرخ چہرہ لیے مجھے گھور رہا تھا۔ چٹاخ کی آواز تمام حاضرین نے سنی تھی اور اب وہ تعجب سے مجھے اور نوجوان کو دیکھ رہے تھے میں سر سے پیر تک لرز رہی تھی پھر بھی میں نے اپنے منتشر حواس مجتمع کیے اور پاس سے گزرتی ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گئی۔

''کسی اور کو ٹائم دیا ہے تو پہلے بتا دیتی کتیا.....''

نوجوان با آواز بلند چلایا مگر میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ''جلدی چلو'' میں نے ڈرائیور سے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ''اللہ رحم کرے ہم پر حالانکہ ہم کسی رحم کے مستحق نہیں ہیں۔'' ٹیکسی ڈرائیور ہمدردی سے بولا اور میرے آنسو اور زیادہ تیزی سے بہنے لگے۔

☆.....☆

آج لڑکے والے مجھے دیکھنے آرہے تھے۔ رشتہ تو پہلے ہی تقریباً منظور ہو چکا تھا لیکن آج میرا ہونے والا شریک حیات بھی ہمارے گھر آرہا تھا مجھے بالمشافہ دیکھنے اور مجھے اپنا جلوہ دکھانے۔ مجھے اس کی تصویر پچھلے تین چار ہفتوں میں اتنی مرتبہ دکھائی جا چکی تھی اور اس کا اس قدر ذکر ہوتا رہا تھا کہ پچھلی کئی راتوں سے میں خوابوں مسلسل اسے دیکھ رہی تھی۔ اب تک آنے والے رشتوں میں یہ رشتہ بہتر ہی نہیں بلکہ بہترین تھا اور کیوں نہ ہوتا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے حالات تبدیل ہوتے جارہے تھے اور ہم ترقی کی طرف مائل تھے تو پھر رشتوں کی نوعیت کیوں نہ بدلتی۔ اب ہم دو کمروں کی کوٹھری میں نہیں بلکہ ایک سو بیس گز کے مکان میں تھے اور اس مکان کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم اسے بنگلہ کہتے تھے' نہ کہتے تو ناشکری ہوتی بیس گز کے جھگی نما مکان کے بعد ایک سو بیس گز کی قیام گاہ بنگلہ نہیں تو اور کیا ہے۔ میری چھوٹی بہن کی

Digitized by Google

شادی ہوچکی تھی اور وہ ہنسی خوشی اپنے شوہر کے ساتھ رہ رہی تھی خوش کیسے نہ ہوتی ہم نے اتنا جہیز دیا تھا کہ بہن کی سسرال والے بیحد مرعوب تھے اس کے علاوہ ان کی آئے دن دعوتیں' تحفے تحائف نتیجہ یہ تھا کہ میری پھوہڑ بہن کے گھڑاپے کی تعریف کرتے کرتے اس کی ساس اور نندوں کا منہ خشک رہتا تھا اور جیسے ہی اس خشکی میں کمی آتی تھی ہم یہ خشکی تحائف اور ضیافتوں کے بدلے دوبارہ خرید لیتے تھے۔ پچھلے دو ہفتوں سے میری بہن کی ساس مستقل میرے گن گائے جارہی تھی اور وجہ یہ تھی کہ بہن بہنوئی کی شادی کی سالگرہ پر میں نے ایک سیکنڈ ہینڈ موٹر سائیکل بطور تحفہ اپنے بہنوئی کی نذر کر دی تھی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر میرا بہنوئی کم اکڑتا تھا بہن زیادہ اکڑتی تھی لگتا تھا کہ موٹر سائیکل پر نہیں بلکہ اڑن کھٹولے پر بیٹھی ہو۔ اور میں سوچتی تھی کہ پیسے میں کتنی طاقت ہے۔ کتنا سحر ہے۔ دل سے دعائیں نکلتی تھیں اس کے لیے جس نے پیسہ ایجاد کیا تھا اگر پیسہ نہ ہوتا تو ہم تیسری دنیا کے لوگ کیا کرتے' خوشیاں کیسے خریدتے؟ رشتے کیسے برقرار رکھتے اور کیسے تلاش کرتے' آن بان کہاں سے لاتے' شیخیاں کیسے بگھارتے اور اپنے ہم طبقہ غریبوں کو احساس کمتری میں کیسے مبتلا کرتے۔ کیسے متاثر کرتے اگر پیسہ نہ ہوتا تو ہم نچلے طبقے کے قیدی بن کر رہ جاتے اپنے حصار سے باہر ہی نہ نکل پاتے اور آخر روتے پیٹتے ترقی کرنے کی حسرت دل میں لیے مر کھپ جاتے' کفن دفن بھی محلے والوں کے چندے سے ہوتا فی زمانہ پیسہ کی جتنی اہمیت ہے ممکن ہے پہلے کبھی نہ ہو یا اگر ہو بھی تو اس کا اظہار کرنے کا فیشن نہ ہو۔

مجھ سے چھوٹا بھائی نہ پڑھ سکا نہ لکھ سکا اور نہ ہی اس نے کوئی ہنر سیکھنے میں دلچسپی لی۔ کیوں لیتا ہر سہولت میسر تھی بہن کما رہی تھی اور وہ مزے کر رہا تھا ماں کا لاڈلا اکلوتا بیٹا تھا اور ویسے بھی انسان بنیادی طور پر تن آسان واقع ہوا ہے' یہ رواج بھی دم توڑتا جارہا ہے کہ مرد عورت کی کمائی کھانے پر خودکشی کو ترجیح دیا کرتے تھے یا پھر انا کا مسئلہ بنا کر بالآخر کچھ نہ کچھ کر ہی ڈالتے تھے۔ میرا بھائی چونکہ ماڈرن طرز زندگی کا شوقین ہے لہٰذا وہ رسم و رواج اور انا کو خاطر میں نہیں لاتا تنگ آ کر میں نے اس کو کریانے کی دکان کھلوادی تھی اور وہ دوکاندار بن کر بہت خوش تھا جب دوکان کا ملازم اس کو سیٹھ کہہ کر مخاطب کرتا تو میرے بھائی کا رنگ تمتما اٹھتا تھا گردن اکڑ جاتی تھی اور آواز میں غرور کا رنگ گہرا ہو جاتا تھا وہ اپنی آنکھوں میں رعونت بھر کر تحکمانہ لہجے میں ملازم پر احکامات کی یلغار کرنا شروع کر دیتا گویا کہ وہ واقعی ایک بہت بڑا سیٹھ ہے جو اپنی سلطنت کی باگ ڈور اعتماد اور جرأت سے سنبھالے سخت گیر حکمران کی مانند حکومت کر رہا ہے۔ مجھے ہنسی آتی تھی ہم کتنے مصنوعی' کتنے نقلی ہوتے جارہے ہیں اور غلط فہم بھی۔ دکھاوے کی زندگی ادھار کا ٹھاٹھ باٹ دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش اور اپنی اوقات سے زیادہ خود کو پیش کرنے کی تمنائیں ہمارے شعور کو ہڑپ کر چکی ہیں رہا لاشعور تو وہ صرف اور صرف ایک خیال ہے جی ہاں صرف ایک خیال' ایک تصور ایک گمان اور ایک حسرت جسے ہم اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس جو کچھ ہے یہی ہے اور وہ سب ایک جھوٹ ہوتا ہے..... ابا کے انتقال نے مجھے ذمے داریوں

Digitized by Google

کے بوجھ تلے کچل کر رکھ دیا تھا سب سے بڑی میں ہوں مجھ سے آٹھ سال چھوٹا بھائی اور دس سال چھوٹی بہن ہے جن کا میں تذکرہ کر چکی ہوں ابا چھاپہ خانے میں مزدور تھے اور چرس کے شوقین لہٰذا ہم فاقوں کے عادی ہوگئے تھے معمولی آمدنی رکھنے والوں کو شوق نہیں کرنے چاہئیں مگر ابا کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی۔ آئے دن کی چخ چخ اور اماں کی نصیحتوں کے جواب میں گالم گلوچ اور مار پٹائی کا طوفان ہمارے گھر کی زینت خاص تھا۔ ابا بارہا اعلان کر چکے تھے کہ وہ نشہ ترک نہیں کر سکتے اور نہ ہی کریں گے ان کی دلیل تھی کہ اگر وہ مسائل و مصائب سے تنگ آ کر چرس میں جائے پناہ تلاش کر رہے اور کچھ دیر دنیا سے کٹ کر وقتی خوشی حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے..... مگر اماں کو اعتراض تھا اور درست تھا کہ نشہ ضرور کرو لیکن اس سے پہلے اپنے لواحقین کا پیٹ تو بھر دو۔ ابا نے اس اعتراض کو بھی اہمیت نہیں دی جب وہ لاجواب ہو جاتے تھے تو چنگھاڑتے ہوئے اماں پر ٹوٹ پڑتے تھے یہ بھی نہیں دیکھتے تھے کہ ان کے ہاتھ میں آلۂ تشدد کیا ہے بیلن، چمچہ، جوتا، ڈنڈا یا جھاڑو جو بھی فوری طور پر دستیاب ہوتا ابا کے زیر استعمال آ جاتا اماں نے بحالت مجبوری گھروں میں کام کاج شروع کر دیا کچھ نہ کچھ پیسے تو مل جاتے تھے لیکن ابا کو یہ بھی گوارا نہ ہوا جب وہ ہوش حواس میں ہوتے تو اماں کی تعریفیں کرتے اور انکی کوششوں کو سراہتے کہ وہ ان کا ہاتھ بٹا رہی ہیں مگر چرس کے زیر اثر ابا کی جون بدل جاتی۔ بے دریغ اماں کو پیٹتے اور غلیظ الزامات سے تواضع کرتے۔ ابا کا تشدد جنونی کیفیت اختیار کر لیتا اور سونے پر سہاگہ انکی گالیاں اور اماں کے کردار پر رکیک حملے سارا محلہ سنتا تھا اور ہم پر ہنستا تھا بس نہیں چلتا تھا کہ زمین پھٹے اور ہم اس میں سما جائیں۔ بیزار ہو کر اماں نے محنت مزدوری بند کر دی اور ابا کے جنون میں بھی کمی آ گئی..... ابا پر چرس کے مستقل استعمال نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ ایک تو وہ بیمار رہنے لگے تھے دوسرے نشے کے اثر میں کمی آتی جا رہی تھی چنانچہ چرس کی مقدار دن گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی اور ہمارے راشن کی مقدار اسی تناسب سے گھٹتی جا رہی تھی۔ آخر ابا نے جھنجلا کر چرس چھوڑ دی اور ہیروئن شروع کر دی۔ اب وہ بہت خوش تھے ہیروئن کا تیز نشہ انہیں بیخود و بیگانہ کیے رکھتا تھا۔ یہ نشہ انہیں اتنا پسند آیا کہ پھر وقت کی کوئی قید نہ رہی۔ پہلے صرف شام کو بھرے ہوئے سگریٹ پیا کرتے تھے اب دن میں بھی پینے لگے۔ چھاپے خانے کا مالک رحم دل انسان تھا پہلے تو اس نے ابا کو سمجھانے بجھانے کی بہت کوشش کی اس کے بعد دھمکیوں پر اتر آیا لیکن ابا کے دل و دماغ پر ہیروئن قبضہ جما چکی تھی انہوں نے مالک کو ذرا بھی لفٹ نہ دی اور اپنے روز و شب میں مگن رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابا نے کام بالکل ہی چھوڑ دیا چھاپے خانے جاتے تھے اور تھوڑی ہی دیر بعد ہیروئن کا نشہ کرنے لگ جاتے تھے۔ مالک نے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا لیکن ابا پر کوئی اثر نہ ہوا آخر ایک دن ابا کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا جب تک واجبات ختم نہ ہو گئے ابا بہت خوش رہے دن رات نشے میں ڈوبے رہتے اکٹھے بہت سے پیسے جو مل گئے تھے لیکن آخر کب تک.....؟ ملازمت مزدوری کے لائق ابا تھے لیکن کبھی تھوڑی دیر کو ہوش آتا تو جوش و خروش سے وعدے کرتے کہ

Digitized by Google

''بس ابھی کام پر جاتا ہوں بھلا مجھ جیسے ہنرمند کو نوکری نہیں ملے گی۔'' گھر سے نکل جاتے اور تھوڑی دیر بعد نشے میں جھومتے جھامتے واپس آ کر پڑ جاتے ہمارے گھر میں تھا ہی کیا جسے فروخت کر کے پیٹ کا ایندھن بھرا جاتا لیکن بہرحال جو بھی تھا بھوک مٹانے کے لیے بیچ دیا گیا مگر بھوک کا سلسلہ تو ایسا ہے کہ مسلسل چلتا ہے..... دو ہی تو سلسلے زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سانس کا سلسلہ اور بھوک کا سلسلہ۔ سانس کا سلسلہ خود بخود چلتا ہے جبکہ بھوک کا سلسلہ روٹی کا محتاج ہے اور وہ خود بخود نہیں ملتی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ کمزور اور خود اعتمادی سے محروم مردوں کی طرح ابا نے بھی ہیروئن کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے نشہ کوئی سا بھی ہو اس کی لت اور محتاجی اپنے شکار کو تباہ و برباد کر کے دم لیتی ہے اور غالباً اسی بنیادی خرابی کے باعث دنیا کا کوئی مذہب نشے کی اجازت نہیں دیتا۔

پھر وہی ہوا جو دیر..... یا بدیر ہونا تھا۔ ابا کی لاش گھر آئی تو ہمیں سانپ سونگھ گیا۔ وہ جیسے بھی تھے ہمارے لیے ان کا وجود بہت بڑا سہارا تھا' غیر مرئی سہارا سہی مگر تھا تو اماں سے تلخ و تند تکرار کے بعد ابا غصے میں حسب معمول گھر سے نکل گئے تھے۔ اس روز بحث کچھ زیادہ ہی ہوئی تھی اماں نے اچھی طرح ابا کے لتے لیے تھے اور ابا کے نزدیک ہر مسئلے' ہر دکھ کا علاج صرف اور صرف ہیروئن تھی غالباً انہوں نے غموں کو مکمل تحلیل کرنے کا سوچ کر ڈوز بہت زیادہ لے لیا رات گئے کسی راہگیر نے کھلے گٹر میں ابا کو اوندھے منہ پڑے پایا۔ خدا جانے وہ نشے کی کثرت سے مرے یا گٹر میں ڈوب کر' بہرحال ابا مر گئے..... ابا کی موت سے ہمیں اتنا فرق پڑا کہ پہلے ہم لاوارث تھے اب یتیم بھی ہو گئے۔ ہمارے گھر میں ابا کے نہ ہونے سے یہ تبدیلی ضرور آئی کہ چیخ پکار' لڑائی جھگڑے اور بحث مباحثے کا خاتمہ ہو گیا۔ فضا پر ہر لحہ ایک سکوت طاری رہتا تھا جسے اماں کی گھٹی گھٹی سسکیاں اور کبھی فریادیں وقتاً فوقتاً توڑتی رہتی تھیں۔ میں نے رات کو اکثر دیکھا کہ اماں ابا کے کپڑے سینے سے لگائے زار و قطار رو رہی ہیں مگر وہ اظہار کبھی نہیں کرتی تھیں بلکہ ہم پر بھی تاثر بٹھانے کی کوشش کرتی تھیں کہ ہم ابا کے بغیر پہلے سے بہتر زندگی گزار سکتے ہیں کم از کم ایک مستقل شرمندگی اور سبکی سے نجات مل گئی تھی اور اماں ڈھکے چھپے الفاظ میں بار بار جتاتی رہتی تھیں کہ ابا کی ناگہانی وفات میں قدرت کی یہ بہت بڑی مصلحت تھی۔ شاید ان کے ذہن میں یہ نکتہ بھی آتا ہوگا کہ گھر کا ایک فرد کم ہونے سے راشن کی ضروریات کم ہو گئی تھیں میں اپنی ماں کو الزام نہیں دے رہی ہوں اور نہ ہی ان کی سوچ پر طنز کر رہی ہوں' نوالے گنے چنے ہوں تو اپنے سگے بھی ناقابل برداشت بوجھ لگنے لگتے ہیں۔ فاقے جب معدے میں چبھتی ہوئی ٹیسوں کو جنم دیتے ہیں تو بے اختیار ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کی خواہش دل اور دماغ پر قبضہ جما لیتی ہے' انسان انسان کا خون پینے سے نہیں ہچکچاتا اور لہو کی بو اور اس کا رنگ ایک ہوتا ہے اپنے پرائے کی تمیز نہیں کی جا سکتی۔

اماں نے دوبارہ بنگلوں میں صفائی' ستھرائی کپڑے دھونے اور روٹی پکانے کا کام شروع کر دیا وہ اکثر بچا کھچا کھانا اور مالکان کی جھوٹن ہمارے لیے لاتی تھیں اور ہم ان پر بھوکے گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے ساتھ ہی ساتھ اماں کی کنٹری بھی

Digitized by Google

جاری رہتی تھی" یہ برگر سونیا بی نے چکھ کر چھوڑ دیا تھا مجھے فوراً تمہارا خیال آیا دردانہ تم نے پہلے کبھی برگر نہیں کھایا تھا" اماں مسکرا کر مجھے دیکھتیں "لیکن اماں سونیا بی نے یہ برگر کیوں نہیں کھایا" شروع شروع میں مجھ کو بے طرح اپنی کم مائیگی اور ذلت کا احساس ہوا میں کسی کا چھوڑا ہوا کھا رہی تھی۔" پتہ نہیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں....." اماں نے لاپرواہی سے کہا "وہ تو کہہ رہی تھی کوڑے میں پھینک دو مگر مجھے تم یاد آ گئیں تمہیں اچھا لگ رہا ہے نا برگر" اماں کے لہجے میں احسان ہی احسان بھرا ہوا تھا وہی احسان جو کسی روٹی کھلانے والے کے لہجے میں خود بخود بسیرا کر لیتا ہے۔ ابا کی آواز بھی اسی تاثر سے معمور ہوا کرتی تھی جب وہ راشن کے تھیلے کے گھر آتے تھے۔

رفتہ رفتہ ہمیں اترن پہننے اور جھوٹن کھانے کی نہ صرف عادت ہوگئی بلکہ فخر محسوس ہونے لگا۔ اماں مانگے تانگے کے کپڑے، جوتے، سویٹر کوٹ خوشی خوشی لاتی تھیں اور اپنے مالکان کی سخاوت کے گن گاتی تھیں۔ مفت خوری اور مجبوریوں نے ہماری عزت نفس اور ضمیر کو خیرات کی لوریاں دے کر سلا دیا تھا۔ اب ہم باقاعدہ اماں کی مانگ کر لائی ہوئی اشیاء پر بحث کرتے تھے۔ رائے زنی کرتے تھے اور جو پسند نہ آتا تھا وہ اپنے سے بھی گئے گزرے محلے داروں کو "عطا" کر دیا کرتے تھے۔

کبھی کبھار سامان میں کوئی کتاب یا رسالہ بھی آ جاتا تھا' اماں ردی کی ٹوکری میں بیچنے کو لاتی تھیں مگر میں جھپٹ لیتی تھی میں نے اگرچہ باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہیں کی تھی لیکن اردو انگریزی کی ابتدائی کتابیں کسی زمانے میں پڑھنا شروع کی تھیں دگرگوں حالات کے باعث یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور میرا شوق ہیروئن کے دھوئیں میں تحلیل ہوگیا۔ دوبارہ کتابیں دیکھیں تو میری دلچسپی عود کر آئی اور اپنے طور پر رسائل اور کتابیں پڑھ پڑھ کر مجھے اردو انگریزی سے کافی حد تک آگہی ہوگئی۔ انگلش میگزین مجھے بہت بھاتے تھے زیادہ تر فیشن میگزین ہوتے تھے اور ان کی ورق گردانی میری جمالیاتی حس کو ابھارنے اور نکھارنے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب میں اترن کو اترن نہیں رہنے دیتی تھی کاٹ چھانٹ اور کتر بیونت کر کے کپڑوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا کرتی تھی نت نئے فیشن کا شوق بھی پورا ہو جاتا تھا اور دل کو یہ تسلی بھی ہو جاتی تھی کہ میں فیشن ڈیزائنر بنتی جا رہی ہوں۔ یہ احساس قطعی طور پر مٹ چکا تھا کہ اترن آخر اترن ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی ضروریات پوری ہونے سے مطلب تھا اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ضروریات کیسے اور کہاں سے پوری ہو رہی ہیں یہی انسانی فطرت ہے' خودداری' ضمیر' بے عزتی کا احساس اور عزت نفس کا قتل ایک بار ہو جائے تو دوبارہ اس مردے میں کبھی جان نہیں پڑتی.....

ہماری فرمائشیں اور خواہشیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں اور اماں بخیر و خوبی ہمارے ارمان پورے کر رہی تھیں میں نے کبھی اماں سے یہ نہیں پوچھا کہ آخر ایک اوپر کا کام کاج کرنے والی گھریلو ملازمہ اس قدر ٹھاٹ بھاٹ سے کیسے رہ سکتی ہے میری چھوٹی بہن نے ایک بار یہ سوال کیا تو منہ کی کھائی۔ اماں نے ڈپٹ کر جواب دیا "آم کھایا کر گٹھلیاں نہ گن۔" ہمیں کیا پڑی تھی گٹھلیاں گنتے۔ روای چین ہی چین لکھ رہا تھا مگر پھر اچانک..... راوی

Digitized by Google

ناراض ہوگیا۔

اماں کی تمام ملازمتیں ایک ہفتے کے اندر چھوٹ گئیں اور اس سے اگلا ہفتہ اماں نے حوالات میں گزارا۔ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہوگیا ہے کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ حوالات جا کر اماں کی خیر خبر لیتا ان کی گرفتاری کی خبر بھی محلے والوں نے ہمیں دی تھی اور یہ بھی تاکید کی تھی کہ صبر سے بیٹھے رہو تھانے پولیس کا چکر ایک مرتبہ چل جائے تو کبھی ختم نہیں ہوتا ہیں اور میرے بہن بھائی پہلے ہی سہمے ہوئے تھے پولیس دو مرتبہ آ کر ہمارے گھر کی تلاشی لے چکی تھی میری عمر اس وقت سترہ سال تھی اور شکل وصورت بھی خدا نے ایسی دی تھی کہ جو دیکھتا تھا دیکھا ہی رہ جاتا تھا پولیس والوں کی خونخوار نظروں نے میری جان نکال دی تھی۔ یہ تصور ہی جان لیوا تھا کہ میں تھانے جاؤں اور اماں کی خیریت دریافت کروں۔ پولیس والوں نے مجھ سے کافی سوالات کیے مگر انہیں جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ میں اماں کے معمولات کے متعلق صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ صبح گھر سے نکل جاتی تھیں اور شام کو واپس آ جاتی تھیں۔ انہوں نے کرید کرید کر پوچھا کہ اماں اور ابا کا حلقہ احباب کون سا ہے' رشتہ دار کہاں ہیں مگر مجھے اس بارے میں اتنا ہی علم تھا کہ شہر میں ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے بلکہ شاید پوری دنیا میں ہمارا کوئی نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو کم از کم میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ہفتہ بھر بعد اماں حوالات سے واپس آئیں تو ان کی حالت خاصی ابتر تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان پر تشدد کیا گیا ہے۔ کئی دن وہ بستر پر پڑی کراہتی رہیں اور ہم ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرا اور جسم کی سکائی کرتے رہے۔

اسی دوران محلے والوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اماں نے بنگلے میں لمبا ہاتھ مارنے کی کوشش کی تھی اور زیورات چراتے ہوئے رنگے ہاتھوں دھر لی گئی تھیں۔ اماں نے ہمیں کبھی یہ نہیں بتایا اور نہ ہی ہم بہن بھائیوں میں سے کسی نے سوال کیا۔ بے غیرتی اور بے حسی کے پتلے اسی طرح چپ سادھ لیتے ہیں سمجھتے سب کچھ ہیں بولتے کچھ نہیں ایک دوسرے کا پردہ رکھتے ہیں یہ راز آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حوالات سے اماں کی گلو خلاصی کیسے ممکن ہوئی؟ اگر لے دے کر معاملہ طے کرلیا گیا تا تو کیا دیا گیا ہمارے پاس تھا ہی کیا دینے کے لیے۔ میں یہ سوال بھی اماں سے نہ پوچھ سکی بہر حال کوئی مقدمہ نہ چلا اماں کی ملازمتیں ختم ہوگئیں۔ اماں اتنی مشہور ہو چکی تھیں کہ اب کوئی انہیں نوکر رکھنے پر آمادہ نہ تھا۔ محلے والے جو کل تک اماں کی ہمت وجرات کی داد دیا کرتے تھے اب وہ بلا مبالغہ گزرتے ہوئے ہماری دہلیز پر تھوک کر جاتے تھے یوں سمجھ لیجیے کہ ہمارے گھرانے کا حقہ پانی بند کر دیا گیا تھا انگریزی میں سوشل بائیکاٹ کہہ لیں۔ ابا کی نشے بازی نے ہمیں اتنا تنہا نہیں کیا تھا جتنا اماں نے چوریاں کر کے اور حوالات میں بند ہو کر کر دیا تھا۔ پہلے محلے والے ابا کو نفرت سے دیکھتے تھے مگر اماں سے ہمدردی جتاتے رہتے تھے ان پر اور ہم پر ترس کھاتے تھے لیکن اب تو حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے ہمیں کسی کی حمایت حاصل نہ تھی۔ اماں آزردگی سے بار بار مجھے مخاطب کرتیں۔ ''دردانہ! میری نصیحت یاد رکھنا سب سے بڑی حقیقت پیسہ ہے اور پیسہ پیسہ ہوتا ہے کالا ہو یا سفید حلال کا ہو یا حرام

Digitized by Google

کا پیسے کی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے ۔ یہ طاقت ہاتھ میں ہو تو دنیا جوتے کے نیچے رہتی ہے دکھ درد پاس پھٹکنے کی ہمت نہیں کرتے ۔ جو کچھ ہے بس پیسہ ہے باقی سب بکواس ہے'' اماں کا سبق میرے ذہن پر پوری طرح نقش ہو چکا تھا۔ یہ تھا وہ ماحول جس میں میں نے آنکھ کھولی یہ تھے وہ حالات جن کے سائے میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا اور یہ تھی وہ تربیت میں نے جس کے سہارے پرورش پائی۔ اور یہ تھا ماں کا دیا ہوا سبق جو میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔

بھائی اوّل تو بہت چھوٹا تھا دوسرے اس کی ست الوجودی کی وجہ سے ہم نے اس سے خوش فہمیاں وابستہ نہیں کی تھیں ۔ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آ رہے تھے ۔ بہن بھی مجھ سے کافی چھوٹی تھی لے دے کے میں رہ گئی تھی اور اب مجھ کو ہی کچھ کرنا تھا پیٹ بھرنے کے لیے اور کنبہ پالنے کے لیے ۔ در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخر کار مجھے ایک گارمنٹ فیکٹری میں معمولی ملازمت مل گئی ۔ فیکٹری کا مالک خیر علی بھائی' پہلی نظر میں مجھے رحمدل اور سلجھا ہوا آدمی لگا۔ نام تو اس کا خیر علی تھا مگر بچہ ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد لڑکی ہو یا لڑکا سب اسے خیر علی بھائی کہتے تھے لفظ'' بھائی'' اس کے نام کا اتنا مضبوط حصہ بن چکا تھا کہ وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے خود کو خیر علی بھائی ہی کہتا ۔ پچاس پچپن برس کی عمر تھی نشست و برخاست کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ خاندانی رئیس نہیں ہے ۔ تھوڑے عرصے میں اس نے خود مجھے اپنا بیک گراؤنڈ بتا دیا۔ خیر علی بھائی کے والد ایک معمولی درزی تھے اور خیر علی بھائی نے بھی اپنی عملی زندگی کا آغاز بطور درزی ہی کیا تھا آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے خیر علی بھائی چار عدد گارمنٹ فیکٹریوں کا مالک بن گیا تھا اور اب دولت اس کے گھر کی باندی تھی۔ لیکن اس کی سادگی بے مثال تھی بے جھجک صاف بات کرتا تھا نہ کوئی بناوٹ نہ کوئی غرور چھوٹے سے چھوٹا مزدور بھی بے تکلف ہو کر خیر علی بھائی کے ساتھ بیٹھ جاتا اور خیر علی بھائی بھی چائے اور بسکٹ سے تواضع کرتے ہوئے زمانے بھر کی گفتگو کرتا رہتا بے باک قہقہے لگاتا ہاتھ پر ہاتھ مار کر لطیفے سناتا اور رخصت کرتے ہوئے کچھ روپے مزدور کی جیب میں ڈال کر کہتا بچوں کے لیے مٹھائی لے جانا۔ خیر علی بھائی نے کبھی چھوٹے بڑے میں فرق نہیں رکھا تھا دردمند دل کا مالک تھا ممکن ہی نہیں تھا کہ سوالی سوال کرے اور خالی ہاتھ لوٹا دیا جائے یہی وجہ تھی کہ اس کے ورکرز خیر علی بھائی پر جان نچھاور کرنے کو ہر دم تیار رہتے تھے اس کی ہر دلعزیزی بے مثال تھی۔ میں پہلی ہی ملاقات میں خیر علی بھائی سے بیحد متاثر ہوئی۔ نوکری کی تلاش مجھے اس کی فیکٹری تک لے گئی تھی چوکیدار نے دور سے اشارہ کر کے مجھے اس کا آفس دکھایا

''مجھے سیٹھ صاحب سے ملنا ہے۔'' میں نے چپڑاسی سے کہا

''یہاں کوئی سیٹھ ویٹھ نہیں ہے''۔ چپڑاسی مسکرایا

''فیکٹری کا مالک کون ہے؟''

''خیر علی بھائی۔'' اس نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا

''تو پھر وہ سیٹھ ہوئے نا!'' میں نے قدرے سنبھل کر پوچھا

Digitized by Google

''نہیں وہ صرف خیر علی بھائی ہے تم بھی اس کو سیٹھ مت بولنا ناراض ہوجائے گا۔'' چپڑاسی نے قہقہہ لگایا

''اچھا اچھا ٹھیک ہے انہیں بتاؤ کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔'' میں نے مختصراً کہا۔

بتانے کی کیا ضرورت ہے جاؤ چلی جاؤ۔ چپڑاسی نے لاپروائی سے آفس کے دروازے کی طرف اشارہ کیا مجھے حیرت ہوئی۔

یعنی..... ایسے ہی بغیر اطلاع.....''

''ہاں ہاں ایسے ہی..... خیر علی بھائی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے جو چاہے آئے جو چاہے جائے'' چپڑاسی کے لہجے میں بیزاری تیر رہی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں۔'' میں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئی۔

دفتر میں ٹیپ ریکارڈ بج رہا تھا قوالی کا کیسٹ لگا ہوا تھا اور خیر علی بھائی آنکھیں بند کیے قوالی کی لے پر جھوم رہا تھا۔ اس کا انہماک دیکھ کر میری ہمت نہیں ہوئی کہ خلل اندازی کروں چپ چاپ کھڑی کیسٹ ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی پندرہ بیس منٹ گزرنے کے بعد آخر قوالی ختم ہوئی اور ٹیپ ریکارڈ بند ہوگیا۔ خیر علی بھائی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور مجھے کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گیا

''تم..... تم کون ہو؟''

''دردانہ!''

''ارے بابا! کب سے کھڑی ہو بیٹھتی کیوں نہیں'' اس نے مجھ پر گہری نظر ڈالتے ہوئے پان کی پڑیا کھولی اور پان منہ میں رکھ لیا

''کیسٹ ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔'' میں تکلف سے سمٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کمال کر دیا تم نے.....'' خیر علی بھائی نے قہقہہ لگا کر میز پر ہاتھ مارا۔

''اگر دوسرا کیسٹ بھی آن ہو جاتا تو تم پھر بھی کھڑی رہتیں؟''

جی.....'' میں نے تھوک نگل کر کہا۔

''ارے بابا اپنے آفس میں یہ نہیں چلتا۔ یہ خیر علی بھائی کا دفتر ہے کسی بیوروکریٹ کا دربار نہیں ہے۔ یہاں سب برابر ہیں۔ بولو کیسے آنا ہوا؟'' اس کی آواز میں نرمی اور پیار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا میرا خوف زائل ہو رہا تھا۔

نوکری کی تلاش میں ہوں مل جائے گی آپ کے ہاں؟

ہوں..... اس نے گہری سانس لی۔ مجھے گھور کر دیکھا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''کیا کام آتا ہے؟''

''کچھ نہیں'' میں نے بے دھڑک جواب دیا۔

''بابا کچھ نہ کرنے کے پیسے تو صرف سرکاری ملازمت میں ملتے ہیں'' وہ ہنسا۔

''میں نے کہا ہے کہ مجھے کچھ نہیں آتا یہ نہیں کہا کہ میں کچھ نہیں کروں گی۔'' میں نے اعتماد سے مسکرا کر کہا۔ خیر علی بھائی نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگایا

''چالو چیز ہے..... ہو نا؟'' وہ زور زور سے ہنس رہا تھا

''جی..... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ'' مجھے شدت سے احساس ہوا کہ وہ مجھے غلط سمجھ رہا ہے۔ خیر علی بھائی کی ہنسی یکلخت غائب ہوگئی اب اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ میری تلخ آواز کا اس پر فوری اثر ہوا تھا۔ ''میرا مطلب وہ نہیں تھا جو تم نے

Digitized by Google

سمجھا'' اس نے نظریں جھکا کر کہا جیسے شرمندہ ہو گیا ہو۔

''کیا کروں میری عادت ہی ایسی ہے جو منہ میں آئے بول دیتا ہوں میں دراصل کہنا چاہ رہا تھا کہ تم ہوشیار اور سمجھ دار لڑکی ہو..... یعنی مجھے تم ایسی ہی لگیں..... میری تعلیم بس یونہی سی ہے حساب کتاب کر لیتا ہوں اور میرا تعلق اونچے گھرانے سے بھی نہیں ہے نہ علم حاصل کیا نہ پڑھے لکھوں کی صحبت ملی زبان اور تہذیب کہاں سے سیکھتا۔'' خیر علی بھائی اتنی سچائی سے کہہ رہا تھا کہ میں گم سم اسے دیکھتی رہ گئی۔ اپنی کمزوریوں کو سر عام بیان کر دینا اور اپنی خامیوں کا کھلے دل سے اعتراف کر لینا بہت بڑی صفت ہے خیر علی بھائی میری نگاہ میں یکا یک بہت اونچا اور عظیم ہو گیا تھا محض اپنے چند سچے جملوں کی بدولت۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ میں سوچ رہی تھی کہ آگے کیا کہوں اور خیر علی بھائی چپ چاپ شرمندگی سے سر جھکائے اپنی انگلیاں مسل رہا تھا اور تیزی سے پان چبا رہا تھا اس کی ہر ہر ادا میرے دل میں بھی جا رہی تھی۔

''پہلی ملاقات میں ایک دوسرے کو پہچاننے میں غلطی ہو ہی جاتی ہے چاہے قصور کسی کا بھی نہ ہو۔'' میں نے نپے تلے الفاظ میں بہت سوچ سمجھ کر کہا ''آئندہ ایسا نہیں ہوگا.....'' میں خود بخود مسکرا دی۔

''آئندہ ؟ یعنی ہماری ملاقات دوبارہ بھی ہوگی'' خیر علی بھائی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر پوچھا۔

بشرطیکہ آپ نے مجھے نوکری دے دی'' میں سٹپٹا گئی تھی۔

''شرط کا کیا سوال ہے'' خیر علی بھائی نے پان کی پیک اگالدان میں تھوکنے کے بعد اطمینان سے کہا ''تم کل سے فیکٹری آ جانا اور جو کام کرسکو شروع کر دو۔'' میں خوشی سے جھوم گئی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ'' میں نے ممنونیت سے بھرپور آواز میں کہا اور ساتھ ساتھ میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے

''تمہارا نام کیا ہے۔ خیر علی بھائی نے لاپرواہی سے پوچھا ''دردانہ.....'' میں نے جواب دیا

''واہ..... دُر..... اور..... دانہ..... بھئی واہ لاجواب لاجواب'' اس نے بے تکلفی سے اپنی ایک آنکھ میچ کر مجھے سر سے پیر تک گھورا اور مسکرایا۔ مجھے اس کی یہ حرکت ذرا بھی بری نہیں لگی تھی ایک تو میں اس کے مزاج سے واقف ہو چکی تھی دوسرے اس نے مجھے ملازمت میں لے لیا تھا تاہم اٹھتے ہوئے میں اس کے فقرے پر غور کر رہی تھی ''دُر اور دانہ '' بھلا اس میں کون سی انوکھی بات تھی جو خیر علی بھائی کو اس قدر پسند آئی تھی۔

''تو..... پھر میں کل سے کام پر آ جاؤں'' میں نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

''ہاں ہاں..... اور اگر بہت جلدی ہے تو ابھی سے کام پر لگ جاؤ'' خیر علی بھائی زور سے ہنسا۔

''نہیں..... میں کل سے ہی آؤں گی'' میں نے اپنی بیتابی چھپانا مناسب سمجھا اور واپسی اختیار کرتے ہوئے آفس کے دروازے کی طرف مڑی۔

''اکاؤنٹنٹ کو اپنا نام پتہ لکھوا دینا۔'' خیر علی بھائی نے پکار کر کہا۔

Digitized by Google

''جی اچھا.....'' میں نے سعادت مندی سے سر ہلا کر جواب دیا۔

''اور ہاں ایک بات اور.....''

''جی فرمایئے.....!'' میں نے پلٹ کر پوچھا وہ مجھے گھور رہا تھا اور گہری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

''تم بہت خوبصورت ہو مجھے حسن اچھا لگتا ہے۔'' میں چپ چاپ آفس سے باہر نکل آئی اپنی تعریف پر مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوا تھا نوکری تلاش کرنے کے دوران اس قسم کے جذباتی بلکہ بہت حد تک بیہودہ جملوں کا میں بہت دنوں سے سامنا کر رہی تھی اور مجھے اس کی عادت سی ہوگئی تھی۔

☆.....☆

دن دوگنی رات چوگنی ترقی کا محاورہ اگر کسی پر صادق آیا تھا تو وہ میں تھی۔ میں نے فیکٹری میں کام کی ابتدا گارمنٹس میں کام کاج بٹن لگانے سے کی تھی اور اب سپروائزر کے عہدے پر فائز تھی۔ میرے ماتحت کئی لڑکیاں کام کرتی تھیں اور میں خیر علی بھائی کی ناک کا بال بن چکی تھی۔ ترقی کا راز میرے اپنے خیال کے مطابق میری صلاحیتیں تھیں صرف خوبصورتی نہیں چونکہ مجھے کپڑوں کی تراش خراش اور کاٹ چھانٹ کا اچھا خاصا تجربہ گھر میں ہی حاصل ہوگیا تھا لہٰذا اس تجربے کو سلیقے سے بروئے کار لا کر میں نے ملازمت کے دوران ترقی کا زینہ تیز رفتاری سے طے کرلیا تھا کاج بٹن کرتے کرتے سلائی 'ڈیزائننگ اور اب تو مارکیٹنگ میں بھی میرا اچھا بھلا عمل دخل ہوگیا تھا۔ خیر علی بھائی میرے مشوروں اور تجاویز کو بہت اہمیت دیتا تھا۔

ہمارے دن پھر گئے پھر حلیے بدل گئے۔ پژمردہ اور بے رونق چہروں پر آسودگی اور خوشحالی کی تمتماہٹ آگئی تھی اور یہ سب کچھ فقط میری تنخواہ پر منحصر نہیں تھا خیر علی بھائی کی سخاوت دریا دلی اور قدر دانی۔ جی ہاں میں قدر دانی ہی کہوں گی۔ خیر علی بھائی ہیرے کی قدر اور پرکھ خوب جانتا تھا۔ اس کی نوازشیں اور عنایتیں حاتم طائی کو شرمندہ کرتی تھیں گو کہ وہ ہر ایک کی خدمت کے لیے کوشاں رہتا تھا لیکن میرے ساتھ اس کا سلوک کچھ اور ہی تھا۔ میری ضروریات اور میرے گھر اور گھر والوں کی آسائشات خیر علی بھائی کی دین تھیں نہ یہ قرض تھا اور نہ ہی خیر علی بھائی نے کبھی کوئی حساب کتاب جتایا اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اگر وہ حساب کتاب کرنے بیٹھ جاتا تو میں ساری زندگی اس کی ملازمت کرتی رہتی تب بھی اس کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتی تھی کبھی کبھی تو مجھے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ انسان اس قدر فراخ دل اور بے نیاز بھی ہوسکتا ہے اس کی یہی عادتیں تھیں جن کی بدولت اس کا ہر ملازم اور دوست اس پر جان چھڑکنے کو تیار رہتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ وسیع حلقۂ احباب کے مالک خیر علی بھائی نے مسکرا کر کہا تھا ''میں دوست بناتا نہیں خریدتا ہوں آج کل تعلقات اور دوستی صرف زبانی جمع خرچ نہیں رہا انوسٹمنٹ ہے انوسٹمنٹ!

شروع شروع میں مجھے خیر علی بھائی کے رویے سے خاصی الجھن ہوئی بعض اوقات تو وہ اتنا بے تکلف ہوجاتا تھا کہ اس کی حرکات بچکانہ ہوجاتی تھیں وہ جو منہ میں آتا کہہ گزرتا تھا جو جی میں آئے کر بیٹھتا تھا۔ ابھی مجھے اس کی ملازمت اختیار کیے چند دن ہی ہوئے تھے کہ کسی بات پر اچانک خوش ہو

Digitized by Google

کر مجھے گلے لگالیا اور میرا منہ چوم لیا۔ میں ہکا بکا اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی مگر اس نے ذرا بھی شرمندگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کھلم کھلا گلی لپٹی رکھے بغیر کہا "تمہیں برا لگتا ہے تو لگے میں خوش ہوتا ہوں تو بس خوش ہوتا ہوں اور جس طرح دل میں آتا ہے خوشی کا اظہار کرتا ہوں" میں نے اس کی حرکت کا تذکرہ ساتھ کام کرنے والی لڑکیوں سے کیا تو انہوں نے اسے معمول کا واقعہ قرار دیا..... سادہ دل بندہ ہے جیسا اندر سے ہے ویسا ہی باہر ہے فکر مت کرو فائدے میں رہو گی۔ ایک لڑکی نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا "کوئی نئی بات نہیں ہم سب کے ساتھ یہ ہوتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ....." دوسری بولی "گھبراؤ نہیں تمہیں بھی عادت ہوجائے گی" تیسری مسکرائی۔ میں چور سی بن کر رہ گئی..... دوسرے روز میری تنخواہ دوگنی کردی گئی۔

پھر یہ ہوا کہ خیر علی بھائی کی سحر انگیز شخصیت پر میرا ایمان پختہ ہوتا چلا گیا وہ مجھ سے بہت خوش تھا اور مجھے دل و جان سے پسند کرتا تھا اور اس کا اظہار وہ مختلف ذریعوں سے کرتا تھا رفتہ رفتہ مجھے اس کا ہر عمل اچھا لگنے لگا برا کیوں لگتا فیاضی کے بدلے فیاضی دکھانی پڑتی ہے۔ وہ اپنی "پسندیدگی" کے بدلے میں مجھے اتنا کچھ دے رہا تھا کہ میرے دن بدل گئے تھے مشکلیں آسان ہوگئی تھیں اور میں تیزی سے آسودہ حال ہوتی جارہی تھی ایک بار اس نے سرسری پوچھا "دردانہ مجھ سے شادی کروگی؟"

"نہیں۔" میں نے بے تکلفی سے ہنس کر جواب دیا۔ اس وقت تک ہمارے درمیان تمام جھجک ختم ہوچکی تھی۔

"کیوں.....؟" وہ بھی ہنسنے لگا۔

"آپ کی عمر بہت زیادہ ہے آپ کی بڑی بیٹی مجھ سے دس برس بڑی ہے اور چھوٹی شاید مجھ سے چار پانچ سال ہی چھوٹی ہوگی۔"

"پھر کیا ہوا" خیر علی بھائی نے پان منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوا تو کچھ نہیں لیکن بس شادی کروں گی تو مناسب عمر کے آدمی سے۔"

اس نے پان زور زور سے چبایا پھر کھیسیں نکال دیں "اچھا تو پھر یونہی چلنے دو اپنا کیا جاتا ہے"

"مگر آپ نے یہ کیوں پوچھا" میں نے سوال کیا۔

"تم مجھے اچھی لگتی ہو۔"

"یہ تو آپ نے ہماری پہلی ملاقات کے دوران بھی کہا تھا۔"

"ہاں اور تم ناراض ہوگئی تھیں۔"

"بات ہی ناراضگی کی تھی۔" میں نے صاف کہا۔

"ہاں" اس نے قہقہہ لگایا "لیکن اب ناراض نہیں ہوتیں..... ہا..... ہا..... ہا ٹھیک ہے سب چلتا ہے چلنے دو۔"

دوسری مرتبہ بھی خیر علی بھائی نے عجیب بے تکے طریقے سے میری شادی کا تذکرہ کیا۔

میں اپنے بہنوئی کو موٹر سائیکل تحفہ دینا چاہتی تھی اور مجھے رقم کی ضرورت تھی۔ خیر علی بھائی نے بلا تاخیر مجھے پچیس ہزار روپے دے دیے اور مسکرا کر بولا۔ میری بھی ایک شرط ہے؟"

"وہ کیا؟" میں نے روپے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

Digitized by Google

وہ بلاوجہ قہقہے لگانے لگا۔ کبھی کبھی تو سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ خیر علی بھائی اچانک کیوں ہنس رہا ہے۔ پوچھنے پر کہتا تھا ایک لطیفہ یاد آ گیا تھا واہ کیا دلربا لطیفہ تھا"

"شرط یہ ہے..... وہ بمشکل قہقہوں پر قابو پا کر بولا ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا" کہ تم..... شادی کرو گی تو مجھ سے کرو گی" وہ پھر قہقہے لگانے لگا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

ورنہ.....؟

"ورنہ یہ کہ مجھ سے نہ کی تو تم کبھی شادی ہی نہ کرنا....." اس کی ہنسی کی طرح نہیں رک رہی تھی

"اچھا ٹھیک ہے یہ تو میں طے کر چکی ہوں کہ آپ سے شادی نہیں کروں گی اب یہ فیصلہ بھی آپ کے کہنے پر کر لیتی ہوں کہ کبھی شادی نہیں کروں گی۔"

"ارے نہیں..... میں تو مذاق کر رہا تھا۔" اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"میں بھی سنجیدہ نہیں تھی۔" میں نے بھی اس کی نقل اتارتے ہوئے اسی کے انداز میں جواب دیا پھر ہم دونوں کے قہقہے گونجتے رہے۔

☆.....☆

ٹیکسی رک گئی۔ میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ گھر آ گیا تھا میں نے کرایہ ادا کر کے گھر کی دہلیز پار کی۔ فضائیں مہک رہی تھیں ایئر فریشنر دل کھول کر کیا گیا تھا آخر میرا ہونے والا دولہا آ رہا تھا۔ بات چیت تو پہلے ہی طے ہو چکی تھی لڑکے کی ماں بہنیں مجھے پسند کر چکی تھیں اور ہمارے گھر کے مسلسل پھیرے لگا رہی تھیں حالانکہ میری اماں نے میری مثبت رائے حاصل کرتے ہی ان لوگوں کو گرین سگنل دے دیا تھا اور اماں ان کے گھر جا کر لڑکے سے بھی مل چکی تھیں۔

پڑھا لکھا خوبرو نوجوان غالباً مجھ سے عمر میں دو تین سال چھوٹا ہی ہوگا۔ پرائیویٹ فرم میں اچھے عہدے پر کام کر رہا تھا ماں کے علاوہ اس کی کوئی ذمے داری نہیں تھی میں نے اس کی تصویر بعد میں دیکھی اور بایوگرافی سن کر ہی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آج وہ ہمارے گھر آ رہا تھا مجھے انگوٹھی پہنانے اور اس بہانے مجھے دیکھنے بھی۔ اس کی بہنوں کی زبانی مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ میری تصویر پر ہی بری طرح ریجھ گیا تھا اور ان سے میرے بارے میں قسم قسم کے سوالات کرتا رہتا تھا اس کی بہنیں مزے لے لے کر تفصیل مجھے سناتی تھیں اور چھیڑتی تھیں۔ مجھے اچھا لگتا تھا ایک عجیب سا سرور میرے رگ و پے میں دوڑ جاتا تھا کوئی مجھے چاہتا ہے مجھے دیکھے بغیر میرے متعلق سوچتا ہے مجھ سے ملے بغیر۔ میں کتنی اہم ہو گئی تھی کسی کے لیے جو بالکل غیر اجنبی تھا۔

غالباً یہی وہ احساس ہوتا ہے جو عشق کی داستانوں کو جنم دیتا ہے محبت کو لازوال کر دیتا ہے ورنہ اگر ایک دوسرے کو اہمیت نہ دی جائے تو زندگی کے ساتھی ایک عمر گزارنے کے بعد بھی ایک دوسرے کے نزدیک غیر ہی بنے رہتے ہیں مدتوں سے میرا واسطہ طرح طرح کے مردوں سے پڑتا رہا تھا لیکن جو امنگیں اب میرے دل میں انگڑائیاں لے رہی تھیں پہلے کبھی یوں نہ جاگی تھیں وہ بھی ان دیکھے مرد کے لیے جو عنقریب میرا شریک حیات بننے والا تھا رسمیں ہوتی رہیں۔ اس نے میری انگلی میں انگوٹھی پہنائی' مٹھائی کھلائی' ہماری تصاویر اتاری گئیں تمام کارروائی گھنٹوں پر مشتمل تھی مگر ہوش ہی

Digitized by Google

کہاں تھا میں تو ہواؤں میں تیر رہی تھی۔ اتنی ہلکی پھلکی جیسے گیس کا غبارہ فضاؤں میں اڑتا چلا جاتا ہے اور آخر نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے عجیب سا نشہ میرے وجود پر طاری تھا مجھے اپنی کیفیت پر خود تعجب ہو رہا تھا مدہوشی کا دورہ اس وقت ختم ہوا جب وہ واپس چلا گیا اپنی ماں بہنوں کے ساتھ..... اماں نے مجھے خبر سنائی تمہاری شادی کی تاریخ ہم نے پکی کر دی ہے اگلے ماہ تمہیں ہم رخصت کر دیں گے۔'' اماں نے گلوگیر آواز میں کہا اماں کی حالت دیکھ کر میرا دل کٹنے لگا مگر منہ سے بے اختیار نکلا لیکن ہماری تیاری تو مکمل ہے پھر اتنی لمبی تاریخ کیوں دیدی۔ اماں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ بہت جلدی ہے تجھے اپنی ودائی کی پھر اماں کی آواز میں رنج گھل گیا مجھے سینے سے لگا کر روتے روتے کہنے لگیں۔

ٹھیک ہے جلدی ہونی بھی چاہیے عمر نکلتی جا رہی ہے اور اب ذمہ داری بھی کون سی رہ گئی ہے تمہارے نبھانے کو سب تو تم نے نبھا دیں مردوں کو مات دے دی میری دردانہ نے قربانی کی مثال قائم کی ہے میری بیٹی نے اللہ تمہیں خوش رکھے وہی اجر دے سکتا ہے۔

☆.....☆

میں نے خیر علی بھائی کی میز پر اپنا استعفیٰ رکھا تو وہ سمجھ نہ سکا کہ لفافے میں کیا ہے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ کر بھنویں اچکائیں وہ بول نہیں سکتا تھا اور اس کے منہ میں پان کی پیک بھری ہوئی تھی۔

''میں استعفیٰ دے رہی ہوں۔''

''کیا.....؟ بے اختیار وہ بول پڑا میں نے اتنا حیرت زدہ پہلے کبھی خیر علی بھائی کو نہیں دیکھا تھا بے خیالی میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ گلاس بھر پیک منہ میں رکھتے ہوئے بولا نہیں جاتا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے لبوں سے فوارہ پھوٹا اور قمیص کو گل و گلزار کر گیا۔ اس نے اپنی قمیص پر کوئی توجہ نہ دی وہ دم بخود مجھے تک رہا تھا۔

''میں استعفیٰ دے رہی ہوں۔'' میں نے دہرایا۔

''کک..... کیوں؟'' خیر علی بھائی کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''بس..... اب مجھے ملازمت کی ضرورت نہیں رہی میرے ہونے والے شوہر کو بھی یہ گوارا نہیں کہ میں نوکری کروں اسے گھریلو بیوی پسند ہے۔''

''تو..... کیا تم شادی کر رہی ہو؟'' خیر علی بھائی کو گہرا صدمہ پہنچا تھا وہ پتھر بنا کھڑا تھا۔

''جی اگلے مہینے کی تاریخ پکی ہو چکی ہے آپ ضرور آیئے گا۔'' میں نے اس کو بلاوا دیا۔

مگر..... مگر تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا دردانہ!

''ذکر کیا کرتی..... مجھے شرم آ رہی تھی۔'' میں نے واقعی شرم سے سرخ ہو کر سر جھکا دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پر اس خاموشی کو خیر علی بھائی کے ہنکارے نے توڑا

ہوں..... تو تمہیں شرم بھی آنے لگی..... اس کے بدلے ہوئے لہجے نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا اس کی آواز میں گہرا طنز اور حقارت تھی۔ میں نے خیر علی بھائی کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی دہکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

''ہونہہ..... نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی''

Digitized by Google

اس کا نرالا روپ دیکھ کر میرے وجود میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑتی چلی۔

''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو کیا ہوگیا ہے۔'' میں گڑبڑا گئی۔ حقیقتاً میں سمجھنے سے قاصر رہی تھی کہ خیر علی بھائی یکا یک اس قدر زہریلا کیوں ہوگیا ہے۔ وہ گہری گہری سانسیں لے کر بولا ''بھول گئیں؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم شادی کروگی تو مجھ سے ورنہ کبھی نہیں کروگی'' وہ غرایا

''جی!..... مگر..... وہ تو مذاق تھا خیر علی بھائی!'' میں سناٹے میں آگئی۔

''مذاق تم نے سمجھا ہوگا دردانہ میں تو بیحد سنجیدہ تھا اور اب بھی ہوں۔'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''لیکن..... یہ کس طرح ممکن ہے خیر علی بھائی۔ آپ نے ہنس کر ایک بات کہی تھی اور اگر آپ سنجیدہ بھی تھے تب بھی میں نے آپ کو صاف جواب دے دیا تھا بتا دیا تھا کہ ہماری عمر میں بہت فرق ہے اور کم از کم شریک حیات کے انتخاب میں مجھے کوئی سمجھوتہ کوئی سودا منظور نہیں۔ میری ایک پسند ہے ایک تصور ہے۔'' میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا مگر اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ آخر اس نے مجھے سمجھا کیا ہے نوکر ی دے کر سمجھتا ہے کہ وہ مجھے خرید چکا ہے میرا مالک بن گیا ہے۔

''پسند اور تصور اس وقت کہاں تھا جب تم مجھ پر اپنی محبت برسا رہی تھیں اور میرا پیار جذب کر رہی تھیں۔'' خیر علی بھائی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے آپ سراسر غلط سمجھ رہے ہیں۔'' میں نے بمشکل اپنے غصہ پر قابو پاتے ہوئے کہا

''مگر تمہیں کیا غلط فہمی تھی دردانہ تم نے کبھی نہیں سوچا کہ تم مجھ سے جو کچھ حاصل کر رہی ہو وہ تمہارا حق نہیں ہے تمہارا حق تو تمہاری تنخواہ تھی اور بس۔ اور حق کے علاوہ جو کچھ بھی پیش کیا جائے یا مانگا جائے یا تو وہ رشوت ہوتی ہے یا پھر اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔'' وہ چبا چبا کر بول رہا تھا اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی لاپرواہ سارے زمانے کا ہمدرد اور خدمت گار خیر علی بھائی ہے اس نے گہری سانس لے کر دوبارہ بولنا شروع کردیا۔

''میں نے تمہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تم اور تمہارا خاندان گھاس کی جگہ گوشت کھانے لگے جھگی سے اٹھ کر بنگلے میں آگئے۔'' میں نے تمہارے دلدر دور کردیے تو تم بھی مجھ سے دور ہونے لگیں۔

میں گم سم اسکی صورت دیکھ رہی تھی۔

''تو کیا آپ کی وہ کرم نوازی اس گھناؤنے مقصد کے لیے تھی؟'' میں نے قوت مجتمع کر کے نفرت سے اسے گھورا

''مقصد مقصد ہوتا ہے گھناؤنا ہو یا پاکیزہ اور تم کون سی نیک پروین ہو ننھی بچی ہو تمہاری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیوں؟ اور اگر پہلے نہیں آیا تھا تو اب سمجھ جاؤ میں نے کھل کر کہہ دیا ہے''

''آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟'' میں نے مستحکم آواز میں سختی سے پوچھا۔

''تم شادی نہیں کروگی اور اگر کروگی تو مجھ سے'' خیر علی بھائی نے فیصلہ کن آواز میں کہا۔

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے خیر علی بھائی آپ حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔'' میں طیش میں

Digitized by Google

آ گئی۔

''اچھا!'' وہ مصنوعی حیرت سے مسکرایا۔

''تو تم نے کوئی حد بھی مقرر کی ہوئی ہے دردانہ؟ بھئی مجھے بھی تو بتاؤ ہمارے درمیان تو کبھی کوئی حد' کبھی کوئی سرحد' کوئی پردہ موجود نہیں تھا آج تمہیں ''حدود'' کیسے یاد آ گئیں۔'' اس نے لفظ حدود پر معنی خیز انداز میں زور دے کر کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دوں وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ خیر علی بھائی کی نوازشات کے بدلے میں نے کبھی کنجوسی نہیں دکھائی تھی اس کے پاس دولت تھی اور وہ مجھ پر لٹاتا رہا اور میرے پاس جو کچھ بھی تھا میں اس کی نذر کرتی رہی تھی اور میں نے اسے کبھی قابل اعتراض عمل سمجھا ہی نہیں تھا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں اس کی کنیز بن کر رہ گئی تھی۔

''میں حساب برابر کر چکی ہوں خیر علی بھائی آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے آپ کو ہمیشہ خوش رکھا ہے ہر لحاظ سے.....'' میں نے بے رخی سے سوچ سوچ کر کہا

''حساب برابر نہیں ہوا دردانہ۔ معاملہ خرید وفروخت کا تو ہے ہی نہیں تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں تم سے محروم نہیں ہونا چاہتا کبھی نہیں' چلو اگر تم حساب کتاب میں پڑنا چاہتی ہو تو مجھے بتاؤ تمہاری کیا قیمت ہے؟ یا کیا کرایہ ہے؟ بولو میں نے تم پر جتنا خرچ کیا ہے اس میں درجن بھر گرل فرینڈ رکھ سکتا ہوں تو پھر..... تم بطور ایک عورت اتنی مہنگی تو نہیں ہو نا دردانہ.....!'' وہ رکا پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محبت سے بولا۔

''تمہاری قیمت تمہاری قدر بہت زیادہ ہے دردانہ' بیحد' بیشمار اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مجھے دل و جان سے پسند ہو' مجھے تمہارا شوق ہے اور شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا۔''

''شٹ اپ!'' میری برداشت ختم ہو چکی تھی۔

''میں جا رہی ہوں خیر علی بھائی آپ پاگل ہو گئے ہیں۔ آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھتے ہیں اخ تھو۔'' نفرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے فرش پر تھوکا اور واپسی کے لیے مڑ گئی

''تمہاری شادی نہیں ہو گی دردانہ..... یہ ہو ہی نہیں سکتا'' خیر علی بھائی کی پرسکون آواز گونجی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا وہ اطمینان سے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''بد دعاؤں پر اتر آئے۔'' میں تمسخر سے ہنسی..... ''نہیں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں..... تم ہمیشہ میری رہو گی صرف میری۔'' اس نے پورے یقین سے کہا اور میں ایک لمحے کو کانپ کر رہ گئی

''ناممکن..... میں آپ پر لعنت بھیجتی ہوں۔''

''میں نے زور سے دروازہ بند کیا اور واپس آ گئی مگر..... بند دروازے کے پیچھے گونجتے خیر علی بھائی کے قہقہے مجھے خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔

☆.....☆

خیر علی بھائی کی دھمکی نے مجھے وقتی طور پر ضرور ڈرایا تھا لیکن دو چار دن گزرنے کے بعد میں نے اس کی بکواس کو یکسر فراموش کر دیا۔ ''ہونہہ بڈھا میرا کیا بگاڑ لے گا بڑا آیا کہیں کا مجھ پر اپنی ملکیت جتانے والا مجھے زر خرید ہی سمجھ لیا تھا مردود نے۔'' میں نے فیکٹری جانا چھوڑ دیا تھا اور اپنی شادی کی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھی بچپن سے میں نے اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کیا تھا شادی کی

Digitized by Google

تیاریاں بھی اکیلے ہی کرنا پڑ رہی تھیں اور تھا ہی کون جو میری مدد کرتا اماں کی اتنی ہمت اور صحت نہیں تھی کہ میرے ساتھ بازاروں' درزیوں اور سناروں کے چکر لگاتیں۔ بھائی میرا ہمیشہ سے کسی کام کا نہیں تھا۔ بہن کو اپنے گھر بار سے فرصت نہ تھی لے دے کر میں ہی باقی رہ جاتی تھی۔ دن رات برق رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہے تھے رات کو تھکن سے نڈھال جب میں بستر پر ٹوٹ کر گرتی تھی تو مجھے دنیا مافیہا کا ہوش نہیں ہوتا تھا نیند کی گہری وادیوں میں اترنے سے قبل اگر کوئی خواب بھی نظر آتا تھا تو وہ میری آئندہ آنے والی ازدواجی زندگی اور میرے رفیق سفر سے متعلق ہوتا تھا مجھے اپنی خوش قسمتی پر رشک آتا تھا۔ یہ درست ہے کہ میں نے انتھک محنت کی تھی لیکن اس کا صلہ بھی خوب پایا تھا کیا تھا جو میں نے چاہا اور حاصل نہیں کیا اور اب میرا ہمسفر ہو بہو ویسا ہی تھا جیسا میں برسوں سے سپنوں میں بسا رکھا تھا' خوبصورت' بردبار' سلجھا ہوا اور تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ آسودہ حال..... اس نے مجھ سے براہ راست گفتگو نہیں کی تھی صرف اپنی بہن کے توسط سے گول مول الفاظ میں مجھ تک اپنی خواہش پہنچائی تھی کہ اسے میری ملازمت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس کی آرزو ہے کہ اس کی بیوی گھر کا چراغ بن کر گھر ہی میں رہے

مجھے تعجب ہوا۔ یہ کیسا آدمی ہے جس کو فقط میری ذات سے غرض ہے میری آمدنی سے نہیں میرے لیے یہ بات بالکل نئی تھی ورنہ میرا تجربہ یہی تھا کہ فی زمانہ غرض سے پاک کوئی رشتہ نہیں ہے کیا ماں' کیا بہن' کیا بھائی اور کیا باپ..... جسے دیکھو خود غرضی کا پتلا ہے۔ میرا خیال پختہ ہو چکا تھا کہ محبت اپنے لغوی معنی میں ناپید ہو چکی ہے اور اگر دستیاب ہوتی بھی ہے تو ملاوٹ کے ساتھ کوئی نہ کوئی مطلب ضرور اس کے ساتھ نتھی ہوتا ہے میں اپنے ہونے والے شوہر سے بیحد متاثر ہو چکی تھی اسے میرا کتنا خیال تھا' کتنی محبت تھی اور اس کا یہ جذبہ کس قدر شفاف تھا ورنہ بیٹھے بٹھائے کون اچھی بھلی آمدنی کو لات مارتا ہے میں نے اس کا پیغام سن کر اگلے ہی روز استعفیٰ دے ڈالا تھا۔ خیر علی بھائی کے ساتھ ہونے والی بات چیت نے میری طبیعت بد مزہ ضرور کر دی تھی مگر مجھے اب ایک سائبان میسر تھا اور یہ ایک مرد کا سائبان تھا جس سے میں ہمیشہ محروم رہی تھی۔ میں اپنے وجود میں ایک نئی بھرپور توانائی محسوس کر رہی تھی۔

ہونہہ خیر علی بھائی میرا کیا کر لے گا؟ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کرنے کی کوشش کی تو منہ کی کھائے گا۔ برا حشر کر دوں گی میں اب لاوارث نہیں ہوں مضبوط مرد کا سہارا مجھے نصیب ہو گیا ہے۔ اگر خیر علی بھائی کی گیدڑ بھبکی مجھے یاد بھی آتی تھی تو میں یہی سوچ سوچ کر ذہن سے کھرچ دیتی تھی۔

تین ہفتے گزر گئے تھے شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اور تکمیل کے آخری مراحل طے کر رہی تھی میری شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا کہ بذریعہ ڈاک مجھے قانونی نوٹس موصول ہوا۔

نوٹس خیر علی بھائی کے وکیل نے خیر علی بھائی کی جانب سے مجھے بھیجا تھا۔ مجھے تنبیہ کی گئی تھی کہ میں قانون اور شرع کی خلاف ورزی کا ارادہ ترک کر دوں ورنہ عدالتی کارروائی شروع کر دی جائے گی وجہ؟ خیر علی بھائی کو اطلاع ملی تھی کہ میں ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنے جا رہی

Digitized by Google

ہوں جو کہ قانون اور مذہب کی اجازت کے سراسر خلاف ہے مجھے مشورہ دیا گیا تھا کہ میں اپنے موجودہ شوہر کے گھر واپس آجاؤں اور وہ شوہر کون تھا..... خیر علی بھائی..... زمین میرے پیروں تلے سے نکل گئی۔ نوٹس پڑھ کر مجھے اتنی زور کا چکر آیا کہ میں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ زمین گھوم رہی تھی آسمان قلابازیاں کھا رہا تھا آنکھوں کے آگے ستارے ناچ رہے تھے..... میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ خیر علی بھائی میری شادی سے عین ہفتہ بھر پہلے اتنی گھٹیا حرکت کرگزریں گے۔ قانون کا فیصلہ تو بعد کی بات تھی مجھے اپنی عزت کے لالے پڑ گئے تھے کتنی بدنامی ہوگی لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے اور یہ سب کچھ میرے سسرال والوں سے پوشیدہ نہیں رہے گا وہ کیا سوچیں گے۔ میں لاکھ اپنی صفائی پیش کرتی رہوں لیکن پھر بھی..... اٹھی ہوئی انگلیاں کون پکڑے گا۔ اسکینڈل تو چٹکی بجاتے بن جاتا ہے۔

اگر غلط ثابت ہو بھی جائے پھر بھی شکوک و شبہات لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑے رہتے ہیں میں کئی کئی گھنٹے بے سدھ پڑی رہی ذہن ماؤف تھا ہاتھ پیروں سے جان نکل چکی تھی کافی دیر بعد حواس قابو میں آئے تو میں نے نوٹس دوبارہ پڑھا مضمون وہی تھا ظاہر ہے میری ذہنی اپتری یہ کرشمہ نہیں دکھا سکتی تھی کہ نوٹس کا متن تبدیل کردے۔

اماں نے میری بگڑی ہوئی حالت دیکھی تو پریشان ہوگئی۔ ''کیا ہوا خیر تو ہے؟''

''نہیں اماں!'' اس کے آگے الفاظ دم توڑ گئے اور میں چیخیں مار کر رونے لگی۔ اماں کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوگیا ہے چپ چاپ مجھے گلے لگائے بیٹھی رہیں اور مجھے پانی پلاتی رہیں۔ آنسوؤں کا سیلاب ختم ہوا اور ہچکیوں کا زور ٹوٹا تو اماں نے دوبارہ مجھ سے پوچھا۔

''بتاؤ کیا بات ہے؟'' میں نے تفصیل بتانی شروع کردی اور اماں کا رنگ زرد پڑتا گیا۔ سب کچھ سن کر وہ خاصی دیر گم سم بیٹھی رہیں ایک لفظ منہ سے نہ بولیں بس سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبی رہیں۔

''اچھا..... تو یہ قصہ ہے.....'' میں ان کی پرسکون آواز سن کر حیران رہ گئی۔ میرا خیال تھا کہ اماں بھی سن کر بے ہوش ہوجائیں گی۔

''اماں..... آپ!'' میری سمجھ میں نہیں آیا کیا کہوں میرا جملہ ادھورا رہ گیا۔

''دیکھو دردانہ برا مت ماننا۔ میں تمہاری ماں ہوں سچ سچ بتادو.....'' اماں بغور مجھے دیکھ رہی تھیں جیسے میرا چہرہ پڑھنے کی کوشش کررہی ہوں۔

''اماں یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں کیا سچ سچ بتادوں؟'' میں خالی الذہنی کے عالم میں بڑبڑائی

''اگر تم خیر علی بھائی سے شادی کرچکی ہو تو چھپانے کی کیا ضرورت تھی تم نے شادی کی ہے جرم نہیں کیا۔'' اماں نے تسلی دیتے ہوئے میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ میں گم سم آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ گویا اماں بھی یہی سمجھ رہی ہیں مجھے یوں لگا جیسے میں پاتال میں دھنستی جارہی ہوں میں نے اماں کا ہاتھ کاندھے سے ہٹادیا۔

''مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی اماں آپ الٹا میرے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہیں۔'' میں نے غصے سے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی اماں کے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔

Digitized by Google

''قیامت نہیں آ گئی اگر تم نے خیر علی بھائی سے شادی کر لی۔ خفیہ شادیاں بھی آخر شادیاں ہی ہوتی ہیں اور اسی دنیا میں کی جاتی ہیں۔ اور پھر خیر علی بھائی میں کیا برائی ہے جو تم شرمندہ ہو رہی ہو اچھا بھلا آدمی ہے شادی شدہ بچوں والا ہے تو کیا ہوا عمر زیادہ ہونا بھی کوئی برائی نہیں' اس کی سب سے بڑی خوبی تو اس کی دولت ہے تمہیں فخر ہونا چاہیے بھلا چھپ کر شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی ڈنکے کی چوٹ پر بیاہ کر تیں۔''

اماں کی آنکھیں چمک رہی تھیں میں نے تاسف سے اپنی ماں کو دیکھا کیا سچ مچ میں میری ماں تھی یا کوئی لالچی بھیڑیا۔ مزید کچھ کہنا فضول تھا میں چپ چاپ تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں واپس آ گئی کس سے مدد مانگوں کس پر بھروسہ کروں کسے اپنی سچائی کا یقین دلاؤں جب میری سگی ماں ہی میرا سچ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

سوچتے سوچتے مجھے امید کی پہلی اور آخری کرن وہی متوجہا موقع شرم و جھجک کا نہیں تھا میں نے اس کے دفتر کا فون ملایا۔

''میں دردانہ بول رہی ہوں.....'' میں نے فون تو کر لیا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گفتگو کس طرح شروع کروں۔

''جی! فرمایئے!'' دوسری طرف سے خشک لہجے میں جواب دیا گیا۔

''میں..... میں دراصل ناگہانی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔'' میں نے اٹک اٹک کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے'' اس نے لاپروائی سے کہا

''کک..... کیا معلوم ہے؟'' میں لرز کر رہ گئی۔

''نوٹس کی کاپی مجھے بھی ملی ہے اور میں ایک ایک لفظ پڑھ چکا ہوں'' وہ ہنسا تو میری ہمت بڑھ گئی

''سفید جھوٹ ہے۔ الزام ہے مجھ پر'' میں جذبات کی رو میں بہہ کر چلانے لگی۔

''بہر حال جو کچھ بھی ہے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' اس نے گہرے طنز اور حقارت سے پوچھا ''یعنی آپ وہی سمجھ رہے ہیں آپ بھی نوٹس پر یقین کر رہے ہیں مجھ پر نہیں''

دیکھیے خاتون جذباتی ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے کسی پر اس طرح کا الزام لگانا مذاق نہیں ہے اور پھر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کوئی آپ پر یہ الزام کیوں لگا رہا ہے دوسرے یہ کہ آپ اس کو الزام مت کہیں وکیل کا نوٹ اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور وہ بھی اس قدر سنجیدہ نوعیت کا یہ اخبار کی چٹھی خبر تو ہے نہیں کہ دوسرے روز تردید چھپوا دی جائے اور بس قصہ ختم'' سرد آواز میں اتنی بے رخی تھی میں پسینے پسینے ہو گئی۔

''مگر یہ جھوٹ ہے۔'' میرے الفاظ گلے میں پھنس رہے تھے۔

''مجھے اس سے غرض نہیں کہ یہ جھوٹ ہے یا سچ ہے جب فیصلہ ہو گا سو ہو گا۔ لیکن یہ بتایئے کہ میرا کیا قصور ہے۔ میں کیا کروں' کہاں منہ چھپاؤں دنیا کو کیا جواب دوں اور کیا توجیہہ کروں۔ میری ساکھ خاک ہو کر رہ گئی ہے آپ کی بدولت۔ اگر یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا تو ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کیوں کی.....'' وہ غصے میں بولے جا رہا تھا۔ امید کی پہلی اور آخری کرن پھوٹنے سے پہلے بجھ گئی تھی۔

''میں نے آپ کو بہت امیدوں کے ساتھ فون کیا تھا مجھے اعتماد تھا کہ آپ..... کم از کم آپ مجھے ایسا نہیں سمجھیں گے میری مدد کریں گے۔ میں

Digitized by Google

بلک رہی تھی' گھگیا رہی تھی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ۔آپ خود ہی بتایئے میں آپ کو کیا سمجھوں کیا مدد کروں'' اس نے سنگدلی سے جواب دیا

''جھوٹ ہے یہ سب جھوٹ ہے۔'' میری فریاد کسی لب دم کی آخری ہچکی سے مشابہ تھی۔

ہوگا' بشرطیکہ ثابت ہوجائے اس نے بے اعتباری سے کہا اور ساتھ ہی کچوکا دینے سے بھی نہیں چوکا کسی عورت پر بیوی ہونے کا دعویٰ کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے خاتون اور کوئی غلط دعویٰ بھلا کرے گا ہی کیوں ثبوت اور شواہد کے بغیر۔ کہنے سننے کو کچھ باقی نہ رہا تھا میں نے فون رکھ دیا۔ کیسا ستم تھا کہ کوئی میرے سچ کو سچ ماننے پر تیار نہیں تھا نہ میری ماں نہ میرا ہونے والا شوہر اور اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی قسمت پر روتی رہی مگر میرے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا۔ زخموں پر نمک البتہ ہر ایک دل کھول کر چھڑک رہا تھا اتنا بے دست و پا میں نے خود کو کبھی نہیں پایا تھا اس وقت بھی نہیں جب ابا کا انتقال ہوا تھا۔ اماں حوالات میں بند تھیں اور میں یکہ و تنہا دردر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی کسی آندھی کی زد میں آئے ہوئے سوکھے پتے کی مانند۔

☆.....☆

اور کوئی راستہ نہ پا کر اگلے دن میں فیکٹری گئی مجھے اپنے آفس میں دیکھ کر خیر علی بھائی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آؤ آؤ ۔ دُر.....دانہ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں میرے نام کو ٹکڑوں میں ادا کیا میں آگ بگولہ ہوگئی ''تم نے انتہائی کمینے پن کا مظاہرہ کیا ہے۔ خیر علی بھائی آخر تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے؟''

''دشمنی نہیں' پیار ہے پیار۔ بعض اوقات پیار میں بھی کمینے پن کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے'' وہ میری بیچارگی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پان کی پڑیا کھول کر اس نے پان کھایا اور پھر کرسی پر بیٹھ کر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا ''بیٹھ جاؤ تکلف کیسا تم مالکن ہو اس فیکٹری کی' دفتر کی' حیرت کیوں ہو رہی ہے تمہیں میری بیوی ہو تو مالکن خود بخود ہوگئی یا نہیں!''

تمہاری شرارت نے مجھے برباد کر دیا ہے۔ موقع ایسا نہیں تھا کہ مجھے اپنے مشتعل جذبات کا کھل کر اظہار کرتی۔ میرا رشتہ ٹوٹ جائے گا میں بدنام ہو جاؤں گی اور..... اور تمہیں کیا ملے گا؟'' میں نے حتی الامکان اپنا لہجہ دھیما رکھا ''مل گیا جو ملنا تھا۔ رشتہ ٹوٹ جائے گا نہیں بلکہ ٹوٹ چکا ہوگا چاہو تو اپنے سسرال فون کر کے تصدیق کر لو'' وہ زور زور سے ہنسنے لگا

''مگر..... مگر تمہیں کیا حاصل ہوا خیر علی بھائی!'' میں نے غصے کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں اپنے ہونٹ چبا ڈالے۔

''تم.....دردانہ تم..... میں تم کو کھونا نہیں چاہتا'' اس نے اطمینان سے کہا ''تمہارا خیال ہے کہ اس طرح مجھے رسوا کر کے تم مجھے حاصل کر لو گے بھول ہے تمہاری'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا

''اگر میں تمہیں حاصل نہیں کر سکا تو کیا ہوا تم کسی اور کی بھی نہیں ہو سکو گی کوئی بھی مرد تم پر تھوکنا تک گوارا نہیں کرے گا۔'' وہ ایک لمحے کو رکا اور سوچتے ہوئے بولنے لگا ''اور یہ تم نے کیسے کہا دردانہ کہ میں تمہیں حاصل نہیں کر سکتا میں تمہیں

Digitized by Google

حاصل کر چکا ہوں تم میری بیوی ہو۔'' میری برداشت کا بندھن ٹوٹ گیا

''شیطان ہو پتہ نہیں تمہارا مقصد کیا ہے تم کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میرے''

اپنی بیوی کے پیچھے نہ پڑوں تو کس کے پیچھے پڑوں' وہ محل سے مسکرایا

''میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔'' سلجھاؤ کی کوئی صورت نہ پا کر میں کھڑی ہوگئی۔ اور مقدمے بازی کا سامنا کرنے کو تیار ہوں اچھا ہے ساری دنیا کو پتہ چل جائے گا کہ تم کتنے گھٹیا اور دھوکے باز ہو۔ وہ اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔

اب جانے بھی دو دردانہ! بہت دن تم اپنی ماں کے ساتھ رہ لیں' قصہ ختم کرو میاں بیوی کی رنجش اتنی طویل نہیں کھینچنا چاہیے شاباش! گھر واپس آ جاؤ' ہاں اپنے گھر'' میں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی وہ مجھے ایسے سمجھا رہا تھا جیسے میں واقعی اس کی بیوی ہوں اور شوہر سے لڑ جھگڑ کر میکے چلی گئی ہوں۔

یہ تو میں اچھی طرح جان گئی تھی کہ وہ میری شادی سے جل رہا ہے لیکن اس کی چالیں اب بھی میری عقل سے بالاتر تھیں آخر خیر علی بھائی دنیا کو یہ بتا کر کہ وہ میرا شوہر ہے کیا چاہتا تھا اور کیوں چاہتا ہے میرے دل میں نفرت کا طوفان اٹھا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس کو اچھی طرح مزہ چکھاؤں گی میں تو بدنام ہو ہی چکی تھی لیکن اب خیر علی بھائی کی خیر نہیں ہے میں نے سوچا میں اپنی سچائی عدالت میں ثابت کروں گی اگر خیر علی بھائی یہ سمجھتا ہے کہ میرا رشتہ بگاڑ کر مجھے ڈرا دھمکا کر فیکٹری میں دوبارہ ملازمت پھر کرنے کے لیے مجبور کر دے گا تو میں بھی دیکھتی ہوں کہ کیسے؟

ٹھیک ہے خیر علی بھائی! میں نے لمبا سانس لیا اب ہماری ملاقات عدالت میں ہوگی اور میں سارے زمانے کو تمہارا غلیظ روپ دکھاؤں گی، تمہیں سزا دلوا کر رہوں گی تم نے کیا سمجھا تھا کہ میں تمہارے نوٹس کے دباؤ میں آ کر ہتھیار ڈال دوں گی ہرگز نہیں تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ میں عدالت کچہری سے نہیں ڈرتی تم نے مجھ پر جھوٹا الزام لگا کر بہت بڑی غلطی کی ہے اب خمیازہ بھگتنے کو تیار ہو جاؤ میں تم سے اتنا بھاری ہرجانہ وصول کروں گی کہ تم کنگال ہو جاؤ گے فقیر ہو جاؤ گے سمجھ گئے خیر علی بھائی۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ میں نے خم ٹھونک کر لمبی تقریر کی اور آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی۔

.. سنو دردانہ! جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے مگر لگا دیے جاتے ہیں اور پاؤں لگ جانے کے بعد جھوٹ جھوٹ نہیں رہتا سچ ہو جاتا ہے۔,, خیر علی بھائی کے خوفناک قہقہے میرے کانوں میں گونج رہے تھے میں نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لیے اور خیر علی بھائی کے قہقہوں کی بازگشت دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے اپنے مقدمے کی پیروی کے لیے ایک وکیل سے رابطہ کیا اور اس کو ساری تفصیل سے آگاہ کیا اچھا خاصا ادھیڑ عمر وکیل میرے کیس کی نوعیت سن کر سوچ میں پڑ گیا

.. یہ میرے کیریر کا انوکھا کیس ہوگا کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے مجھے سب کچھ تفصیل سے اور سچ سچ بتا دیا ہے میرا مطلب ہے ایک بار پھر غور کر لیجیے ممکن ہے کوئی اور پوائنٹ یاد آ جائے۔'' مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وکیل مجھ پر شک کر رہا ہے۔

URDU TUBE
Digitized by Google

''وکیل کم از کم اپنے کلائنٹ پر شک نہیں کرتے مگر آپ کر رہے ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔

''یہ بتایئے آپ میرا مقدمہ لڑنے کو تیار ہیں یا میں کسی اور وکیل سے مدد حاصل کروں ویسے بھی بقول آپ کے یہ آپ کے کیریئر کا انوکھا کیس ہوگا'' میں نے اس کا جملہ دہرایا۔

''میں آپ پر شک نہیں کر رہا پلیز'' وکیل گھبرا کر جلدی سے بولا ''اگر کہانی یہی ہے جو آپ نے بیان کی تو بس جانے دیجیے۔''

''کامیابی کی کتنی امید ہے؟'' میں نے وکیل کو گھور کر پوچھا ''ففٹی ففٹی!'' اس نے بے تکلفی سے جواب دیا

''کیوں؟ اس سے زیادہ کیوں نہیں مجھ پر جھوٹا الزام ہے صریحاً بے بنیاد محض انتقام اور حسد کی بنا پر میری ساکھ میری عزت داؤ پر لگی ہوئی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں ففٹی ففٹی۔ بھلا یہ ثابت کرنا بھی مشکل ہے کہ میں نے خیر علی بھائی سے شادی نہیں کی۔'' مجھے غصہ آ گیا۔

''ٹھنڈے دل سے میری بات سنیے سننے کے بعد آپ چاہیں تو کسی اور وکیل سے مشورہ کر لیجیے گا۔'' اس نے خالص کاروباری انداز میں کہا۔

''عدالت میں مقدموں کے فیصلے ثبوت' گواہ اور شواہد کی بنیاد پر ہوتے ہیں سچ اور جھوٹ کی بنیاد پر نہیں۔ آپ کیا سمجھتی ہیں جیلوں میں بند تمام قیدی گناہ گار ہیں' ہرگز نہیں نصف سے زیادہ معصوم ہیں مگر ان پر کسی نہ کسی طرح جرم ثابت ہو چکا ہے لہٰذا سزا بھگت رہے ہیں ذہن نشین کر لیجیے کہ کوئی بھی فیصلہ سچ اور جھوٹ سے تعلق نہیں رکھتا فیصلہ اسی کے حق میں ہوتا ہے جس کا پلڑا بھاری ہو اگر جھوٹ سچ پر غالب آ جائے تو فتح جھوٹ کی ہوگی۔''

''میں آپ کا لیکچر سننے نہیں آئی وکیل صاحب'' میں اکتا گئی تھی۔ ''آپ کوئی نئی بات نہیں کر رہے ہیں۔''

''میں نے حقیقت آپ کے گوش گزار کی ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اپنے کان کی لو مسلنا شروع کر دی پھر سرگوشی میں بولا۔ ''خیر علی بھائی بچہ نہیں ہے پختہ عمر کا گھاگ کاروباری آدمی ہے وہ صرف مشتعل ہو کر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا دوسرے یہ کہ نوٹس اس کے وکیل نے بھیجا ہے اور اس کا وکیل بھی معمولی وکیل نہیں ہے پردے کے پیچھے کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔'' میں نے چونک کر وکیل کو دیکھا ''کھل کر کہیے وکیل صاحب!''

وہ سر کھجانے لگا' غالباً اظہار مدعا کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے تولے تولے الفاظ میں کہنا شروع کیا ''دیکھیے! میری چھٹی حس اور میرا تجربہ کہتا ہے کہ معاملہ بہت گہرا ہے اتنا سہل نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہی ہیں یا جس آسانی سے آپ نے بیان کر دیا کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے پلیز! میری درخواست ہے کہ آپ کچھ نہ چھپائیں مجھے صرف وکیل ہی نہیں اپنا ہمدرد اور رازدار جانیے مقدمے کی مضبوطی وکیل اور موکل کے باہمی اعتماد پر منحصر ہوتی ہے۔''

''آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟'' مجھے اس کی تمہید الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

''برا نہ مانیے گا غلط بیانی ہمارا قومی مزاج بن چکی ہے کلائنٹ کہتے کچھ ہیں حقیقت کچھ اور ہوتی

Digitized by Google

ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقدمہ کمزور پڑ جاتا ہے۔'' اس نے گہری سانس لی ''دیکھیے اگر آپ نے کسی وجہ سے خیر علی بھائی کے ساتھ شادی کر لی ہے اور اب اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا چاہتیں تو بات اور ہے مقدمہ ہم کسی اور طریقے سے لڑیں گے۔''

میرا رنگ سرخ ہو گیا غصے کی شدت سے ہاتھ کانپنے لگے تاہم میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے زہر خند سے کہا آپ ابھی سے اپنی شکست تسلیم کر رہے ہیں وکیل صاحب اگر میں نے شادی کی ہوتی تو طلاق کا مقدمہ دائر کرانے آپ کے پاس آتی اپنے اوپر لگے جھوٹے الزام کو مٹوانے کے لیے نہیں۔

''ٹھیک ہے آپ نے میرا شبہ دور کر دیا شکریہ آپ تشریف لے جا سکتی ہیں میں یہ کیس ضرور لڑوں گا کامیابی کے لیے دعا کیجیے گا۔'' وکیل نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اطمینان سے کہا۔

''اور کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لیں۔'' میں نے ایک بار پھر طنز کیا۔

آپ برا مان گئیں مگر اس قسم کے سوالات میرے پیشے اور میرے موکل کے لیے بہت اہم ہوتے ہیں اس نے پھر جتایا اور میں واپس آ گئی سارے راستے میں معاشرے کے انحطاط کو کوستی رہی آخر ہم کہاں جا رہے ہیں کہاں پہنچ گئے ہیں اور ہماری منزل کیا ہے۔ کوئی سچ بولنے کو تیار نہیں' کوئی سچ سننے پر آمادہ نہیں ۔ جھوٹ اور فریب نے ہمارے کس بل نکال کر رکھ دیے ہیں ہمیں جکڑ کر بے بس کر ڈالا ہے سچائی کا ساتھ دیتے ہوئے لوگ ہچکچاتے ہیں اوّل تو یقین ہی نہیں کرتے اور اگر کر لیں تو سچائی کی حمایت کرتے ہوئے دم نکلتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ میرا وکیل میرا بیان سن کر شش و پنج میں مبتلا تھا کہ میں سچی ہوں یا جھوٹی۔ ماں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ خیر علی بھائی بطور شوہر میرے لیے ہر لحاظ سے بے حد مناسب ہے اور اس کے نوٹس کے جواب میں مجھے چپ چاپ اس کے گھر چلے جانا چاہیے اماں کو اپنی بیٹی سے زیادہ خیر علی بھائی کے جھوٹ پر پورا پورا یقین تھا اور انہوں نے میرے بھائی کو بھی خوشی خوشی یہ خبر سنا دی تھی کہ دردانہ نے خیر علی بھائی سے چھپ کر شادی کر لی ہے مگر غالباً نا چاقی ہو گئی ہے چنانچہ شوہر کے گھر جانے سے گریز کر رہی ہے اسے سمجھاؤ کہ شوہر کی قدر کرے ایسا شوہر مقدر والیوں کو نصیب ہوتا ہے دولت مند' با اثر' عمر زیادہ ہونے سے بھلا کیا ہوتا ہے یہ تو کوئی عیب نہیں ہے اماں کے اصرار پر بھائی مجھے سمجھانے بھی آیا تھا مگر میرے تیور دیکھ کر اس کی ہمت نہ پڑی اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔

☆.....☆

مقدمہ کی کارروائی شروع ہو گئی جوں جوں مقدمہ آگے بڑھ رہا تھا میرے اعصاب مفلوج ہوتے جا رہے تھے صاف نظر آ رہا تھا کہ میرا وکیل ہوا میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے وہ ابھی تک میرے خیر علی بھائی کے ساتھ شادی نہ کرنے کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہا تھا جبکہ خیر علی بھائی کا وکیل اچھی طرح کیل کانٹے سے لیس تھا۔

مقدمہ واپس لے لو اور میرے گھر چلو کیوں اپنا مذاق بنا رہی ہو۔ دوسری پیشی کے اختتام پر خیر علی بھائی نے میرے نزدیک آ کر کان میں کہا اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی ۔ میں خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

Digitized by Google

حیران کن صورتحال کا سامنا تھا خیر علی بھائی کا وکیل عدالت میں میرے اور خیر علی بھائی کے نکاح کے دستاویزی ثبوت پیش کر رہا تھا بقول اس کے ہمارا نکاح دو برس پہلے ہو چکا تھا اور شادی کو خفیہ میری خواہش پر رکھا گیا تھا کیونکہ میں نے یہ شادی اپنی ماں اور بھائی کو اطلاع دیے بغیر کی تھی اور انہیں رضامند کرنے کے لیے مجھے وقت درکار تھا مگر اب میری نیت بدل چکی تھی اور میں خیر علی بھائی کے نکاح میں رہنے سے انکار کر دیا تھا خیر علی بھائی طلاق دینے پر تیار نہ ہوا تو میں نے چوری چھپے ایک دوسرا رشتہ قبول کر لیا اور شادی کی تاریخ بھی طے ہوگئی مجبوراً خیر علی بھائی کو نوٹس بھجوانا پڑا تاکہ قانون، مذہب اور اخلاقیات کی پاسداری ہو سکے خیر علی بھائی کی جانب سے عدالت میں اس کی پہلی بیوی کا دستخط شدہ شادی کا اجازت نامہ بھی پیش کیا گیا اس کے بعد دستاویزی ثبوتوں کا تانتا بندھ گیا نکاح نامہ، نکاح رجسٹرار کا ریکارڈ اور رجسٹر میں ہماری شادی کی تاریخ درج تھی نکاح نامہ پر میرے اور خیر علی بھائی کے علاوہ گواہوں کے دستخط۔ قاضی کی مہر دولہا اور دلہن کے وکلاء کے سائن کیا کچھ نہیں تھا مگر جھوٹ کا پلندہ لیکن عدالت پر ٹھوس ثبوت نظر انداز نہیں کر سکتی تھی جعل سازی اتنی مہارت سے کی گئی تھی کہ میں چکرا کر رہ گئی سب سے زیادہ ہوش ربا شادی کی تصاویر تھیں میں ہق دق ان تصویروں کو دیکھتی رہ گئی میں دلہن بنی خوش خوش خیر علی بھائی کے پہلو میں بیٹھی تھی ہم دونوں کے ساتھ قاضی اور شادی کے گواہوں کی تصویریں بھی تھیں۔ فوٹو گرافر جو کوئی بھی تھا میں اس کو نہیں جانتی تھی وہ بطور گواہ عدالت میں پیش ہوا اور اس نے بلا جھجک گواہی دی کہ اس نے ہماری شادی میں شرکت کی تھی اور تصاویر اتاری تھیں۔ میں اس کی پیشہ ورانہ مہارت کی قائل ہوگئی ۔ میرا وکیل دستاویزات اور تصویروں کو جعلی ثابت کرنے میں ناکام ہوگیا۔

ہم شکست کا زینہ سرعت سے طے کر رہے تھے پھر گواہوں کی باری آئی اور رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی میری حمایت میں شادی نہ ہونے کا کوئی گواہ نہیں تھا جبکہ خیر علی بھائی کی طرف سے شادی کے گواہ یکے بعد دیگرے چلے آ رہے تھے میں کہہ کہہ کر تھک گئی کہ یہ خیر علی بھائی کی سازش ہے اس کے گواہ اس کے زرخرید ہیں اور جھوٹے ہیں لیکن مجھ کو احساس ہو چلا تھا کہ میری آواز بے اثر ہے میرا سچ کھوکھلا ہے آخر میں خیر علی بھائی کے اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ خیر علی بھائی نے کس وجہ سے مجھ پر اپنی دولت لٹائی میرے نام اس کے لکھے ہوئے چیک، نقد کی رسیدیں زیورات اور پارچہ جات کے بل خیر علی بھائی نے ایک ایک پیسے کا حساب باقاعدہ اپنے پاس رکھا تھا اوپر سے خیر علی بھائی نے میرے عسرت زدہ ماضی کا کچا چٹھا کھولنے میں کسی رورعایت سے کام نہیں لیا ایک یہی سچ تھا جو خیر علی بھائی نے عدالت میں بولا کہ میری اور میرے خاندان کی موجودہ خوشحالی صرف اور صرف خیر علی بھائی کی مرہون منت تھی البتہ اس نے زور دے کر کہا کہ ان تمام عنایات کا سبب یہی تھا کہ میں نے خیر علی بھائی سے شادی کا وعدہ کر رکھا تھا ورنہ اس کو کیا پڑی تھی کہ مجھ پر اپنا پیسہ بیدردی سے ضائع کرتا اس کی دلیل میں وزن تھا بھلا خدمت خلق کے لیے اتنا کون کرتا ہے اور اگر کرتا ہے تو شادی کا دعویٰ نہیں کرتا میری ماں اور بھائی کا بیان بھی

Digitized by Google

میرے خلاف گیا انہوں نے اعتراف کیا کہ خیر علی بھائی کا ہمارے گھر بے تکلفی سے آنا جانا تھا اور وہ دل کھول کر ہماری مدد کر رہا تھا۔ کیوں کر رہا تھا اس کا جواب نہ اماں کے پاس تھا نہ بھائی کے پاس خیر علی بھائی نے ہماری کایا پلٹ دی تھی اور ساری دنیا گواہ تھی اب اگر خیر علی بھائی اس کی وجہ میرے اور اس کی شادی کے وعدے کو قرار دے رہا تھا تو واقعی اسے جھٹلانا عدالت کے لیے آسان نہیں تھا جبکہ خیر علی بھائی شادی کے گواہ اور ثبوت بھی سینہ تان کر پیش کر چکا تھا اور عدالت کے پاس کوئی عذر نہیں تھا کہ انہیں رد کرتی۔ میرے وکیل نے سر جھکا کر مجھ سے شرمندگی کا اظہار کیا اور صاف بتادیا کہ اب مقدمہ کی کارروائی صرف خانہ پری تک محدود ہے ہم کیس ہار چکے ہیں"

پھر اب کیا ہوگا..... احساس شکست نے میرے اعصاب سن کر دیے تھے۔

میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ وکیل نے گردن جھکالی

پھر بھی؟ آپ میرے وکیل ہیں۔ میں نے رو دینے والی آواز میں پوچھا

"عدالت کا فیصلہ خیر علی کے حق میں ہوا تو آپ کو ان کے گھر جانا پڑے گا بحیثیت بیوی۔"

"ناممکن میں ہرگز اس کے پاس نہیں جاؤں گی میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

جانا پڑے گا ورنہ ایک اور مقدمہ آپ پر قائم ہوجائے گا توہین عدالت کا کیس۔ وکیل ہمدردی سے بولا

کیا مصیبت ہے میں بری طرح جھنجلا گئی

اندھیر نگری ہوئی ہے اس ملک میں اس معاشرے میں انصاف' انصاف کی رٹ ہر لیڈر نے لگا رکھی ہے اور حال یہ ہے کہ شریف اور غریب کا جینا حرام ہے پیسے کے بل پر گواہ ثبوت کاغذات سب کچھ تیار ہوجاتا ہے آخر میں اپنی سچائی کس طرح ثابت کروں وکیل صاحب؟ درندوں کے اس جنگل میں کون ہے جو میری آواز سنے۔ ہے کوئی سماعت رکھنے والا یا سب کے سب اندھے بہرے ہیں میں بری طرح چیخنے لگی وکیل خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا بھلا کیا جواب دیتا میں چیختے چیختے تھک گئی تو وکیل نے ہمدردی سے مجھے سمجھایا

اگر آپ خیر علی بھائی سے علیحدہ ہونا چاہیں تو ہمیں موجودہ مقدمے کے فیصلے کے بعد آپ کو اور مقدمہ کرنا ہوگا طلاق کا مقدمہ آپ بذریعہ عدالت خیر علی بھائی سے طلاق مانگیں گی اور مجھے پوری امید ہے کہ ہم وہ مقدمہ جیت جائیں گے"

یا اللہ میں نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا یعنی زبردستی کی بلکہ جھوٹی شادی کا فیصلہ تو ہونے ہی والا ہے کہ ہوچکی ہے اب میں اس کے بعد طلاق کا کیس داخل کروں۔ واہ بھئی واہ حد ہوچکی ہے وکیل صاحب۔ میرا ذہن ماؤف ہوگیا ہے اور آپ ہیں کہ عجیب وغریب مشورے دے رہے ہیں اور کسی پر بس نہ چلا تو میں پنجے جھاڑ کر وکیل کے پیچھے پڑ گئی اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مزاج کی ٹھنڈک برقرار رکھی۔

یہی ایک حل ہے اس گورکھ دھندے سے نکلنے کا اعصاب پر سکون ہوجائیں تو سنجیدگی سے غور فرمایئے گا میری رائے غلط نہیں ہے۔

یہ گورکھ دھندا نہیں ہے وکیل صاحب کوئی اور ہی دھندا ہے میرا یقین پختہ ہوگیا ہے کہ ہر شخص بکاؤ ہے۔ ہر ایک کی کوئی نہ کوئی قیمت ہے ادا کرو اور

Digitized by Google

خرید لو' میں زار قطار رونے لگی۔

درست کہہ رہی ہیں آپ وکیل تاسف سے ہاتھ مل رہا تھا اور میں روئے چلی جارہی تھی۔

☆.....☆

مقدمے کا فیصلہ ہوا اور وہی ہوا جس کا خدشہ میرے وکیل نے پہلے ہی ظاہر کردیا تھا

خیر علی بھائی کا دعویٰ عدالت میں صحیح تھا عدالت نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں اور خیر علی بھائی آپس کی رنجش کا فیصلہ اپنے گھر جا کر کریں اور باہمی تعاون سے معاملات طے کریں۔ مقدمے کے اختتام پر خیر علی بھائی بے تکلفی سے ہنستا ہوا میرے نزدیک آ گیا ''چلو بس بہت مذاق کرلیا تم نے اب گھر چلتے ہیں آئندہ کبھی مجھ سے شکایت ہو تو بے دھڑک کہنا مجھے خود تھانہ کچہری کے چکر کاٹنا پسند نہیں ہے۔''

جی چاہا کہ میں خیر علی بھائی کی آنکھیں نوچ لوں اور اس کے مسکراتے ہونٹ کاٹ کر پھینک دوں مگر میں کچھ بھی نہ کرسکی علاوہ اس پر قہر آلود نظر ڈالنے کے۔

ٹھیک ہے پرسوں آجانا میں گاڑی بھیج دوں گا سامان وغیرہ سمیٹنے میں ٹائم تو لگے گا نا تم کو.....'' خیر علی بھائی حسب عادت قہقہہ لگا تار خصت ہوگیا اور میں اپنے گھر آئی اماں مقدمے کے فیصلے سے بیحد خوش تھیں ''پہلے بتا دیتیں دردانہ ہم دھوم دھام سے تمہیں رخصت کرتے۔ نہ جانے تمہیں کیا سوجھی تھی بھلا تم نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ ہم تمہاری اور خیر علی بھائی کی شادی پر رضامند نہیں ہوں گے ذکر تو کرکے دیکھا ہوگا۔ اب خیر سے عیش کرنا اپنے میاں کے گھر میں'' اماں کی مسکراہٹ نے میرے تن بدن میں آگ لگادی۔ اماں اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کی پر آسائش زندگی میرے مالی معاملات سے منسلک ہے بھائی نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور..... میں نے سمجھوتہ کرلیا 'وہی سمجھوتہ جو تنکے اور ڈوبتے کے درمیان ہوتا ہے جی ہاں..... میں فیصلہ کرچکی تھی پھر میں نے خیر علی بھائی کے گھر جانے کی تیاری شروع کردی۔

☆.....☆

میرے 'شوہر' کی کوٹھی اپنی بانہیں وا کیے مجھے آغوش میں سمیٹنے کی منتظر تھی میری آمد پر وہاں کچھ بھی نہ ہوا نہ کسی نے گرم جوشی کا اظہار کیا اور نہ بیزاری یا نفرت کا۔ نہ ہی کسی نے یہ ظاہر کیا کہ میرے آنے سے کوئی فرق پڑا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں ان ہی میں سے ایک تھی اور ذرا دیر غیر حاضر رہ کر دوبارہ آموجود ہوئی تھی۔ خیر علی بھائی کی بیوی کلثوم نے مجھ پر اچٹتی اور نفرت بھری نگاہ ڈالی اور اپنے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ حلیے سے وہ ملازمہ لگ رہی تھی خیر علی بھائی نے تعارف کرایا تو مجھے علم ہوا کہ وہ ملازمہ نہیں بلکہ گھر کی مالکن ہے ادھیڑ عمر کی بھدی پھیلی ہوئی اور زرد کلثوم کے چہرے پر گہری یاسیت چسپاں تھی اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنے بڑے سیٹھ کی بیگم ہے۔ میلے کچیلے معمولی لباس نے اس کی معمولی شخصیت کو مزید بے رنگ بنا رکھا تھا۔ وہ روبوٹ کی مانند اپنے گھریلو کاموں میں مشغول رہی اور میں چپ چاپ اسے دیکھتی رہی ''سوکن'' کے آنے پر اس عورت کو ذرا ملال نہیں۔ میں نے حیرت سے سوچا۔

تمہارا کمرہ ادھر ہے آؤ تمہیں دکھادوں۔ خیر

Digitized by Google

علی بھائی نے مجھے کلثوم سے متعارف کرانے کے بعد اپنے ساتھ لیا اور میرے کمرے میں آ گیا۔

''آج تو تم آ گئے ہو خیر علی بھائی'' میں نے دروازہ بند کر کے اسے گھورا لیکن آئندہ ادھر کا رخ کیا تو تمہیں ایسا بنا دوں گی کہ ساری زندگی زور زور سے تالیاں پیٹتے پھرو گے'' میرے خونخوار الفاظ نے خیر علی بھائی کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ایک ٹک مجھے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' بات گہری تھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی

پھر میں نے آسان الفاظ میں اسے مطلب سمجھایا اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''نہیں!''

''ہاں'' میں غرائی ''تم نے غلیظ اور ناپاک سازش کر کے مقدمہ تو جیت لیا ہے لیکن مجھے نہیں جیت سکتے کبھی نہیں اگر تم نے کبھی مجھے ہاتھ بھی لگانے کی کوشش کی تو تمہیں ہیجڑہ بنا دوں گی' ناچتے پھرنا سڑکوں پر سرخی پاؤڈر لگا کے'' میرے ردعمل سے خیر علی بھائی پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا ''دردانہ..... ہم..... ہم دونوں میاں بیوی ہیں..... دنیا جانتی ہے'' وہ بری طرح ہکلا رہا تھا۔

''یہ دنیا نہیں ہے خیر علی بھائی جنگل ہے جنگل..... حقیقت کیا ہے تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔ میں تو برباد ہو ہی گئی ہوں مگر تمہیں بھی چین سے نہیں رہنے دوں گی۔ دنیا اگر ہمیں میاں بیوی سمجھتی ہے تو میری بلا سے..... تم ذرا سمجھ کر تو دیکھو طبیعت صاف کر کے رکھ دوں گی'' میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا استرا خیر علی بھائی کی آنکھوں کے آگے لہرایا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا

''پاگل ہو گئی ہو دردانہ.....!''

''ہاں.....'' میں نے بات کاٹ کر کہا ''اگر تم نے میرے متعلق رنگین خواب دیکھنے کا سوچا بھی تو تمہاری آنکھیں پھوڑ ڈالوں گی..... دفع ہو جاؤ اور آئندہ میرے کمرے میں قدم رکھنے کی جرات مت کرنا ورنہ.....'' میں نے ایک بار پھر استرا اس کے منہ کے آگے نچایا۔ خیر علی بھائی تیزی سے باہر نکلنے کی کوشش میں دروازے سے ٹکرا کر گر پڑا۔ میں نے زور کی ٹھوکر اس کی کمر پر رسید کی اس نے دلدوز چیخ اپنے گلے میں ہی گھونٹ لی مبادا کوئی سن نہ لے اور آ کر یہ منظر دیکھ لے۔ میں نے دوسری ٹھوکر اس کی پنڈلی پر ماری وہ لنگڑاتا ہوا اٹھا اور دروازہ کھول کر جلدی سے باہر نکل گیا۔ میں نے اطمینان سے بیڈ پر بیٹھ کر اپنی بپھری سانسیں ہموار کیں اور پھر بے فکر ہو کر سو گئی۔

☆.....☆

میں نے اپنی زندگی کے نرالے دور کا آغاز ایک نئے عزم کے ساتھ اور ایک چیلنج سمجھتے ہوئے کر دیا تھا۔ میں خیر علی بھائی کی بیوی نہیں تھی لیکن دنیا نے مجھے اس کی قانونی بیوی قرار دیتے ہوئے مجھے اس کے گھر میں مقیم ہونے پر مجبور کر دیا تھا دنیا سے کیا شکوہ کرتی میری ماں میرا بھائی میری بہن کوئی میرے ساتھ نہ تھا کسی نے میرے سچ کو تسلیم نہیں کیا تھا ممکن ہے کسی نے دل ہی دل میں تسلیم کر بھی لیا ہو گا مگر اظہار کسی جانب سے نہیں ہوا تھا اور یہ ہوتا بھی کیسے خیر علی بھائی کی نگاہ خیرہ کرنے والی دولت نے قانون کو اندھا کر دیا تھا تو میرے کم مایہ لالچی خود غرض رشتے دار بھلا کیا حیثیت رکھتے تھے دولت پر میرا ایمان مزید پختہ ہو گیا اور میں پیسے کی لامحدود

Digitized by Google

قوت کی قائل ہوگئی۔ اب میری زندگی کا مقصد کچھ اور تھا میں نے ٹھان لی تھی کہ میں خیر علی بھائی کی بیوی بن کر رہوں گی اور خیر علی بھائی سے ایسا انتقام لوں گی کہ مرنے کے بعد بھی اس کی روح کو چین نصیب نہ ہوگا اور ابتدا میں نے کردی تھی دو تین مرتبہ میرے وکیل نے مجھے اکسایا کہ میں علیحدگی کا مقدمہ خیر علی بھائی کے خلاف دائر کردوں مگر میں نے سختی سے اس کو صاف انکار کردیا۔ میں سمجھ نہ سکی کہ میرے وکیل کو واقعی میری سچائی پر یقین آ گیا تھا یا وہ محض مقدمہ بازی کے بہانے مجھ سے مزید پیسے اینٹھنا چاہتا تھا۔

خیر علی بھائی کی تین بیٹیوں میں سے ایک شادی شدہ بچوں والی تھی اور اپنے شوہر کے گھر خوش تھی۔ زینب اور حلیمہ شادی کے لائق تھیں اور ان کے رشتوں کی تلاش جاری تھی۔ خیر علی بھائی کا اکلوتا بیٹا اقبال بی اے میں پڑھ رہا تھا۔ چند ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ گھر اور گھر والوں پر بھی خیر علی بھائی کا مکمل کنٹرول تھا اس کی آنکھ کا اشارہ اس کی بیوی اور اولاد کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا نافرمانی تو بعید از قیاس رہی بحث مباحثے تک کی کسی میں جرات نہ تھی خیر علی بھائی کی بیوی کلثوم کند ذہن ان پڑھ اور کافی حد تک بے وقوف عورت تھی میں نے اس سے پوچھا ''آپ نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت کیوں دے دی؟

وہ جو چاہے کرسکتا ہے اور دوسری شادی گناہ تو ہے نہیں۔ میرے شوہر نے کرلی تو کیا ہوا؟ اس نے مجھ سے اجازت نامے پر دستخط کرائے میں نے کردیے۔ اس نے سادگی سے جواب دیا' نہ طنز نہ شکوہ اور نہ ہی مجھ سے نفرت ظاہر کی۔ ''آپ کے بیٹے اور بیٹیوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟'' میں نے کریدا۔

''وہ کیوں اعتراض کریں گے' خیر علی ان کا باپ ہے وہ خیر علی کے باپ نہیں'' اس نے فخر سے خیر علی کا نام لیا۔ مجھے وہ عورت دنیا کی انوکھی عورت لگی جو ہر حال میں شوہر کی خوشی اور خواہش کو مقدم رکھتی تھی یعنی اس کے علاوہ وہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتی تھی اور نہ ہی محسوس کرسکتی تھی یہاں تک کہ شوہر کی دوسری شادی اور دوسری بیوی کی موجودگی کے کرب سے یکسر لاتعلق تھی۔

میں اب دونوں ہاتھوں سے خیر علی کی دولت سمیٹ رہی تھی۔ میری فرمائشیں دن بہ دن بڑھ رہی تھیں اور وہ پوری کررہا تھا۔ اگر کبھی ہچکچاتا تو میں اس کی اولاد اور اس کی بیوی کی موجودگی میں مسکرا کر اس سے گزارش کرتی تھی۔

''آپ میرے کمرے میں نہیں آئیں گے آخر میں بھی آپ کی بیوی ہوں' میرا بھی حق ہے آپ پر''

وہ خوفزدہ ہوکر سہم جاتا تھا تصور میں لہراتا ہوا استرا دیکھ کر اس کی روح فنا ہوجاتی تھی اور پھر میں جو چاہتی تھی منوالیتی تھی۔ کچھ ہی عرصے بعد میری یہ دھمکی بے اثر ہونے لگی۔ خیر علی بھائی نخوت سے جواب دینے لگا'' جب میری مرضی ہوگی آجاؤں گا حکم دیتی ہے مجھے سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو''

یہ صورتحال میرے لیے تشویشناک تھی خیر علی بھائی پر میری دہشت مدہم پڑتی جارہی تھی اور وہ بغاوت کا اعلان کرچکا تھا میں نے ہار نہیں مانی تھی۔ اپنے حسن سلوک اور چالاکی کے ذریعے میں کلثوم' زینب' حلیمہ اور اقبال کو اپنا گرویدہ بنا چکی تھی ان

Digitized by Google

کے سامنے میں نے زندگی کو نئے رنگ میں پیش کیا جو ان کے لیے بالکل نیا تھا میں انہیں رفتہ رفتہ سکھا رہی تھی کہ زندگی سے کس کس طرح لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے ویڈیو کیسیٹ' ہیجان خیز موسیقی' رنگ برنگے جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اردو اور انگریزی میگزین یہ سارے لوازمات اس سے قبل خیر علی بھائی کے گھر میں کبھی نہیں آئے تھے اور میں نے ان کی بھرمار کردی تھی اور نہایت ہوشیاری سے ان کی نوعیت تبدیل کررہی تھی فلموں کے کیسٹ اب صرف فیچر فلموں کے نہیں ہوتے تھے وی سی آر صرف میرے کمرے میں تھا اور ہم بے فکر ہوکر فلمیں دیکھتے میگزین پڑھتے اور ان پر تبصرہ کرتے زینب اور حلیمہ کی آنکھیں دن بدن پھٹتی جارہی تھیں' انتہائی صیغہ راز میں رہنے والی معلومات فلموں کے ذریعے ان دونوں لڑکیوں تک میں بے دریغ پہنچا رہی تھی اور وہ میری احسانمند تھیں کہ میں نے انہیں زندگی کے وہ پہلو دکھائے جن سے شاید وہ ہمیشہ محروم ہی رہتیں۔ اس کے علاوہ بازاروں کی سیر' پکنک' شاپنگ' بیوٹی پارلرز کے دورے مگر یہ سب کچھ خیر علی بھائی کی غیر موجودگی میں ہوا کرتا تھا ہماری کوشش یہی تھی کہ اس کے کانوں میں ہماری سرگرمیوں کی بھنک بھی نہ پڑے سیدھی سادی کلثوم کو الو بنانا مشکل نہ تھا اور وہ اتنی بے وقوف بھی نہیں تھی کی تیل کی دھار کو نہ پہچانتی جوان اولاد کو روکنے میں ناکامی ہوجائے تو اپنی آنکھیں میچ لی جاتی ہیں کلثوم اسی اصول پر عمل پیرا ہوچکی تھی اور کیوں نہ ہوتی اسی میں اس کی نجات تھی۔ اپنی اولاد کی ذمہ دار وہ تھی میں نہیں میں تو ایک بے نتھا بیل بن گئی تھی روک ٹوک کا کیا سوال۔ انسان کی فطرت ہے کہ برائی کی طرف تیزی سے لپکتا ہے اور بہت جلد اس میں مہارت حاصل کرلیتا ہے گناہ کے بالمقابل ساری عمر کی پرورش دھری کی دھری رہ جاتی ہے خیر علی بھائی کے گھر میں بھی یہی ہورہا تھا اور میں خوشی سے نہال ہورہی تھی۔

رات گئے مجھے بوریت محسوس ہوئی تو میں وی سی آر پر فلم لگا کر بیٹھ گئی۔ مگر دل پھر بھی نہ بہلا' تنہائی کاٹنے کو دوڑ رہی تھی خیر علی بھائی اگرچہ مجھ سے باغی ہوگیا تھا لیکن میرے کمرے میں داخلے کی ہمت اس میں کبھی نہ پڑی..... اچانک ایک ترکیب دل میں آئی اور میں اپنی ذہانت پر عش عش کراٹھی۔ میں نے اقبال کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے نئی فلم لگائی ہے آؤ دیکھتے ہیں اکیلے دیکھنے میں مزہ نہیں آرہا۔'' میں نے اقبال کو آنکھ ماری۔ اس نے مجھے بغور دیکھا اور سوچ میں پڑ گیا۔

اب وہ مجھے نائٹی میں ملبوس دیکھ کر پہلے کی طرح شرماتا نہیں تھا بلکہ دزدیدہ نظروں سے دیکھتا رہتا تھا اور اکثر میری خوش لباسی کی داد بھی دیا کرتا تھا'' کیا سوچ رہے ہو آؤ نا'' میں نے اصرار کیا۔

''ابا سو رہے ہیں اگر اٹھ گئے تو.....''

''تو کیا ہوگا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ دی'' میں تمہارے ابا کی بیوی ہوں اور اس رشتے سے تمہاری ماں ہوئی''

''پھر بھی اگر اٹھ گئے اور انہوں نے دیکھ لیا تو بہت برا ہوگا'' وہ ہچکچا رہا تھا۔

'' کچھ بھی نہیں ہوگا اول تو وہ گہری نیند میں سو رہے ہیں اٹھیں گے ہی نہیں دوسرے یہ کہ فلم کی آواز میرے کمرے سے ان کے کمرے تک نہیں جاتی میں دروازہ بند رکھوں گی پھر انہیں پتہ کیسے چل

Digitized by Google

سکے گا اور اگر پتہ چل بھی گیا تو وہ میرے کمرے میں کب آتے ہیں تم جانتے ہو کہ میں انہیں بلاؤں بھی تو بھی وہ نہیں آتے اقبال! تمہارے ابا کا مجھ سے دل بھر گیا ہے اب وہ کسی نئی لڑکی کے چکر میں ہوں گے ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد تمہاری ایک اور ماں ہم میں شامل ہو جائے۔'' میں نے بہت دانائی کے ساتھ زہر پھیلا رہی تھی اقبال کی مزاحمت بھی دم توڑ گئی اور وہ میرے کمرے میں آ گیا۔ ہم دونوں فلم دیکھنے میں محو ہو گئے۔ اقبال باتھ روم گیا تو میں نے جلدی سے اپنا دوسرا موبائل اٹھایا اور خیر علی بھائی کا نمبر ڈائل کیا ''ہیلو.....!'' نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی ''یا اپنی بیوی کو سنبھالو یا اپنے بیٹے کو ورنہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔'' میں نے آواز بدل کر کہا۔

''کون ہو تم؟'' خیر علی بھائی ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔

''تمہارا بیٹا دردانہ کے کمرے میں رنگ رلیاں منا رہا ہے اور تم غفلت میں پڑے ہو۔'' میں نے فون بند کر دیا اور ساتھ ہی کمرے کا دروازہ صرف اتنا سا کھول دیا کہ معمولی سی جھری باقی رہ گئی۔ نتیجہ حسب توقع نکلا ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے دروازے کے پیچھے آہٹ محسوس کی۔ کوئی جھری سے جھانک رہا تھا اور وہ خیر علی بھائی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ اقبال میرے برابر بیڈ پر نیم دراز تھا اور میں نے ایک بازو اس کی گردن میں حمائل کیا ہوا تھا۔ پھر میں نے ایک ایمان شکن انگڑائی لی ''بس۔ اب بس کرتے ہیں میں تھک گئی اقبال'' میں نے ریموٹ کا بٹن دبا کر دی سی آر بند کر دیا ''اب تم جا کر سو جاؤ باقی آئندہ' سارے مزے آج ہی لوٹو گے کیا؟'' میں مسکرائی۔

''جیسے آپ کی مرضی'' اقبال اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور خیر علی بھائی غصے میں لرزتا کانپتا کمرے میں داخل ہوا وہ دروازے کے پیچھے سب کچھ سن چکا تھا۔

''کیا ہو رہا تھا یہاں..... کیا ہو رہا تھا۔'' اس نے شکن آلود بستر اور مجھے نائٹی میں ملبوس بغور دیکھا۔ میں نے ریموٹ کا بٹن دبا کر دی سی آر آن کر دیا فلم شروع ہو گئی..... ''یہ ہو رہا تھا!''

خیر علی بھائی نے ٹی وی پر چلنے والی فلم کو ایک نظر دیکھا اور دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ کر چیخا۔

''بند کرو..... بند کرو یہ خرافات۔'' میں نے ٹی وی بند کر دیا اور لاپروائی سے بستر پر لیٹ گئی۔

خیر علی بھائی بری طرح ہانپ رہا تھا اس نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا اور سنبھلتے ہی اپنا سر زور سے دیوار پر ٹکرایا میں چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہی۔

''اقبال یہاں کیا کر رہا تھا دردانہ'' اس نے دانت پیس کر مجھے گھورا' میں مسکرائی ''استرا تمہارے لیے ہے..... اقبال کے لیے نہیں۔''

وہ جنونی کیفیت میں اپنے بال نوچنے لگا اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ مجھ پر اپنا غصہ اتارتا۔

''تو..... تو ذلیل..... آوارہ..... گشتی.....'' اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا مگر اس نے اپنی آواز کو بلند نہیں ہونے دیا تھا بلند کرتا تو خود بدنام ہوتا اس کا پورا خاندان بدنام ہوتا۔

''ہاں خیر علی بھائی اب تم مجھے پکارنے کے لیے کوئی نیا نام تلاش کرو۔ سچویشن میں تمہیں بتاتی ہوں اچھی طرح غور کرو اور دھیان سے سوچو کہ..... جب میرے بطن سے اقبال کی اولاد جنم لے گی تو

Digitized by Google

تمہارا اس کے ساتھ کیا رشتہ ہوگا اور پھر تم مجھے کیا کہہ کر پکارو گے۔ دنیا کے آگے اس عجیب وغریب رشتے کی تفصیل کس طرح بیان کرو گے بہت پیچیدہ رشتہ ہوگا خیر علی بھائی!'' میں نے اپنے لہجے میں حتی الامکان خباثت بھر کر کہا۔ '' کیا نام دو گے اس رشتے کو؟''

نہیں..... نہیں۔'' خیر علی بھائی دیوار سے ٹکریں مارنے لگا ''میں تجھے قتل کردوں گا درانہ اقبال کو گولی مار دوں گا۔'' اسکی آواز ایسی نکل رہی تھی گویا کسی نے اس کا گلا کاٹ دیا ہو۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم ایسا نہیں کرسکتے یہ کارنامے غیرت مندوں کے ہوتے ہیں خیر علی بھائی..... اور تم سراپا بے غیرتی ہو..... البتہ تم خود کشی ضرور کرسکتے ہو۔'' میں سرد آواز میں غیر علی کو کچوکے لگاتی رہی۔ آخر وہ نڈھال ہوگیا۔ ''تم..... تم جہاں چاہو جاسکتی ہو درانہ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں سارے زمانے کے سامنے اپنا جرم قبول کروں گا قانون سے کہوں گا کہ مجھے سزا دے.....'' خیر علی بھائی سسک سسک کر رونے لگا۔

''نہیں.....'' میں نے اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے۔ ''اب تم مجھے بھگتو گے۔ اپنی شامت کو تم گھیر کر اپنے گھر لائے ہو..... تمہارے جرم قبول کرنے سے کیا ہوگا؟ میری اور اقبال کی اولاد جائز ہوجائے گی؟ نہیں۔ میں اس گناہ کو جنم دوں گی اور جگہ جگہ اس کا اشتہار بانٹوں گی بتاؤں گی کہ اس کا باپ کون ہے اور باپ کا باپ کون ہے؟ اور اب تو میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ تم اس حقیقت کو جھٹلا بھی نہیں سکو گے۔'' میں نے کھینچ کر اس کے بہت سے بال نوچ لیے۔

''نہیں' دردانہ نہیں..... مجھے معاف کردو تم ایسا ہرگز نہیں کرو گی کبھی نہیں کرو گی'' خیر علی بھائی آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

''ابھی تک تمہاری راز دار صرف میں ہوں میں نے ہی تمہیں فون کرکے جگایا تھا تاکہ تم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لو ورنہ شاید تم کبھی یقین نہ کرتے۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''چاہو تو اپنے بیٹے اقبال سے پوچھ لو مگر وہ کبھی اقرار نہیں کرے گا آخر مرد ہے نا عورت کو کھلونا سمجھتا ہے باپ کی طرح' کھیلتے ہوئے یہ بھی نہیں دیکھتا کہ وہ کھلونے سے کھیل رہا ہے یا رشتے سے لیکن اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب بچے کی Genetic analysis ہوگی تو میرا دعویٰ ثابت ہوجائے گا۔''

میں خوفناک آواز میں بول آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔ اور خیر علی بھائی کا رنگ پیلا پڑتا جارہا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں کسی مردے کی بے رونق آنکھوں سے مشابہ تھیں خاصی دیر بعد اس کی مری ہوئی آواز نکلی ''جھنگ ڈالو اس گناہ کو۔ پیچھا چھڑاؤ اس سے دردانہ۔''

''کاروباری آدمی ہو' سودا کرو'' میں مطلب پر آگئی خیر علی بھائی کلی طور پر میرے شکنجے میں جاچکا تھا مجھے سرعام رسوا کرنے والا میرے پیروں پر گر کر اپنی عزت اور نیک نامی کی بھیک طلب کررہا تھا ''سودا.....؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''ہاں..... تمہارے پاس چار فیکٹریاں ہیں تین میرے نام لکھ دو میں اتنی سنگدل نہیں کہ تمہیں اور تمہاری اولاد کو فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑتا چھوڑ دوں۔ آخر تمہاری اولاد سے میرے بھی کچھ رشتے

Digitized by Google

ہیں۔'' میں نے لفظ رشتے پر زور دے کر معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

''کیا.....؟'' خیر علی بھائی پریشان ہوگیا۔''

ہاں ہاں تم سب کے لیے ایک فیکٹری بہت ہے اور میں بھی کہاں بھاگی جارہی ہوں یہیں رہوں گی' تم لوگوں کے ساتھ' مجھے تم اپنی بیوی کہتے ہو تو حیران کیوں ہوگئے میرا کوئی حق نہیں ہے میاں کی جائیداد پر؟ آخر میرا مستقبل بھی تو محفوظ ہونا چاہیے۔ بوڑھے شوہر کی جوان بیوی کو اپنے مستقبل کی بہت فکر ہوتی ہے خیر علی بھائی'' اس نے سر جھکالیا

''اگر میں ایسا نہ کروں تو.....''

''نہ کرو.....'' میں نے کندھے اچکائے۔

''تم نے ہی بات نکالی تھی اگر ڈیل منظور نہیں ہے تو تمہاری مرضی۔ اقبال کا بچہ دنیا میں آئے گا اور تم اسے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرو گے مگر کسی کو یہ نہیں بتا سکو گے کہ وہ تمہارا کون ہے۔ ٹھیک ہے مت بتانا مگر میں ضرور اعلان کرتی رہوں گی۔'' خیر علی بھائی بلبلانے لگا اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے پاؤں پکڑ لیے اور دوبارہ رونے لگا۔

''نہیں' نہیں دردانہ مجھ پر رحم کرو۔ ہم برباد ہوجائیں گے یہ قصہ یہیں ختم کردو' ختم کردو۔ ضائع کردو اس گناہ کو وجود میں آنے سے پہلے۔'' وہ گڑگڑاتے ہوئے منت سماجت کررہا تھا۔

''اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔'' میں نے جھٹکے سے اپنے پاؤں چھڑا لیے ''اگر کل شام تک تین فیکٹریاں میرے نام نہیں کیں تو جو تماشہ آج تم نے دیکھا ہے کل ساری دنیا دیکھے گی۔''

وہ بے بسی سے مجھے دیکھنے لگا میں بے محابہ خیر علی بھائی کو گھور رہی تھی میری بے شرم نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے اپنی نظریں جھکالیں

''اچھا! اور اگر میں تمہاری فرمائش پوری کردوں تو پھر تم کیا کروگی۔''

''وہی جو تم چاہتے ہو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی اور آئندہ کی ضمانت بھی میں ابھی سے دیے دیتی ہوں مجھ پر بھروسہ کرو خیر علی بھائی'' میں نے رسان سے کہا ''اگر مجھے لالچ ہوتا تو میں تم سے تمہاری ساری جائیداد اور دولت مانگتی اور تم انکار نہ کرسکتے کرتے تو وہی ہوتا جو میں کہہ چکی ہوں اور جس کے لیے تم قطعی تیار نہیں ہو عزت دار ہونا.....''

میں نے حقارت سے اس کو لات ماری۔ خیر علی بھائی مجھے دیکھتا ہوا کمرے سے چلا گیا اور میں سکون سے بستر پر دراز ہوگئی۔

☆.....☆

خیر علی بھائی کی تین فیکٹریاں میرے نام ہوگئیں۔ میرا پہلا حملہ نہایت کامیاب رہا تھا لیکن یہ حملہ آخری نہیں تھا میں نے مکمل فتح تک جنگ جاری رکھنے کا تہیہ کررکھا تھا اگر میں نے سچائی پر ہوتے ہوئے عزت کا میدان چوڑا ہے میں ہار دیا تھا تو خیر علی بھائی بھی اسی میدان کا کھلاڑی تھا اور اب میری اننگ شروع ہوچکی تھی۔ میرے ہتھیار بھی وہی تھے جو خیر علی بھائی آزما چکا تھا خیر علی بھائی تین فیکٹریوں سے محروم ہونے کے بعد بارہا مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں اس کا گھر چھوڑ کر چلی جاؤں مگر ڈٹی ہوئی تھی' میں نے کہیں بھی جانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ میں اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔''

میں عدالت میں پیش ہوکر اقرار کرنے کو تیار ہوں کہ میں نے صریحاً جھوٹ کی بنیاد پر وہ مقدمہ

Digitized by Google

جیتا تھا' گواہ جھوٹے تھے' دستاویزات جعلی تھیں سب کچھ غلط تھا سچ یہ ہے کہ تم میری بیوی نہیں ہو۔ مجھے سزا ہو جائے تو ہو جائے لیکن دردانہ تم میرا گھر چھوڑ کر چلی جاؤ میں تمہارا یہ احسان کبھی بھی نہیں بھولوں گا۔'' خیر علی بھائی کی التجا میں نے بیدردی سے ٹھکرادی۔

''یہ مصیبت اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی تم نے اسکیم بنا کر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسے اپنے سر پر مسلط کیا ہے خیر علی بھائی صرف اپنی انا کو تسکین دینے کی خاطر اتنی جلدی تنگ آ گئے مجھ سے۔''

''ہاں میں تم سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھ سے بھاری معاوضہ بھی وصول کر چکی ہو میری تین فیکٹریاں تمہارے نام ہو چکی ہیں اور تم نے ان کا انتظام سنبھال لیا ہے اب کیا مسئلہ ہے تمہیں تم کہیں بھی جا سکتی ہو۔''

''میں اپنے شوہر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ میں خیر علی بھائی کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''جہنم میں گیا شوہر میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں قانون کے سامنے اپنے جرم کو قبول کرنے پر تیار ہوں سزا بھی بھگت لوں گا بس تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' وہ جھنجلا گیا۔ میں سنجیدہ ہو گئی ''نہیں اب تم میرے شوہر رہو گے مرتے دم تک۔''

''میں ابھی تمہارے جاتا ہوں اور خود کو پولیس کے حوالے کر دیتا ہوں'' خیر علی بھائی بل کھا کر رہ گیا ''اگر تم نے ایسا کیا خیر علی بھائی تو اچھا نہیں ہوگا۔'' میں نے سنگلاخ لہجے میں دھمکی دی۔

''کیا کر لو گی تم؟'' اس نے لاپروائی سے قہقہہ لگایا۔ وہ مطمئن تھا کہ پہلے والا معاملہ ختم ہو چکا ہے میں نے ڈرامہ کھیل کر اسے یقین دلا دیا تھا کہ میری کوکھ خالی ہو چکی ہے۔

''وہی جو پہلے کیا تھا' نہ تم اپنے بیٹے پر پہرے بٹھا سکتے ہو نہ مجھ پر پہلے والی کہانی دوبارہ دہرا دی جائے سمجھ گئے۔ اور اگر تم نے مجھے گھر سے نکالا تو اچھا نہیں ہوگا تمہارے جرم کو قبول کرنے نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا میں تمہارے گھر میں تمہاری بیوی بن کر رہوں گی مجھے اپنا نام دے کر تم یہ نام چھین نہیں سکتے اور اگر تم نے کوشش کی تو نتائج کے ذمے دار تم خود ہو گے اور تم دیکھ چکے ہو کہ اقبال میری مٹھی میں ہے'' میں نے خونخوار لہجے میں تقریر کی اور خیر علی بھائی دبک کر بیٹھ گیا غبارے سے ہوا نکل چکی تھی۔

''لیکن تم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا''

''کیا تھا اور وعدے پر قائم ہوں تم نے اگر اس وقت کہا ہوتا کہ فیکٹریاں دینے اور معاملہ دب جانے کے بعد تم مجھے گھر سے نکالنے کی نیت رکھتے ہو تو میں کبھی وعدہ نہ کرتی۔ بولو تم نے کہا تھا؟''

''یا الٰہی کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔'' خیر علی بھائی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا تفکر بے جا نہیں تھا وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ اس کے گھر کا سارا ماحول اور اس کی اولاد کا مزاج بدل گیا ہے اقبال اور مجھے ساتھ ساتھ دیکھنے کے بعد اس نے گھر میں دلچسپی گہری کر دی تھی اور بغور معاملات کا جائزہ لیتا رہتا تھا اس کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ اس کی غفلت اور بد نیتی اس کی بدنصیبی کا دروازہ چوپٹ کھول چکی ہے۔ میری اتالیقی نے یہ کمال بھی دکھایا کہ اس کی اولاد اس پر اعتراض کرنے لگی۔ ترکی بہ ترکی جواب دینے لگی حلیمہ نے خیر علی بھائی کو

Digitized by Google

واضح الفاظ میں سب کی موجودگی میں ''دقیانوسی'' کا خطاب دے ڈالا اور زینب نے بھی حلیمہ کی ہاں میں ہاں ملائی اقبال موجود نہ تھا ورنہ وہ بھی بہنوں کا ساتھ دیتا۔ خیر علی بھائی اپنی اولاد کے تیزی سے بگڑنے پر کڑھتا تھا جلتا تھا سلگتا تھا مگر مجبور تھا اولاد جوان تھی اور جوان اولاد باغی ہوجائے تو کسی طور قابو میں نہیں آتی۔ میری دی ہوئی ماڈرن تربیت رنگ دکھا رہی تھی اور میں خوشی سے باغ باغ ہو رہی تھی۔ حلیمہ زینب اور اقبال مجھ کو اپنا سچا ہمدرد خیر خواہ اور معتمد دوست سمجھتے تھے ذاتی اور جذباتی مسائل مجھ سے کہتے تھے اور میرے مشوروں پر اندھا دھند عمل بھی کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے میں نے انہیں دنیا میں نئے طریقے سے جینا سکھایا تھا ورنہ میری آمد سے قبل ان کی زندگی کنویں کے مینڈک سے مختلف ہرگز نہیں تھی۔ دوسرے میری سوجھ بوجھ اور ذہانت کا دسواں حصہ بھی اولاد نہ اپنی ماں میں دیکھتی تھی نہ باپ میں پاتی تھی چنانچہ صلح مشورے کے لیے میں ہی رہ جاتی تھی اس کے علاوہ یہ کہ میں نے شروع سے اپنا رویہ ان کے ساتھ ایسا رکھا تھا کہ وہ مجھے اپنے دل کے قریب سمجھتے تھے میں ہی ان کی ہمدرد تھی میں ہی انکی راز دار تھی میں ہی ان کی کھلم کھلا حمایت کرتی تھی اور میں ہی ان کی استاد تھی۔ میرے زیر نگرانی خیر علی بھائی اور اس کا گھرانہ بہت سرعت سے دلدل میں دھنستا جا رہا تھا مگر میرے انتقام کی آگ ابھی بجھی نہیں تھی۔ میں یہ طے کر کے خیر علی کے گھر آئی تھی کہ اس کو کہیں کا نہیں چھوڑوں گی۔ اس بدنیت نے میرے خواب ریزہ ریزہ کر دیئے تھے میری آنکھوں سے مستقبل کے سنہرے سپنے نوچ ڈالے تھے مجھ پر ایسی تہمت لگائی تھی کہ اگر اب وہ اپنی الزام تراشی کا جرم قبول بھی کر لیتا تب بھی میری کھوئی ہوئی عزت مجھے واپس نہیں مل سکتی تھی۔ زمانہ اس کے اقبال جرم کو مانتا یا نہ مانتا میری ذات تا عمر شبہے کی زد میں رہتی۔ مجھے کون ازدواجی حیثیت دیتا' کون سہارا دیتا' کوئی نہیں۔ مردوں کے زیر اثر معاشرہ کیا' عورت کو کس نظر سے دیکھتا ہے اس کا تلخ تجربہ مجھے اچھی طرح ہو چکا تھا۔ لیکن عورت کا ڈنک کیا ہوتا ہے کس قدر زہریلی تاثیر رکھتا ہے بیوقوف مردوں کو اس وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ ڈسے جا چکے ہوتے ہیں۔ مرد ہی عورت کو عورت سے زخمی ناگن بناتے ہیں اور انتقام ان کی نسلیں تک بھگتتی ہیں۔

☆.....☆

تین فیکٹریوں کی مالک ہونے کے بعد میرے ڈھنگ ہی بدل گئے تھے۔ میں خود مختار تھی اپنا بزنس خود دیکھتی تھی خود سنبھالتی تھی اور بھرپور آزادی کا لطف جی بھر کر اٹھا رہی تھی۔ خیر علی بھائی سے میرا اتنا تعلق تھا کہ میں اسکی بنیادوں کو دیمک بن کر چاٹ رہی تھی گھر سے نکلنے اور واپس آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ میری بڑھتی ہوئی سوشل سرگرمیاں مجھے اتنی مہلت نہیں دیتی تھیں کہ میں وقت پر کھاؤں' وقت پر سوؤں اور وقت پر لوٹ کے آؤں۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود میرے دل میں بھڑکتی بدلے کی آگ ہر لمحہ میرے اعصاب کو تپائے رکھتی تھی میں اپنی زندگی کا مقصد ہرگز نہیں بھولی تھی۔ خیر علی بھائی کو میرے روز و شب سے کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ وہ تو میری صورت سے بیزار تھا کہیں سامنا ہوتا تھا تو میں فتح مندانہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتی تھی اور وہ نفرت سے منہ پھیر کر گزر جاتا تھا

Digitized by Google

بلکہ وہ تو خوش تھا کہ اس کا گھر اور گھر والے میرے منحوس سائے سے خاصی حد تک دور ہو گئے تھے۔ میرے وجود کو برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی۔ کتنی عجیب بات تھی' اپنے بیٹے کو مجھ سے بچانے کی خاطر وہ مجھے اپنے گھر سے نکال بھی نہیں سکتا تھا۔

☆.....☆

حلیمہ کئی روز سے غائب تھی خیر علی بھائی نے بیٹی کی تلاش میں شہر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر بے سود کلثوم خاموش بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ زینب رو دھو کر تھک چکی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے لہٰذا کمرے میں بند تھی۔ اقبال باپ کے ساتھ بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔ ایک ہفتہ گزر گیا حلیمہ کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس ایک ہفتے نے خیر علی بھائی کی کمر دوہری کر دی تھی' شکل سے برسوں کا بیمار نظر آتا تھا سات دن میں اس کے چہرے کی جھریوں میں کم از کم ستر جھریوں کا اضافہ ہو چکا تھا جوان بیٹی کا معاملہ تھا بدنامی کے ڈر سے نہ پولیس میں رپورٹ کرا سکتا تھا نہ اخبار میں اشتہار دے سکتا تھا عزیز رشتے داروں سے بھی یہ "بدخبری" چھپاتا پھر رہا تھا۔ دن بھر نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا تھا اور رات کو کمرے میں بند اپنی قسمت کو روتا تھا مجھے اس پر ترس آ گیا کمرے میں اکیلا پا کر میں اس کے پاس گئی۔ "رونا دھونا بند کرو خیر علی بھائی تمہاری بیٹی زندہ ہے!" میں نے انکشاف کیا۔ خیر علی بھائی ربڑ کی گیند کی طرح اچھل پڑا۔ "کک.....کیا تمہیں کیسے معلوم؟" اس کی بیقراری دیکھ کر مجھے قرار سا آ گیا "مجھے پل پل کی خبر ہے حلیمہ کب گئی۔ کہاں گئی۔ کیوں گئی۔ میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا" خیر علی بھائی دم سادھے مجھے دیکھتا رہا۔

"حلیمہ کہاں گئی ہے دردانہ؟" اس کی آنکھوں میں لاتعداد سوال تھے۔

"ملتان".....' میں نے مختصر جواب دیا۔ "کیوں گئی ہے' کس کے پاس گئی ہے؟" جیسے جیسے خیر علی بھائی کی بے تابی بڑھ رہی تھی میری زخمی انا کو چین آ رہا تھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ کہ کس کے پاس گئی ہے لیکن یہ بتا سکتی ہوں کہ کس کے ساتھ گئی ہے۔"

"کون.....کون ہے وہ؟"

"ممتاز....." میں نے اطمینان سے کہا۔

"کون ممتاز؟" نام ایسا تھا کہ خیر علی بھائی عورت مرد کی تمیز نہ کر پایا۔ "ممتاز حسین' میری فیکٹری کا اسسٹنٹ منیجر"

"مگر کیوں گئی ہے؟ ممتاز سے اس کا کیا تعلق ہے۔" خیر علی بھائی پھٹ پڑنے کو تھا۔

"گئی اس لیے ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں رہا سوال تعلق کا تو دونوں کا وہی تعلق ہے جو عورت اور مرد کا ہوتا ہے ممکن ہے دونوں شادی کر لیں اور میاں بیوی کہلائیں۔" میں اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہی تھی۔

"پھر بھی مردوں کا کیا بھروسہ۔ کبھی عورت کو حاصل کرنے کے لیے جھوٹی شادی رچا لیتے ہیں اور کبھی سب کچھ حاصل کرنے کے بعد بھی شادی نہیں کرتے۔ آخر مرد حاکم ہے اپنی مرضی کا مالک ہے۔"

"اگر حلیمہ ممتاز کو پسند کرتی تھی تو اس نے ہم سے ذکر تو کیا ہوتا۔' خیر علی بھائی تاسف سے ہاتھ ملنے لگا "میں نے منع کیا تھا۔" میں نے سنجیدگی سے

Digitized by Google

کہا۔

''مگر کیوں.....؟'' وہ تڑپ اٹھا۔

''تمہارے بھانجے سے حلیمہ کے رشتے کی بات چل رہی ہے ایک تو تم ممتاز کا پیغام منظور نہ کرتے دوسرے یہ کہ.....'' میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''کیا.....؟ بولو نا!..... بولتی کیوں نہیں؟'' خیر علی بھائی تلملا کر اپنی ہتھیلی پر مکے مارنے لگا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو خیر علی بھائی..... حلیمہ اپنے باپ کو یا ماں کو یا بہن کو کس منہ سے بتاتی کہ ممتاز کے بچے کی ماں بننے والی ہے''

میرا جملہ قیامت بن کر خیر علی بھائی کے سر پر ٹوٹ پڑا تھا اس کی ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت باقی نہ رہی تھی سارا بدن پسینے میں ڈوب گیا تھا خیر علی بھائی صوفے پر ڈھے گیا میں نے اسے پانی پلایا۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور مجھے تکنے لگا۔ ''مگر تم کیسے جانتی ہو؟'' وہ بار بار تھوک نگل رہا تھا۔

''میں ان کے عشق کی رازدار ہوں گواہ ہوں یہ چکر تو مہینوں سے چل رہا ہے۔'' میں نے ہی ان دونوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بھاگ جائیں اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے'' میں نے فخر کا اظہار کیا خیر علی بھائی کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے مگر اس میں اتنی قوت ہی باقی نہیں بچی تھی کہ وہ اٹھ کر میرا منہ نوچ لیتا۔ ''تم اتنی گر جاؤ گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا'' وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔

''تمہیں خوش ہونا چاہیے خیر علی بھائی تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے ممتاز نے حلیمہ کے ساتھ وہی کیا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا میرا رشتہ بھی تو طے ہو چکا تھا اور تم نے مجھے ہمیشہ کے لیے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں اپنے رشتے کے بارے میں دوبارہ سوچ بھی سکوں فرق صرف اتنا ہے کہ تم مجھے زبردستی مجبور کر کے اپنے گھر لائے تھے۔ اور تمہاری بیٹی ہنسی خوشی اپنے محبوب کے ساتھ چلی گئی ہنسو خیر علی بھائی' فخر سے دنیا کو بتاؤ کہ تمہاری بیٹی باپ کے نقش قدم پر چل نکلی ہے'' ایسی اولاد خوش نصیب باپ کو میسر آتی ہے تم کتنے خوش نصیب ہو خیر علی بھائی.....'' میری زہریلی ہنسی اس کے تن بدن میں آگ لگا رہی تھی۔

خیر علی بھائی خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا اس کی بپھری ہوئی سانسیں سینے میں نہیں سما رہی تھیں پھر وہ شکست خوردہ آواز میں بڑبڑایا'' میری حلیمہ ایسی نہیں ہو سکتی مجھے یقین ہے دردانہ تو نے شیطان بن کر اس کو بہکایا ہے''

ہاں میں نے ان دونوں کو مواقع فراہم کیے جھوٹی باتیں ادھر کی ادھر لگائیں دونوں کے دل میں محبت کا بیج بویا اس کی آبیاری کی عشق کی انتہا پر میں نے ہی اکسایا تھا خیر علی بھائی اور دیکھ لو میری محنت کا پھل حلیمہ کی گود میں پل رہا ہے'' میں اپنے کارنامے جوش و خروش سے بیان کر رہی تھی مگر خیر علی بھائی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا میں نے پلٹ کر دیکھا وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں صوفے پر آڑا ترچھا پڑا تھا..... اس رات خیر علی بھائی کو دل کا دورہ پڑا۔

☆.....☆

دو ہفتے ہسپتال میں گزار کر خیر علی بھائی واپس آیا تو پہچانا نہیں جاتا تھا میں نہیں کہہ سکتی تھی کہ دل کے دورے نے اس کا عرق نکال دیا تھا یا حلیمہ کی

Digitized by Google

بے حیائی نے۔ میرا ذاتی خیال اور مشاہدہ ہے کہ دنیا کو اپنے قدموں میں جھکا دینے والے' طوفانوں سے ٹکرا جانے والے اگر روندے جاتے ہیں تو گمراہ اولاد کے پیروں تلے..... بیٹی کا صدمہ خیر علی بھائی کو لے کر بیٹھ گیا تھا اس کی کمر جھک گئی تھی چند قدم چلتا تھا اور رک کر ہانپنے لگتا تھا۔ راتیں آنکھوں میں کاٹ دیتا تھا ابھی تک حلیمہ کے بارے میں مجھے اور خیر علی بھائی کے علاوہ کسی کو کچھ خبر نہیں تھی خیر علی بھائی نے یہ راز کلثوم سے پوشیدہ رکھا تھا کیا کہتا کہنے کا مطلب اپنے ہاتھوں اپنے منہ پر کالک ملنے کے مترادف تھا حلیمہ کی گمشدگی کی اطلاع گھر تک محدود نہیں رہی تھی محلے والے' خیر علی بھائی اور کلثوم کے اہل خاندان رفتہ رفتہ سب کو معلوم ہو چکا تھا۔ زبان سے کسی نے کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کی چبھتی ہوئی سوالیہ نظریں خیر علی بھائی کو لہولہان کر دیتیں تھیں خیر علی بھائی کی زندگی مردوں سے بدتر ہو چکی تھی میرا کبھی اس سے آمنا سامنا ہوتا تو اس کے چہرے پر پھیلی کسمپرسی دیکھ کر مسرت کی لہریں میرے رگ و پے میں سرایت کر جاتیں وہ مجھے شعلہ بار آنکھوں سے گھورنے کی کوشش کرتا لیکن اس کی آنکھیں بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن گئی تھیں اور اب وہاں کسی چنگاری تک کا نام و نشان ملنا مشکل تھا اس کی بے بسی اور لاچاری میرے جذبہ انتقام کو یک گونہ سکون عطا کر رہی تھی مالی حالات بھی بگڑتے جا رہے تھے بیماری کے باعث خیر علی بھائی اپنی اکلوتی فیکٹری کی دیکھ بھال کرنے سے قاصر تھا اور یہ فرض اقبال جیسے تیسے نبھا رہا تھا ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے فیکٹری کے کارکن اسے خوب بیوقوف بنا رہے تھے اور نتیجہ یہ تھا کہ بزنس خسارے کی جانب گامزن تھا خیر علی بھائی ایسی چکی میں پس رہا تھا جس کے دو نہیں کئی پاٹ تھے اور سب سے بڑا پاٹ میں تھی وہ مجھے نفرت سے دیکھتا اور پھر شرمندگی سے گردن جھکا لیتا۔

میرے شب و روز وہی تھے فتح کی خوشی نے مجھ میں پارہ بھر دیا تھا اور مجھے شب خون مارنے میں ید طولیٰ حاصل ہو چکا تھا۔

حلیمہ کے ٹیلی فون نے خیر علی بھائی کے گھر میں صف ماتم بچھا دی۔ گھر والے اس کی گمشدگی پر صبر کر چکے تھے مگر حلیمہ سے صبر نہ ہو سکا اس نے ملتان سے فون کیا اور زینب کو بتایا کہ وہ ممتاز کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہی ہے گو کہ ابھی تک دونوں کی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تھی لیکن ممتاز ابھی تک اپنے وعدے پر قائم تھا کہ عنقریب حلیمہ سے باقاعدہ نکاح پڑھوالے گا حلیمہ نے اس غرض سے فون کیا تھا کہ ماں باپ بھائی بہن اس کی طرف سے مطمئن ہو جائیں کہ حلیمہ زندہ ہے اور اسی ملک میں ہے۔ اسے کیا پتہ تھا کہ والدین کا اطمینان و سکون اسی لمحے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتا ہے جب بیٹی گھر سے فرار کا ارادہ کر لیتی ہے۔ کلثوم نے رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں اقبال سر تھامے بیٹھا رہتا تھا اور خیر علی بھائی بے جان مجسمے کی شبیہہ پیش کر رہا تھا یہ احساس اور بھی سوہان روح تھا کہ اب حلیمہ کا فرار راز نہیں رہا تھا۔ زینب نے کسی خاص ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور کرتی بھی کیسے میں کئی ماہ سے زینب پر داؤ پیچ آزما رہی تھی اور وہ میرے داؤ پیچ میں پھنس چکی تھی۔ دشمن کے وار سے بچا جا سکتا ہے مگر دوستی اور اعتماد کے لبادے میں لپٹا خنجر ٹھیک نشانے پر لگتا ہے چوکتا کبھی نہیں۔

Digitized by Google

میں زینب کے دماغ میں گھس کر اس کو پوری طرح ذہن نشین کرا چکی تھی کہ زندگی قید نہیں نعمت ہے جو دوبارہ نہیں ملتی اور زندگی کو دیکھ بھال کر، سوچ سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق گزارنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور یہی فرق ہے انسان اور حیوان میں، لڑکی اور گائے میں غیر محسوس طور پر میں نے زینب کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ اس جیسی ذہین اور حسین لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں اور ان کا جوڑ بھی ان کے ہم پلہ ہونا بہت ضروری ہے ورنہ عمر بھر احساس کمتری سر پر سوار رہتا ہے سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے اس کی مثال میں نے اپنی دی تھی کہ میں نے وقتی طور پر جذبات کے دھارے میں بہہ کر خیر علی بھائی سے شادی کی تیاری تو کر لی تھی مگر اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی شادی سے انکار کر دیا تھا چنانچہ خیر علی بھائی نے مجھے بزور طاقت حاصل کر لیا لیکن حاصل کیا ہوا؟ زینب برسوں سے دیکھ رہی تھی کہ خیر علی بھائی میرے ساتھ کہیں جانا تو دور کی بات میرے کمرے میں بھی جھانک کر نہیں دیکھتا تھا کہنے کو ہم میاں بیوی ہیں مگر ہمارے تعلقات بہن بھائی سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ اور اس کی بنیادی وجہ ہماری بے جوڑ شادی ہے میرے وزنی دلائل کے بوجھ تلے دب کر زینب بے بس ہو چکی تھی۔

اور اب حلیمہ کا فون آنے کے بعد سے میں مسلسل زینب کو یہی جتا رہی تھی کہ حلیمہ نے دلیرانہ فیصلہ کیا ہے ماتا کہ اس نے گھر سے بھاگ کر اچھا نہیں کیا لیکن اگر حلیمہ کی جگہ کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو بھاگ جانے کے علاوہ اور راستہ ہی کون سا تھا۔ خیر علی بھائی کو اپنی ناک سے آگے کچھ نظر نہیں آتا ایمانداری سے اور غیر جانبداری سے یہ بتاؤ زینب! حلیمہ اور کیا کرتی؟ کیا تمہارا باپ حلیمہ کے انتخاب کو اپنی دامادی میں لے لیتا؟ ہرگز نہیں۔ حلیمہ کی خوش بختی پر رشک آتا ہے اس نے محبت کی بازی جیت لی۔ انسان اپنی مرضی سے زہر بھی پی لے تو اطمینان سے جان دے دیتا ہے خوش ہوتا ہے کہ اس نے جو کیا اپنی مرضی سے کیا البتہ کوئی دوسرا مرضی کے خلاف پھولوں کی چھڑی سے بھی چھو لے تو گہرا زخم لگتا ہے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ پھر میں گھما پھرا کر زینب کے منگیتر رفیق کا ذکر چھیڑ دیتی اس کی بے ہنگم شخصیت کو نشانہ بناتی نشست و برخاست کے آداب پر تنقید کرتی لباس پر اعتراض کرتی اس کی سادگی کا مذاق اڑاتی اور میری تقریر کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا۔ ”مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ تمہارے باپ نے زینب جیسا ہیرا رفیق جیسے پتھر پر توڑ دیا۔“ پانی مسلسل ٹپکتا رہے تو پہاڑ میں سوراخ کر دیتا ہے زینب تو پھر کچے ذہن کی لڑکی تھی۔

☆.....☆

خیر علی بھائی کو دل کا دوسرا دورہ اس رات پڑا جب زینب نے بیباک دل علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس نے رفیق کو یکسر مسترد کر کے اس کی دلہن بننے سے صاف انکار کر دیا اور واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اس کی طرف سے منگنی ختم سمجھی جائے۔ زینب نے منگنی کی انگوٹھی اتار کر سب کے سامنے فرش پر پھینک دی اور اسی پر بس نہیں کیا جوتیوں سے انگوٹھی کو خوب رگڑ ڈالا۔ خیر علی بھائی کلثوم اور اقبال زینب کو دیکھتے رہ گئے اقبال نے سمجھانے کی کوشش کی تو زینب نے اعلان کر دیا کہ اگر اس کے ساتھ زبردستی

Digitized by Google

کی گئی تو وہ بھی حلیمہ کی طرح گھر سے فرار ہو جائے گی اس کے آگے نہ کچھ کہنے کو تھا نہ کچھ سننے کو..... مگر سہنے کو بہت کچھ تھا۔ کلثوم کی حالت یہ تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں بے چاری چکرا کر ایسی گری کہ سر پھٹ گیا خیر علی بھائی سینے پر ہاتھ رکھے زمیں بوس ہوتا چلا گیا دونوں میاں بیوی ہاسپٹل میں داخل ہو گئے اقبال گم سم زینب کی بدلی ہوئی جون دیکھ رہا تھا حلیمہ کے تباہ کن اقدام پر خون کے گھونٹ پی رہا تھا اور ماں باپ کی تیمارداری کر رہا تھا میں بطور خاص بن ٹھن کر بھڑکیلے سولہ سنگھار کر کے بھڑکیلے لباس میں خیر علی بھائی سے ملنے گئی ایک ہی دن میں خیر علی بھائی نچڑ کر رہ گیا تھا اسے دیکھ کر خوف آتا تھا لگتا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے نکل کر ہاسپٹل کے بستر پر لیٹ گیا میں نے خوشبو سے مہکتا ہوا گلدستہ اس کے سرہانے رکھتے ہوئے جان بوجھ کر آہٹ پیدا کی اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور اس کے چہرے پر بے کسی' نفرت اور شکست کے ملے جلے تاثرات پھیلتے چلے گئے۔ وہ مجھے بغور دیکھتا رہ گیا اس کی آنکھوں میں کیا تھا میں نہیں جان سکی اس سے قبل اس قسم کے تاثرات کبھی نہیں دیکھے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا وہ آخری ہچکی لینے سے پہلے وصیت کے لیے بدن کی ساری قوت مجتمع کر کے کچھ بولنے کی کوشش کر رہا ہو میں مسکرائی اور اپنی مسکراہٹ کو مزید قاتل بناتے ہوئے میں نے خیر علی بھائی کو آنکھ ماری۔ میں اسے دہکا رہی تھی غصہ دلا رہی تھی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بدستور مجھے دیکھ کر کچھ سوچتا رہا میں نے ہینڈ بیگ سے لپ اسٹک نکال کر ہونٹوں پر پھیرنا شروع کر دی میں اسے اذیت پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی..... ''بہت..... خوش ہو دردانہ.....'' اس نے قسطوں میں فقرہ ادا کیا۔

''ہاں.....'' میں نے دوبارہ مسکرا کر اسے دیکھا۔

''تم جیت گئیں..... میں ہار گیا'' خیر علی بھائی نے نظریں چرا کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور پھپک کر رو پڑا۔ اس کے آنسو میرے انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ پر برس رہے تھے اور مجھے تسکین ہو رہی تھی۔

''اب میرے پاس ہارنے کو کچھ نہیں ہے دردانہ!'' وہ زار و قطار رو رہا تھا اور میری مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی..... ''نہیں خیر علی بھائی تمہارے پاس بہت کچھ ہے..... جب تک تم محرومی کی انتہا تک نہیں پہنچ جاتے میرے جارحانہ حملے بند نہیں ہوں گے۔''

''کیا بچا ہے؟..... کیا بچا ہے میرے پاس..... تم نے سب کچھ برباد کر دیا۔ بولو کیا باقی رہ گیا ہے؟ اس کی گلوگیر آواز میرے کانوں میں جلترنگ بجا رہی تھی۔ میں مست ہو کر جھومنے لگی' تمہاری بچی کھچی سانسیں رہی سہیں دھڑکنیں خیر علی بھائی.....'' میں نے سنگدلی سے ہنس کر کہا اور اپنی بات جاری رکھی۔ جب تک تم سسکتے ہوئے عبرت کا نشان بن کر زمین کی تہوں کے نیچے نہیں چلے جاتے مجھے سکون نصیب نہیں ہوگا۔''

میرا پیچھا چھوڑ دو خدا کے واسطے میرا پیچھا چھوڑ دو' معاف کر دو مجھے آخر میری سزا کب ختم ہوگی تم نے مجھے لوٹ لیا ہے دردانہ کچھ نہیں چھوڑا میرے پاس نہ پیسہ' نہ عزت' نہ صحت..... اب کیا چاہتی ہو؟ میرا قصور معاف کر دو اور میرے گھر سے

Digitized by Google

چلی جاؤ اور اگر تمہیں میری کوٹھی چاہیے تو وہ بھی میں تمہارے نام کرنے کو تیار ہوں ہم خود کہیں چلے جائیں گے بس تم ہم پر لعنت بھیج دو بخش دو ہمیں'' خیر علی بھائی بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بستر پر تڑپ رہا تھا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر لطف اندوز ہوتی رہی۔

''ٹھیک ہے خیر علی بھائی لیکن میری ایک شرط ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا..... کیا..... جلدی بتاؤ! مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے'' اس نے بیتابی سے پوچھا۔

''دنیا کے سامنے اقرار کرو کہ تم نے قانون کو دھوکا دیا ہے اور چالبازی سے مجھ پر اپنی بیوی کا لیبل لگایا ہے..... اس کے بعد.....''

''ہاں ہاں اس کے بعد کیا؟.....'' خیر علی بھائی نے بے صبری سے بات کاٹ دی۔

''اس کے بعد مجھے اپنی اصلی بہو بنالو۔ اقبال سے میری شادی کردو'' میں نے میزائل فائر کردیا اور خیر علی بھائی کی آنکھیں ابل کر ڈیلوں سے باہر آنے لگیں۔

''کیا.....؟'' اس کے چہرے کی رنگت زردی سے نیلاہٹ میں بدل رہی تھی۔

''ہاں میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں اور اقبال کہیں دور چلے جائیں گے تمہاری سوچ بھی ہم تک نہیں پہنچ پائے گی بولو منظور ہے؟'' میں نے ایک بار پھر خیر علی بھائی کو آنکھ ماری مگر وہ نہ دیکھ سکا۔ خیر علی بھائی کو غش آ گیا تھا۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں میں اس کی بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر جلدی سے اٹھی اور ڈاکٹر کو بلانے بھاگی۔

ہاسپٹل سے خیر علی بھائی واپس نہ آسکا ہاں اس کی میت آئی۔

تجہیز و تکفین ہو چکی تو میں نے خیر علی بھائی کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا خیر علی بھائی کی آخری خواہش پوری کردی۔

مجرم کی آخری خواہش پوری کرنے کی روایت پر میں نے نہایت فیاضی سے عمل کیا اور کیوں نہ کرتی خیر علی بھائی میرا محسن تھا اس کی عنایات نے میرے دن پھیر دیے تھے مجھ پر اتنا حق تو وہ بھی رکھتا تھا۔

☆.....☆

آج اپنے کھچڑی بالوں کو خضاب سے رنگتے ہوئے جب میں آئینہ دیکھتی ہوں اور اپنی جھرّیوں کو شمار کرتی ہوں تو بے اختیار دل سے ہوک اٹھتی ہے۔ میرے وجود پر ہمہ وقت منڈلاتا ہوا سوال میری روح میں پیوست ہو کر بار بار کچوکے لگاتا ہے کہ آخر مجھے کیا ملا؟ تنہائی کا عذاب سہتے سہتے میں بذات خود ایک مسلسل رستے ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہوں حالانکہ میرے پاس کسی آسائش کی کوئی کمی نہیں ہے بچپن سے آنکھوں میں بسا ہوا دولت مندی کا خواب برسوں پہلے تعبیر پا چکا ہے مگر میں پھر بھی تہی دست ہوں' لاوارث ہوں' اکیلی ہوں' بارہا اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کہ میرے اس اندوہناک انجام کا ذمے دار کون ہے؟

میرا نشئی باپ.....

میری لالچی ماں؟.....

خیر علی بھائی؟ میں خود..... یا قسمت..... لیکن اس سوال کا جواب مجھے نہیں ملتا۔

☆☆☆

Digitized by Google



ہمیں فخر ہے

سچی کہانیاں کے قاری نعمان احمد آرائیں جن کا تعلق کوٹری ضلع جامشورو سے ہے کہ چھوٹے بھائی شیراز احمد آرائیں نے دوران ڈیوٹی شہادت نوش کی۔ پاک آرمی کی انجینئرنگ کور کے اس سپوت پر ہمیں فخر ہے اور ہماری دعا ہے کہ ہر گھر میں شیراز احمد آرائیں شہید جیسے جانباز سپاہی پیدا ہوں۔

Digitized by Google

خصوصی مضمون

زرافشاں فرحین

شاہِ کونینؐ کے در پر



آقاؐ کے دربار میں حاضری کے پُرکیف لمحات

URDU TUBE

جب ماہ ربیع الاوّل کی آمد ہوتی ہے حدی خوانوں کے نغمے فضاؤں میں گونجتے ہیں تو دل مچلتا ہے کاش مسافرانِ عشق و وفا کا ہمسفر ہونا نصیب ہو دیارِ محبوبِ منزل ہو۔ نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں' آپ کی مقدس مجلس میں اللہ کی رحمت کے طفیل پہنچنا نصیب ہو۔ یہ سعادت نصیب ہوتی ہے بڑے نصیبوں سے' کئی سالوں سے صحت' ہمت اور مہلت سفرِ شوق میں مانع رہے مگر تمنا اور آرزو کا دامن ہاتھ سے چھوڑا منظور نہ تھا کہ اجر تو آرزو پر بھی ہے' دعائیں پھر یوں رنگ لائیں کہ شاہِ کونین کے در پر حاضری ممکن ہوئی۔ تعظیم، شوق اور محبت لیے ان کے در پر قدم ہر لحظہ رک رک سے جاتے کہ دامن میں حسرت و ندامت اور اپنے جانے انجانے گناہوں پر شرمندگی بار بار کچوکے لگاتی دل سے صدا آتی ''تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا۔'' (ترجمہ: اعراف ۷:۴۳)

اور نہ صرف رہنمائی خدا نے کی بلکہ ماں باپ سے بھی زیادہ محبت کرنے والے رب نے اپنے محبوب کے در پر پہنچنا بھی نصیب فرما دیا۔ یہ احساس فزوں تر تھا کہ جن کے دستِ محبت سے اسلام کا راستہ نصیب ہوا اس شاہِ کونین کے دربار میں جاہ و حشمت کی ناقابلِ بیان شان و منزلت میری آنکھوں کے سامنے ہے اپنے خالی ہاتھ اور خالی دامن میں محبت کے سوتے کسی سیلاب کی تند و تیز لہر کی طرح رواں ہوتے محسوس ہوئے' عشق و محبت کے اس مرکز میں رحمت و برکت' ہدایت اور انعام و اکرام کے لازوال چشمے جاری نظر آئے ۔ اس دربار کی شانِ محبوبیت کا بیان الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں مگر اس حبِ رسول کی حرارت و طمانیت

Digitized by Google

جتنی اپنے اندر جذب ہوگی اتنی ہی ہر ہر عمل سے ظاہر ہوگی۔ دربارِ رسالت میں بھی اور وہاں سے واپس آ کر عملی زندگی میں بھی۔ مدینے کی گلیاں' ہر ذرہ گویا آپ کی قصیدہ گوئی پیش کر رہا ہے اور میں زیرِ لب

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
وہ جو میرے غم میں گھلا گیا اسے میں نے دل سے بھلا دیا

مدینے میں داخل ہوئے' خوبصورت معطر گلیاں' پُر شکوہ عمارات' صاحب مقدر کی فراخی قلب کی داستان سنا رہی ہیں۔ پُر سکون ماحول میں یہ احساس کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب قریب سے قریب ہو رہے ہیں' دل کی دھڑکنیں بے ترتیب' آنکھوں میں نمی اور شوق و ذوق کو مہمیز محسوس ہوئی۔ حاضری کے اعزاز کی خوشی بھی تھی اور اپنی کم مائیگی کا فزوں تر احساس بھی۔ مکہ میں رب العزت کے جاہ و جلال کی ہیبت نے دل پر ایک الگ فسوں طاری کر رکھا تھا اور یہاں نبیٔ مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم و شفیق ہستی کی محبت جیسے کوئی ماں آغوش میں بھر لے تو بلکتے بچے کو قرار آ جائے۔ قدم رواں تھے اور سامنے اچانک روشن تابناک مسجد الحرام کے سبز گنبد اونچے مینار اپنی شان دکھاتے نظر آئے۔

راہ میں کئی چیزوں نے توجہ کھینچی جنہیں جاتے ہوئے تو نہیں واپسی میں ضرور قابل توجہ گردانا۔ قدم حرم میں داخل ہوئے' ٹھنڈک اور سکون اور اسلام کی پُر شکوہ تاریخ' گویا حال میں تابندہ نظر آئی وہ جو پاکستان میں بیٹھے امت مسلمہ کی زبوں حالی خون کے آنسو رلاتی ہے یہاں آ کر لگا وہ تو دنیا اور' اور یہ دنیا کوئی اور ہے۔ اسلام جو نبیٔ محترم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے آج بھی زندہ و تابندہ ہے اور پوری شان کے ساتھ زندہ و جاوید ہے۔ اپنے خالی دامن کو بھیگی آنکھوں کے ساتھ زیر لب درودِ ابراہیمی پڑھتے ہوئے پھیلایا۔ شعوری طور پر کلمہ شہادت ادا کیا۔

نبی محترم آپ کی امتی بڑی آس لے کر آئی ہے شہادت دیتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول' شافعِ محشر' خاتم النبیین ہیں اپنی امت کے حال پر نظرِ کرم فرمایئے۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھے تو پاکستان کے ساتھ شام و فلسطین' برما' افغانستان اور کشمیر سر فہرست یاد آئے۔ مجاہدینِ اسلام کے لیے رندھی آواز میں التجائیں کرتے کرتے خیال آیا شاہِ کونین کے دربار میں کوئی محروم نہیں رہتا یقیناً داد رسی ہوگی دل کو کچھ اطمینان ہوا تو ارد گرد نظر دوڑائی دربارِ رسالت کی شان اور اپنے جیسے ہزاروں عاشقانِ رسول کی موجودگی فطری طور پر ماحول کی توجہ کھینچتی محسوس ہوئی۔ میری جیسی ان گنت خواتین ساتھ ساتھ کھڑی تھیں۔ پاکستانی خواتین کی اکثریت اپنے لباس و گفتگو سے الگ ہی نظر آ رہی تھیں جن کی کثرت بھی تھی۔ دنیا بھر کی مسلم ممالک سے آنے والی ساری بہنیں ایک ہی صف میں بلا طبقاتی فرق کے یہاں سائل بنی مجسم دعا تھیں یہ دیکھ کر حیرت اور افسوس بھی ہوا کہ باقی ممالک کی اکثر خواتین نوجوان صحت مند ہیں مگر پاکستان اور انڈیا کی خواتین انتہائی عمر رسیدہ' نحیف اور بزرگ ہیں۔ اکثر ناخواندہ بھی جنہیں ہدایت پڑھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اور نہ ہدایات سننا گوارا..... آداب کا تقاضا ہے دھیمی چال' پُر وقار با حجاب زیرِ لب ذکر اور آنکھوں میں نمی..... مگر پاکستانی بہنیں کبھی دوڑتی کبھی ایک دوسرے کو آواز دیتی اور کبھی کہنیاں مار کر آگے نکلتے ہوئے ہرگز کسی کی بات سننے پر آمادہ نظر نہ آتیں۔ ہم نے احساس ذمے داری محسوس

Digitized by Google

کرتے ہوئے اردگرد بہنوں کو سمجھانے کی بھی کوشش کی..... اس تحریر کے ذریعے بھی درخواست ہے کہ اس مقام پر آ کر بے قراریٔ دل اپنی جگہ مگر قدموں کی دھمک شانِ رسالت کی ناموس پر آنچ نہ بننے دیں کہ یہ تقاضہ ہے دربارِ رسالت کے آداب کا' مناجات کے بعد باہر نکلے تو صحنِ حرم کے کبوتروں نے توجہ کھینچ لی۔ ہزاروں کی تعداد میں انتہائی خوبصورت کبوتر دنیا جن کے قدموں میں ڈھیر' ہزاروں لوگ صبح و شام دانہ ڈالتے ہیں مگر یہ کبوتر پرواز بھرنے کو تیار دلچسپ بات یہ کہ پرواز بلند کرتے ہیں کسی شاہین کی طرح سب مل کر رفعت و بلندی کے متلاشی کہ جس در کے غلام ہیں ان کی تربیت ہی یہ ہے کہ

کر گس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

مگر عشق و محبت کی ایسی زنجیر پیروں میں بندھی ہے کہ دوبارہ اسی دہلیز پر آ کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں نہ پرواز رکتی ہے نہ سجدہ ریزی..... میرے قدم وہیں ٹھہر گئے

کاش میں صحنِ حرم کا کبوتر ہوتی

شدّت سے خواہش پیدا ہوئی اسی دہلیز پر سجدہ ریز ہوتی مگر یہاں سے ایمان کی توانائی لے کر آنے والے قدم زمین پر بوس نہیں ہوتے' پر پھیلائے آفاق میں پھیلی رفعتوں کی تلاش میں اپنی پوری قوت لگا دینا اور کبھی اس عمل سے نہ تھکنا' نہ مایوس ہونا یہی شیوۂ مسلمانی ہے' کاش امت مسلمہ کو یہ بات سمجھ آ جائے۔ کم از کم میں نے تو اپنے لیے لازم کر لیا ہے کہ نہ تھکنا ہے نہ رکنا ہے انشاء اللہ

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اگلے دن ارادہ باندھا مدینے کی سحر خیزی کا مزا لینا ہے۔ الحمدللہ مسجد نبوی سے آنے والی تہجد کی اذان سے آنکھ کھلی تو بہت خوشگوار احساس نے آن گھیرا۔ جلدی جلدی تیار ہو کر ہوٹل کے کمرے سے نکلے۔ ایک احساسِ تفاخر سا بھی تھا کہ ہم تو تہجد بھی حرم میں جا کر ادا کرنے لگے ہیں مگر ہوٹل سے لے کر مسجد نبوی تک کا راستہ اور دلفریب مناظر ہمارے قدموں کو حیران کرتے گئے اور ہم رک رک سے جاتے' گویا آدھی رات کو بھی دن کا سماں' روشنیاں ہی روشنیاں اور سب سے بڑھ کر ایک جم غفیر جو تیز تیز قدموں سے روضۂ رسول کی طرف رواں دواں تھا۔ پورے پورے خاندان' بچے' بوڑھے' جوان ایک فیملی ساتھ ساتھ چل رہی تھی ایک شاید سال کا بچہ پرام پر ماں گھسیٹ رہی تھیں دو بچے تین چار سال کے پیچھے ماں کا عبایا تھامے مندی مندی آنکھیں بکھرے بالوں کے ساتھ اور ساتھ میں گھر کا سربراہ ان کا باپ پوری فیملی آرامدہ ٹھنڈے کمرے اور بستر چھوڑ کر تہجد کے وقت مسجد آباد کرنے جا رہی تھی' گویا اپنا نصیب جگانے جا رہے ہیں۔ انتارش اور ذوق و شوق ہم نے کبھی بھی نماز اور مسجد کے لیے نہیں دیکھا تھا بے اختیار پلکیں نم ہوئیں۔ خدایا میرے وطن کی مساجد بھی آباد کر دیں۔ بچے بچے نمازی بنا دیں۔ دعائیں کرتے حرم میں داخل ہوئے۔ پرنور مناظر منتظر تھے۔ ہر طرف نمازی ربّ کے حضور سجدہ ریز' سرگوشیاں کرتے نظر آئے۔ نماز سے فراغت کے بعد بھی رونق کم نہ ہوئی۔ فجر کے بعد اشراق تک ہر طرف قرآن کی تلاوت' تذکیر' درس و تدریس۔ ایک رنگ کی علمی مجالس کی فضا تھی جو ہمارے شوق کو بھی فزوں تر کر رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچے ماؤں کے ساتھ تھے مگر ان ماؤں کا ذوق علم دیکھ کر رشک آیا مسجد پر

Digitized by Google

ایک صاحب علم خاتون درس دے رہی تھیں۔ پاکستانی خواتین عربی زبان سے ناواقفیت کے باوجود بڑے احترام و عقیدت سے سن رہی تھیں عربی مدرسہ فارغ ہوئیں تو مسند سے اتر کر آگے چلی گئیں ہم ابھی وہیں تھے ایک چار پانچ سال کا عرب النسل خوبصورت بچہ اس مسند پر براجمان ہو گیا اور ہم اس وقت حیران رہ گئے جب اس نے انتہائی عالمانہ انداز میں کسی خطیب کی طرح وہی درس دہرانا شروع کیا جو کچھ دیر قبل عالمہ صاحبہ نے پیش کیا تھا ہم ٹھہرے پاکستانی جذباتی خاتون فوراً مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے۔ موبائل میں اس ننھے خطیب کی ویڈیو بنالی تاکہ اپنے بچوں کو جا کر دکھائیں کہ دیکھو ایسے ہوتے ہیں نیک بچے مگر..... اس نیک بچے نے جو ہمیں موبائل آن کرتے دیکھا تو انتہائی سخت انداز میں مخاطب ہوا..... نو! کیمرہ نو! وہ تیزی سے مسند سے اترا اور ہمیں شرمندہ کر کے ناراض ہوتے ہوئے گویا ہوا حرام کیمرہ..... حرام۔

کوئی ندامت سی ندامت تھی ہم زمین میں گڑ گئے۔ ہم اپنے بچوں کو کیا دیتے ہیں۔ بچپن سے کس بات کی سمجھ..... کس بات کا شعور..... جب بڑے ہو کر وہ نماز نہیں پڑھتے تو ہم انہیں مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ بچے تو یہ ہیں نیک ماؤں کے نیک سپوت جیسی روح ویسے فرشتے۔ آج سمجھ میں آیا۔ ہمارے بچوں کے ساتھ مساجد میں ہمارے رویے کیسے ہیں؟ بچے کیوں مسجد سے دور بھاگتے ہیں؟ ماؤں نے اپنے بچوں کے ہاتھوں میں کیا دیا ہے؟ اور مستقبل میں یہ نسل ہمیں کیا دے گی۔ ایک لمحۂ فکریہ ہے ہمارے لیے۔

قدم صحنِ حرم سے نکلے تو بیشمار دیدہ زیب اشیاء بازار اور اس کی خوبصورتی بار بار متوجہ کرتی ہے ہم بھی چھوٹے چھوٹے تحفے خریدتے آگے بڑھتے رہے ایک دکان پر تلاوت قرآن کی پرسوز آواز دل کو یا درک سا گیا..... اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیا کی زیب و زینت کی طرف' آیت کا ترجمہ سمجھ میں آ رہا تھا شرمساری سے قدم زمین میں گڑ گئے۔ یہ دنیا کی ترغیبات اور لذتیں ہی تو ہیں جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان حائل ہیں ابھی شاہ کونین کے دربار میں گناہوں کا اعتراف کیا' دنیا سے بے نیازی مانگی اور باہر آتے ہی دنیا کی رنگینیوں میں گم..... استغفار کا ورد کرتے قدم بڑھائے..... کچھ دور ہی چلے تھے کہ اردو میں با حجاب برقعہ پوش خاتون کا اٹھا ہوا ہاتھ اور سوال حیران کر گیا۔ باجی جی کچھ مدد فرمایئے۔ اف یہاں بھی ہم پاکستانی گداگری کے پیشے پر شرمسار نہیں ہوتے جہاں ساری دنیا رب کے آگے دامن پھیلاتی ہے ہماری قوم یہاں بھی لوگوں کے سامنے سوالی ہے۔ شرمندگی کے مارے ساتھ چلتی انڈونیشیا کی بہن سے نظر چرائی اور گویا چھپ چھپا کر نکل آئے مگر ساتھ ہی یاد آ رہا تھا خانہ کعبہ میں بھی ایک پاکستانی صاحب احرام باندھے دو دفعہ ہمیں ٹکرائے تھے یہ کہتے ہوئے کہ باجی پرس گم ہو گیا ہے بہت پریشان ہوں..... کوئی حال نہیں ہمارا کف افسوس ملتے ذرا تیزی سے آگے ہوئے تو انتہائی بزرگ پاکستانی خاتون شاید اسی پچاسی کی تو ہوں گی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی نظر آئیں۔ ہم نے اللہ سے دعا کی یا اللہ اتنی ہی عمر دینا کہ محتاجی نہ ہو..... وہ بار بار رکتیں اور پھر پیر پکڑ کر چلتیں بلاشبہ یہ عبادت مشقت کی عبادت ہے صحت و جوانی بڑی نعمت ہے یہ بات یہاں آ کر

Digitized by Google

سمجھ آتی ہے ہم خود بہت تھکن اور درد محسوس کر رہے تھے اور روز دوائیں لیتے رہے خاتون سے گفتگو ہوئی تو اندازہ ہوا وہ بہت عقیدت سے کئی سال سے رقم جمع کر کے آج اس سعادت سے سرفراز ہوئی ہیں یہ رقم انہوں نے گھروں میں صفائی وغیرہ کے کام کر کے جمع کی اور اپنے کسی نواسے کے ساتھ آئی تھیں میں ان کی عقیدت و محبت پر رشک کرتی آگے بڑھی اور دعا کرتی رہی پروردگار امت مسلمہ گنہ گار صحیح مگر اپنے نبی مہربان کی محبت سے سرشار ہے اور اے اللہ تو ہر اٹھنے والے قدموں کو جو اس راہ میں خاک آلود ہوں' تھکن محسوس کریں اور اس در پر آس و امید کے ساتھ کھڑے ہوں نا امید نہ کرنا..... حرم کی جاہ وحشمت اسلام کی شان وشوکت کی آئینہ دار ہے۔ اتنا عظیم' شان وشوکت والا دین آج دنیا بھر کی سازشوں کا شکار ہے اور امت نے اسی عظیم دین اسلام اور انہی بے مثل ہدایات وتعلیمات سے ماضی میں بھی عروج حاصل کیا تھا جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی تھیں اور آج بھی امت اسی شریعتِ مطہرہ سے ہی اپنا کھویا ہوا عروج حاصل کر سکتی ہے۔ بس اللہ سبحانہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس کا شعور و سمجھ عطا فرما دیں (آمین)

ابھی کچھ دن سعادت کے باقی ہیں' دعاؤں کا ایک پہاڑ ہے اور امید واثق بھی ہے کہ سننے والی ذات' عطا کرنے والے ہاتھ اس احقر پر ایک نظر کرم بھی عنایت کر دے تو کافی ہے۔ ربّ کے حضور ایک بار پھر پلٹتا ہے کہ یہی صحنِ حرم کی صدا ہے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

نعت رسول مقبولؐ

نفیس فتح پوری

زہے قسمت ہم ان کے آستاں پر سر جھکاتے ہیں
ملک جن کی حضوری میں مؤدب ہو کے جاتے ہیں
محمد مصطفیٰؐ کا پرتو انوار کیا کہنا
اسی پرتو سے مہر و ماہ و انجم جگمگاتے ہیں
درود اپنی زباں میں پڑھتے ہیں یہ نازنیں غنچے
چٹک کر شاخ گل پر صبح دم جب مسکراتے ہیں
شب اسرا فرشتے کہتے تھے آپس میں خوش ہو کر
مبارک ہو محمدؐ مصطفیٰ تشریف لاتے ہیں
بلندی اس کے رتبوں کی ہے بالا فہم انساں سے
علیؑ ہو کر علیؑ جس آستاں پر سر جھکاتے ہیں
بلال و بوذر و سلماں سے پوچھو تو نام ان کا
عنایت سے جو مشت خاک کو انساں بناتے ہیں
دلِ اہل خرد کیسے نہ قرباں ہو محمدؐ پر
جہاں بھی شمع روشن ہو وہیں پروانے آتے ہیں
جمالِ مصطفیٰؐ سے حسنِ یوسفؑ کو ہے کیا نسبت
مقابل ماہ کامل کے ستارے جھلملاتے ہیں
یہ میری خود فراموشی، یہ ان کی یاد کے لمحے
یہی لمحے تو قلب مضطرب کو راس آتے ہیں
ملا ہے در سے ان کے مدعا ان خوش نصیبوں کو
جو ان کے در پہ دستِ آرزو پھیلائے جاتے ہیں

Digitized by Google

افسانہ

غزالہ عزیز (ام ایمان)

وطن واپسی



وطن سے دوری کا دکھ سب سے بڑا دکھ ہوتا ہے خاص طور پر

جب آپ کے پیارے وہاں بے گور و کفن پڑے ہوں.....

برفباری اچانک شروع ہوئی۔ آسمان سے برستے یہ پھول سب طرف سفید چادر بچھائے چلے جارہے تھے سردی زیادہ نہ تھی لیکن ہمت خان سفید پھول برسنے لگے۔ ہلکے پھلکے لیکن تسلسل سے



Digitized by Google

جانتا تھا کہ جلد ہی یہ سردی بہت زیادہ ہو جائے گی اسے اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ مہاجر کیمپ سے نکلے دس دن ہو گئے۔ ان دس دنوں میں اس نے ایک لمبا سفر طے کیا تھا فاصلہ زیادہ تھا لیکن اس قدر بھی نہیں کہ دس دن لگ جاتے۔ پہلے کبھی یہ سفر چار دن کا بھی نہیں ہوتا تھا۔

اتنا وقت سفر میں لگنے کا سبب جگہ جگہ فوجی چوکیاں تھیں اگرچہ حکومت کی طرف سے افغانستان واپس آنے والوں کو خوش آمدید کہا جا رہا تھا لیکن عملی طور پر معاملہ الٹ تھا۔ آنے والوں کی ایک طرح سے حوصلہ شکنی کی جا رہی تھی۔ اوّل دستاویزات کی پڑتال کے بہانے چوکیوں پر کافی دیر روک لیا جاتا پھر کچھ دے دلا کر معاملہ طے کرنا پڑتا پھر یہ بھی صاف صاف جتا دیا تھا کہ حالات اب بھی ٹھیک نہیں..... آپ اپنے گاؤں جانا چاہیں تو اپنی ذمے داری پر جائیں۔

یہ باتیں ہمت خان کے لیے نئی نہیں تھیں کیمپ میں رہتے لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے ہمت خان کبھی ایسی باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا اس کو یقین تھا کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب وہ اپنے گاؤں جائے گا۔ ہمیشہ وہاں رہنے کے لیے

بس اس سامنے والے پہاڑ کو عبور کرتے ہی ہم اپنے گاؤں کو دیکھ سکیں گے۔ ہمت خان نے اپنے بیٹے شہروز خان سے کہا شہروز خان نے سر ہلایا اس کے ماتھے پر پریشانی کی لکیریں تھیں لیکن وہ اپنے بابا کے لیے اپنے چہرے پر بشاشت لانا چاہتا تھا۔

خچروں پر سامان لدا تھا برف کی چادر بچھتے ہی سب کے قدموں کے نشان اس پر واضح ہونے لگے لیکن کچھ ہی دیر میں مزید پڑنے والی برف انہیں ڈھانک لیتی۔

چوٹی تک پہنچتے پہنچتے موسم پھر بدلا اب برف کے پھولوں کی برسات رک گئی تھی اور سورج کی سنہری کرنیں برف پر پڑنے کے بعد روپہلی نظر آ رہی تھیں۔

اونچائی سے دور تک نظر آ رہا تھا۔ ہمت خان نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سب طرف نظر ڈالی ایک سا منظر تھا کہیں کسی گاؤں کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے ہاں البتہ ایک طرف ٹوٹی ہوئی دیواروں اور چھتوں کا ملبہ سا تھا ورنہ سب طرف تباہی اور ویرانی تھی گہرے گڑھے جو بمباری کے باعث بنے تھے کہیں تباہ ہوئی فوجی گاڑیوں کے ٹکڑے جلے ہوئے درخت..... سبزے کا ایک احساس سا تھا کہیں کہیں سبز رنگ کی صورت میں کچھ درخت بھی تھے جو اپنی سخت جانی کے باعث بچ گئے تھے۔

ہمت خان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ اس کا گاؤں اس کی زمین اس کا گھر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اس کا برسوں کا خواب پورا ہونے میں دیر کتنی تھی۔ بس پہاڑ کی ڈھلان عبور کرتے ہی وہ اپنے گاؤں میں ہوں گے۔

اتنا سا فاصلہ تو وہ بچپن میں قلانچیں بھرتے طے کر لیا کرتا تھا یہ فاصلہ بھی بھلا کوئی فاصلہ ہے بس کچھ دیر ہو گی وہ ہو گا اور اس کا گاؤں۔ اس کا گھر جہاں وہ پچاس سال تک رہا تھا اپنی شریمنہ کے ساتھ..... بیاہ کر آئی تھی تو ایسی جیسے انارکلی..... سارے گاؤں میں دھوم تھی۔ ہمت خان کی بیوی کو دیکھنے کے لیے گاؤں کی ہر عورت آئی تھی۔ صبح سے شام تک عورتوں اور لڑکیوں سے گھر بھرا رہا تھا لڈوؤں کے تھال کے تھال ختم ہو رہے تھے مہمانوں کی خاطر داری میں۔

بے ساختہ مسکراہٹ ہمت خان کے چہرے پر

Digitized by Google

آئی تو شہروز حیران سا ہو گیا۔

گاؤں کی تباہی دیکھ کر بابا مسکرا رہے ہیں لیکن اسے کیا پتہ کہ اس کے باپ کی آنکھیں کیا دیکھ رہی تھیں۔

شمر خان' ہادی خان' پھر لالہ جان۔ معصوم پھولوں کے اس گلشن کے حسین اور نوخیز جو شہروز اور شمروز کے بعد پیدا ہوئے تھے گھر کی رونق تھے ان کی شرارتوں پر شرمینہ انہیں ڈانٹتی تو ہمت خان منع کرتا۔

یارا! یہ میرے گھر کی رونق ہیں دیکھو شہروز اور شمروز بڑے ہو گئے ہیں یہ ابھی معصوم ہیں ان کو کھیلنے دو۔

مرغی کے چوزوں کے پیچھے بھاگتے شمر ہادی اور لالہ پورے صحن میں دوڑتے پھرتے شرمینہ انہیں باہر باغیچے میں بھیج دیتی

'جاؤ باہر جاؤ اور جب تک صحن کی صفائی نہ ہو اندر نہ آنا'

ہمت خان کی آنکھوں کے سامنے اس دن کا منظر گھوم گیا جب شرمینہ انہیں باہر بھیج رہی تھی لیکن لالہ نے گڑ کے لڈو کی ضد کی شرمینہ کے پیچھے پیچھے تینوں کمرے میں داخل ہو گئے لڈو جو لینے تھے ہمت خان نے گھر کے دروازے کے اندر جانے کے لیے قدم بڑھایا ہی تھا کہ زور کا دھماکہ ہوا بم عین گھر کی چھت پر گرا تھا۔ دھول مٹی کا ایک غبار تھا جس نے ہر چیز کو چھپا لیا تھا ہمت خان لپکا۔

میرے بچے میرے معصوم پھول میری شرمینہ چھوٹے سے گاؤں کی ہر گلی کا یہی عالم تھا کتنے گھر تباہ ہوئے کتنے کے گھر والے بچوں سمیت چھتوں کے نیچے دفن ہو گئے لوگ جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔ فوج گاؤں میں داخل ہونے والی ہے جو زندہ بچ گئے ہیں ان کی زندگی بچاؤ.....کوئی زور سے چیختا ہوا گزرا۔

ہمت خان کو بڑے بیٹوں شمروز اور شہروز کا دھیان آنا۔

پھر دھماکہ..... پھر دھماکہ بمباری تسلسل سے ہونے لگی۔ ہمت خان بھاگا گاؤں سے باہر کی طرف.....گلی عبور کرتے ہی اسے شمروز اور شہروز نظر آ گئے۔

لیکن پھر دوبارہ گاؤں میں داخل ہونا نصیب نہیں ہوا وہ بیٹوں کے ساتھ پاکستان ہجرت کر گیا مہاجر کیمپ میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ سالوں گزار دیے یہیں ان دونوں کی شادیاں کیں۔

بہوویں اس کے چچازاد بھائی کی بیٹیاں تھیں زرگل جو گاؤں سے زخمی حالت میں صرف دو بیٹیوں کو بچا کر لا سکا تھا اس کی ایک ٹانگ کاٹنی پڑی تھی اس کے لیے دو بچیوں کے ساتھ معذوری کی زندگی ایک عذاب تھی۔

کیمپ میں ہمت خان جب اس سے ملنے گیا تو اس کا دکھ جان گیا اس نے ہاجرہ اور زرمینہ کو اپنے بیٹوں کے لیے مانگ لیا اس کو وہ خوشی یاد آ گئی جو اس نے زرگل کی آنکھوں میں دیکھی تھی ہاجرہ اور زرمینہ دونوں اچھی بہوویں تھیں ہمت خان کا باپ کی طرح خیال رکھتیں بیٹیوں کی شادی کے دو ماہ بعد ہی زرگل کا انتقال ہو گیا تھا اب ان کے لیے تو بس ہمت خان ہی باپ تھا۔

ہمت خان نے پیچھے مڑ کر دیکھا عورتیں اور بھی تھیں جو واپس گاؤں جانا چاہتی تھیں ان کے بچے اور ہمت خان کے پوتے پوتیاں ایک چھوٹا سا قافلہ تھا۔

ہمت خان مسکرایا بس اب گاؤں دوبارہ بس جائے گا۔

گاؤں کے گھر ان سے اٹھتی دھویں کی لکیر

Digitized by Google

کھیتوں کے سبز جا بجا ٹکڑے..... پھلدار درخت' لکڑی کی جالیوں پر چڑھی انگور کی بل کھاتی بیلیں تصور کی آنکھ نہ جانے کیا کیا دیکھ رہی تھی۔

شمروز اور شہروز باپ کے مسکراتے چہرے کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے وہ' وہ کچھ کہاں دیکھ سکتے تھے جو ہمت خان دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا متعجب تھے۔ لیکن باادب خاموشی کھڑے تھے باپ کے حکم کے انتظار میں۔

ہم سورج ڈھلنے سے قبل اپنے گاؤں کو چھو لیں گے۔

اوخاناں کہاں جاتے ہو؟؟

پانچ افغان طالبان نہ جانے کس جانب سے آئے تھے رائفلیں تھامے..... بھاری ہتھیاریوں اٹھائے تھے جیسے کھلونے ہوں۔

ہمت خان نے انہیں پلٹ کر غور سے دیکھا۔

ہم اپنے گاؤں جا رہے ہیں۔

کون سے گاؤں؟

وہ سامنے.....وہاں.....وہ دیکھو۔

سپاہی جو آگے تھا طنزیہ مسکرایا۔

اویارا وہاں اب کوئی گاؤں نہیں.....بس تباہی ہے.....تباہی۔

یہ دیکھو.....ان پانچوں نے ایک ایک بڑا پتھر ڈھلوان پر لڑھکا دیا۔ پانچ پتھروں کے جواب میں تین دھماکے ہوئے۔ یہ بارودی سرنگیں تھیں جو غاصب فوجیوں نے جاتے وقت بچھائی تھیں۔

دیکھو ابھی سورج نہیں ڈھلا واپس نکل جاؤ۔ گاؤں کو جب بسنا ہوگا بس جائے گا تم اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالو۔

ہمت خان کا ہنستا مسکراتا چہرہ بجھ گیا تھا۔

امید اور خوشی کی چمک غائب ہوگئی تھی۔

آنکھوں کو نظر آتا خوش کن منظر تحلیل ہوگیا تھا۔

پھر واپس وہی کیمپ کی زندگی..... یہ میدان کوہستان وادی اور پہاڑ کیسی وسعت ہے.....کتنی فراخی ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ وطن کی فضاء کیسی معطر ہے پھر واپسی.....؟

ہمت خان نے رات یہاں گزارنے پر بیٹیوں کو آمادہ کرلیا وہ اپنے باپ کی خواہش کو حکم سمجھ کر وہیں کوئی مناسب جگہ دیکھنے لگے تاکہ خیمے گاڑ سکیں ہوا اور ٹھنڈک تھی رات میں برف بھی گر سکتی ہے ان کے پاس خیمے' کمبل اور راشن موجود تھا۔

عورتوں نے کھانے کی تیاری کی اور مردوں نے خیمے لگا دیے۔

رات ہوتے ہوتے سردی کی شدت بڑھ گئی تھی سب کمبلوں میں گھس گئے تھے۔

ہمت خان کو نیند نہیں آ رہی تھی کروٹیں بدلتے ہوئے آخر وہ اٹھ بیٹھا خیمے سے نکل کر دیکھا چاند پورا نکلا ہوا تھا روپہلی روشنی میں ہر چیز نہائی ہوئی تھی۔

گھنٹے آدھ گھنٹے کا فاصلہ ہے گاؤں کا.....کیا پھر دوبارہ اس سے دور بہت دور چلا جاؤں گا سب سو رہے ہیں میں ان کے جاگنے تک واپس آ جاؤں گا۔ زندگی رہی تو بچ کر.....ایک عزم کے ساتھ اس نے اپنا مضبوط عصا اٹھایا اور بے آواز نیچے کی طرف چلتا گیا۔

اس کے کان کسی دھماکے کے منتظر تھے۔ ہر آہٹ پر وہ چونکتا.....آہستہ بھی تیز پوری احتیاط سے چلتا گیا ہونٹوں پر تسبیح کا ورد کرتا وہ ہر جانب غور سے دیکھ رہا تھا۔

چاند کی روشنی میں وہ گاؤں تک پہنچ گیا جلدی جلدی اب اس کے قدم تیز اٹھ رہے تھے۔

Digitized by Google

گھر کے گرے ہوئے در و دیوار کے قریب آ کر وہ ٹھٹک گیا۔ وہ کونے والا کمرہ تھا۔ شرینہ اور بچے اب تک یہاں بے کفن پڑے ہیں۔

اس کے ہاتھوں میں نہ جانے کیسے طاقت آ گئی پتھروں کو ہٹایا چھت کے شہتیر کھسکائے..... لیکن چاند کی روشنی میں اتنا نظر نہیں آ رہا تھا۔ چلو صبح کا انتظار کر لیتا ہوں۔

آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا دونوں بیٹے اس کے پیچھے آ گئے تھے برف پر اس کے قدموں اور عصا کے نشانات کو دیکھتے دیکھتے.....

ہمت خان نے بیٹوں کو دیکھا اور ایک اطمینان کا سانس لیا۔

کچھ دیر میں پو پھٹ گئی تینوں نے تیمم کر کے باپ کی امامت میں فجر کی نماز ادا کی۔

ہمت خان نے اشارہ کیا تینوں نے مل کر شہتیر ہٹائے کچھ بڑی اور چھوٹی انسانی ہڈیاں نظر آنے لگیں..... ہمت خان نے اپنی چادر بچھا کر انہیں سمیٹ لیا۔ اجڑے ہوئے باغیچے میں ایک گڑھا شہروز نے دیکھ لیا تھا کسی بم کے نتیجے میں ہی ہوا ہوگا۔

چادر میں لپٹی ہڈیوں کو ہمت خان نے بڑی احتیاط سے بڑے پیار سے گڑھے میں اتار دیا۔

دونوں بیٹوں نے مٹی ڈالنی شروع کی تو ہمت خان بھی آگے بڑھا۔ مٹی کو ہاتھوں سے یوں تھپتھپانے لگا گویا رخصتی کے لیے دلاسہ دے رہا ہو۔

دیکھو! اب نہ گھبرانا ہم پھر آئیں گے تمہارے آس پاس رہیں گے گاؤں کو آباد کریں گے۔

ہمت خان نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے دونوں بیٹوں نے بھی اس کے ساتھ فاتحہ پڑھی اور واپسی کے اپنے قدم بڑھا دیے۔

نشانات پر چلتے واپس آئے تو خیمے میں عورتیں اٹھ گئی تھیں۔ روٹی کی خوشبو پھیلی تھی۔ سبز قہوہ اور گڑ کے ٹکڑے..... حریدار ناشتا تیار تھا۔

ہمت خان گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر قہوے کی پیالی کی چسکیاں لے رہا تھا ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ گاؤں نہ سہی گاؤں کے قریب تو جایا جا سکتا ہے یہ اپنی زمین ہے۔ میری نسل اپنی زمین اپنے پہاڑوں پر پروان چڑھے..... پھر جب بارودی سرنگیں صاف کر لی جائیں تو ہم اپنے گاؤں چلے جائیں۔ وہ مسکرایا۔

ہمت خان کا چہرہ مستقبل کے حسین خوابوں کی روشنی سے چمکنے لگا۔ مسکراہٹ اس کے چہرے کی سلوٹ پر جھری میں جگہ بنانے لگی۔

شہروز کی آنکھ سردی سے کھلی تھی آگ کا وہ چھوٹا سا الاؤ جو رات کو سلگایا تھا بجھ چکا تھا۔

اس نے اٹھ کر باپ کے اوپر کمبل کو ٹھیک کیا 'بابا کوئی بہت اچھا خواب دیکھ رہے ہیں۔'

شہروز نے باپ کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ دیکھ کر سوچا اچھی طرح کمبل اڑھاتے ہوئے اس نے پیار سے باپ کا ہاتھ اندر کیا۔

انتہائی سرد ہاتھ تھا۔

اس نے گھبرا کر باپ کو پکارا..... بابا..... بابا!!

لیکن اس کی پکار کے جواب میں خاموشی تھی..... مکمل خاموشی۔ نہ جسم میں کوئی حرکت تھی۔

شہروز نے گھبرا کر بھائی کو آواز دی۔

رات کے نہ جانے کس لمحے وہ رخصت ہو کر گاؤں کی جانب اتر گئے تھے ہمیشہ کے لیے..... یہ تو خالی جسم تھا..... گاؤں کی جانب چہرہ کیے ادھ کھلی آنکھوں سے وہ کوئی بہت ہی پیارا خواب دیکھ رہے تھے جب ہی تو اتنی پیاری مسکراہٹ چہرے پر منجمد ہو گئی تھی۔ ☆☆

Digitized by Google

عامل کامل

کالے جادو کی بھیانک دنیا میں ایک خدا رسیدہ عامل کی داستان.....

کالی دنیا' جادو' جنات' ٹونے ٹوٹکوں' سیاہ دل لوگوں کی کالی دنیا سے جہاں دوشیزاؤں کو جادو کی بھینٹ چڑھانا' شیطان کو خوش کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا اس دنیا میں ایک دین دار اور ایمان والے نے کس طرح ٹکر لی اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں پیش آنے والے دلچسپ عبرت ناک' سبق آموز واقعات.....

URDU TUBE
www.urdutubes.com

دین وایمان کی کشمکش کی سچی داستان

پیر شاہ محمد قادری

کے جادوگر قلم سے سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے جلد سچی کہانیاں کے صفحات پر.....

فوری طور پر اپنا شمارہ بک کروالیجیے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غیر معمولی داستان کی قسط آپ سے مس ہو جائے۔

Digitized by Google

سلسلہ وار ناول

ڈاکٹر سمین رخ

بادِ سموم



قسط 4

چولستان کے صحرا سے شروع ہونے والی ٹھنڈی اور میٹھی محبت اور لمحہ بدلتی داستانِ حیات جو پڑھنے والوں کو اپنے سحر میں جکڑ لے گی!

URDU TUBE

اس دن مومل کا دل گھبرا رہا تھا جب سے مزدور وہاں آ کر بسے تھے اس کا ندی تک جانا بھی بند ہو کر رہ گیا تھا اسے قید تنہائی میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ دلاور خان شام ڈھلتے ہی کمرے میں آ کر رنگین بستر پر دراز ہو گیا۔

کچھ معلوم ہے تجھے یہاں آئے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ اس نے سوچوں میں گم مومل کو اپنی بھاری آواز سے چونکا دیا۔

نہیں..... مومل نے اپنے دامن میں سر چھپایا۔ مجھے گننا نہیں آتا۔

دلاور خان نے اپنی مونچھوں کو بل دیا 'شاید پانچ مہینے اور دس دن'

مومل کی سیاہ آنکھوں میں حیرانی تھی۔

'اتنے سارے دن.....' لہجہ غیر یقینی تھا۔ دلاور خان مسکرانے لگا۔

'کیوں یقین نہیں آ رہا'

'نہیں.....' وہ بے چینی سے دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

جھلمل کرتی آنکھیں بے شمار سوچوں کے بوجھ سے جھکی چلی جا رہی تھیں۔

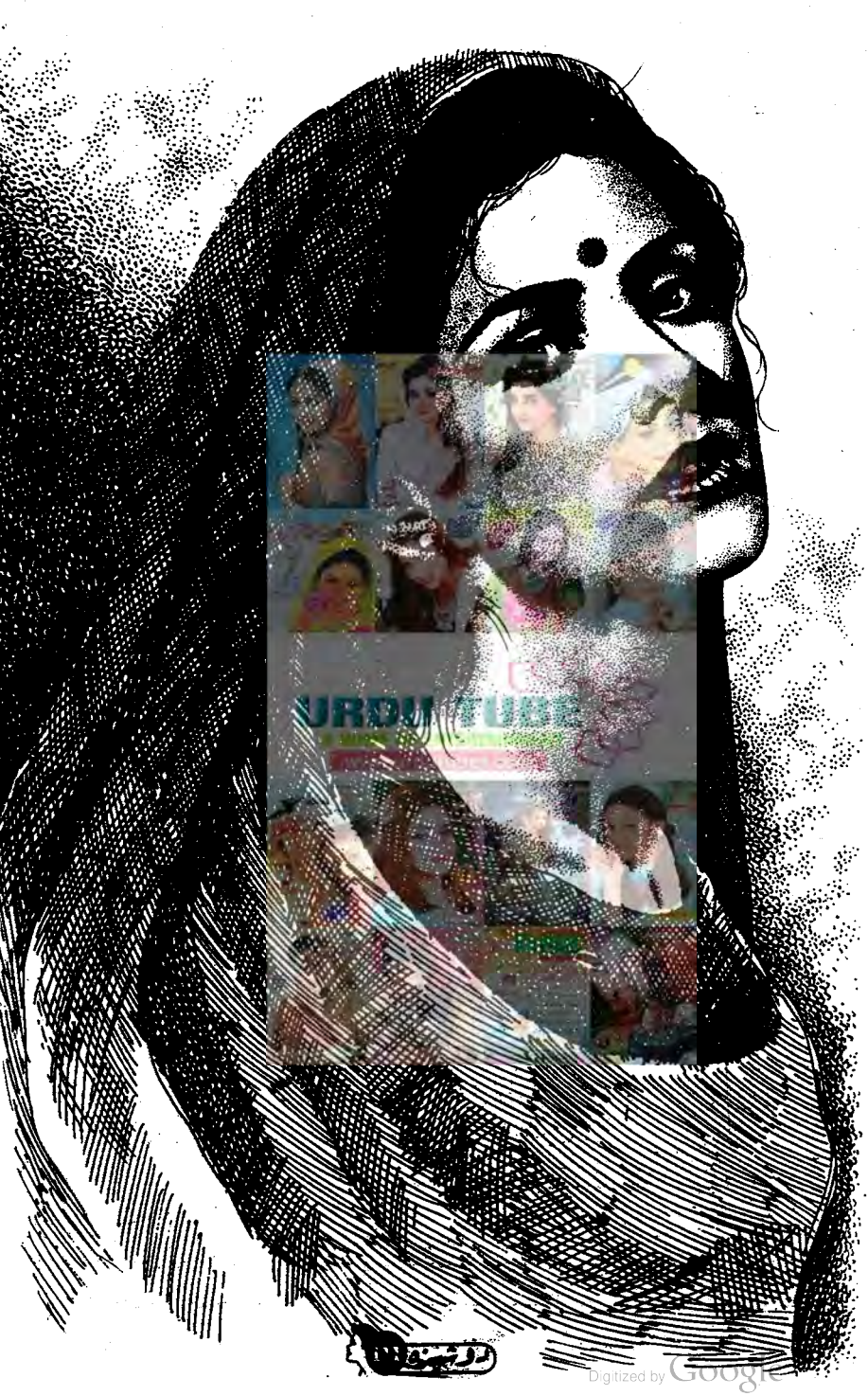
'میرا دل گھبرانے لگا ہے' آواز گو بہت دھیمی تھی لیکن دلاور خان تک پہنچ گئی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' لہجہ تند تھا۔

'اتنے سارے دن گزر گئے اور مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس چار دیواری کے اس پار کیا ہے۔ کیسا ہے؟'

دلاور خان چند لمحوں تک اسے تکتا رہا اور پھر اپنا غصہ دباتے ہوئے بولا ''لگتا ہے تیرے پر مجھے ابھی سے

Digitized by Google



Digitized by Google

کاٹنے پڑیں گے۔ دلاور خان کی عورتیں گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالا کرتیں سمجھیں؟ اس کی ترش آواز بلند ہوگئی۔

مومل سر جھکائے اپنے کنگنوں کو چھوتے ہوئے آنسوؤں کا طوفان سینے میں دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

اور تو کیا..... ہر وقت یہ چاندی کا زیور پہنے رہتی ہے غریبنی بنی رہتی ہے میں نے تجھے اس روز جو زیورات سے لدا تھیلا تھمایا تھا وہ کہاں رکھ چھوڑا ہے تو نے میرے خیال میں اس میں سونے سے لش لش کرتی چوڑیاں اور کنگن بھی شامل تھے جا اور وہ نکال کے پہن لے'' دور باد کی کسی چوکھٹ سے دھواں بلند ہو رہا تھا اور اس کے پار بارموسیٰ کا مسکراتا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ روپہلے کنگن اندھیرے میں گھبرا کر گونج اٹھے مومل نے خان کی طرف دیکھا جیسے التجا کر رہی ہو کہ مجھے ان سے جدا نہ کرو کہ یہ تو میری زندگی ہیں۔ میری روح کا' میرے دل کا حصہ ہیں میرے جینے کا سہارا ہیں۔ خدارا انہیں مجھ سے' میرے وجود سے جدا نہ کرو۔ نگاہیں ملتجی رہیں لیکن وہ اپنی دھن میں بولتا چلا گیا۔

'سنا نہیں تو نے..... کیا کہا ہے میں نے'' اس نے مومل کی بھیگی پلکیں دیکھ کر کہا۔

'ایک تو تو ہر بات پر رونے کیوں لگتی ہے۔ آخر ان کنگنوں سے تیری لگاوٹ کی وجہ کیا ہے کون سی گم شدہ محبت بندھی ہے ان سے'' وہ دو قدم آگے بڑھا آیا مومل خوف سے پیچھے کی طرف ہٹی۔ اس کے لب تھرتھرا رہے تھے آنکھوں میں ستارے ٹمٹما رہے تھے۔

'ابھی تک تو تو نے صرف میری محبت دیکھی ہے اپنی سوکن سے پوچھ کہ آنسو کن باتوں پر بہائے جاتے ہیں' سن رہی ہے نا میری بات یا یوں ہی بت بنی میری طرف دیکھ رہی ہے۔

''جج..... جی..... مومل کے کانپتے لبوں سے ایک کمزور سی آواز نکلی

'اگر سن رہی ہے تو یاد رکھ آج کے بعد میں تیری کلائیوں میں انہیں نہ دیکھوں ورنہ..... ورنہ۔' وہ اپنی مونچھوں کو بل دے کر خاموش ہو گیا۔ مومل کے لرزتے قدم دروازے کے اس پار جا چکے تھے۔ اسٹور کے ایک بکس میں اس نے وہ تھیلا رکھا تھا جو دو روز قبل دلاور خان نے اسے تھمایا تھا۔ اس میں بندھا اندھیرے میں خیرہ کر دینے والا ڈھیر سارا زیور چوڑیوں اور کنگنوں سمیت عین اس کی آنکھوں کے سامنے دھرا تھا۔ لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا آنکھیں متواتر بہنے والے آنسوؤں سے لبریز تھیں کتنے مان سے سجاول خان نے اس تک موسیٰ کا یہ تحفہ پہنچایا تھا جسے پہن کر وہ سر تا پا سرشاری میں ڈوب گئی تھی اور اب یہی کنگن اسے دکھ کے احساس میں بھگو گئے تھے اس کے دل کو تڑپ کے ایک نئے احساس سے دوچار کر گئے تھے۔ محبت کی جس نشانی کو اس نے اپنی تمام تر محبتیں اور آرزوؤں کے ساتھ پہنا تھا انہیں ایک ہی پل میں خود سے کیسے جدا کر ڈالتی وہ کافی دیر تک اندھیرے میں کھڑی دل میں بپا ہونے والی قیامت سے جنگ کرتی رہی سے پر سے گزرتے گئے اور وہ بت بنی آنسوؤں کی برسات میں بھیگتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ یہاں آئے اسے بہت دیر ہو چکی ہے اور دلاور خان یقیناً اس کا منتظر ہوگا اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود یہاں تک آن پہنچتا لیکن مومل کے ہاتھ اور حواس اس کے قابو میں نہیں رہے تھے اس نے اپنے بہتے دل پر صبر کا ایک اور بند باندھا اور ایک ایک کر کے سنہرے رنگ میں ڈھلی خوبصورت نقش و نگار والی چوڑیاں اٹھانے لگی اسے سن رکھا تھا کہ زیورات

Digitized by Google

عورت کی کمزوری ہوتے ہیں لیکن اس کی کمزوری تو صرف موہل تھا آج بھی اور کل بھی..... یہ بات اگر دلاور خان سے کہتی تو وہ اس کے ٹکڑے کر کے اپنے شکاری کتوں کے آگے ڈال دیتا۔ زندگی بہت بھیانک انداز میں اس کے سامنے بکھری پڑی تھی وہ جن راستوں سے گزر کر آئی تھی وہ بہت پر خار سہی لیکن آنے والے موڑ زیادہ خطرناک اور مشکل لگ رہے تھے اور موہل کم عمر ہونے کے باوجود وہ سب کچھ جانتی تھی۔ سب کچھ سمجھتی تھی۔

جس وقت فیروز نے اسٹور کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ جانے کن سوچوں میں گم تھی دستک سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہ گھبرا کر پلٹی اور فیروز کا سایہ دیکھ کر اس کی سانسیں دھیرے دھیرے بحال ہونے لگیں۔

''چھوٹی ماں..... اماں کھانے کے لیے بلا رہی ہے۔'' وہ اسے اندھیرے میں یوں کھڑا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

'تمہارا بابا کہاں ہے فیروز؟'

'شہباز کے ساتھ مزدوروں کو دیکھنے گیا ہے کہہ رہا تھا تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔ ہماری حویلی بن رہی ہے ناں' اس نے اطلاع پہنچائی۔

'ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ ماں سے کہنا میں آ رہی ہوں۔' لمحے پھر سے بنا چاپ گزرنے لگے۔ اور بالآخر اس کے کانپتے ہاتھوں نے محبت کی اوّلین اور آخری نشانی کو خود سے جدا کر ڈالا آج اسے پہلی بار اپنے پرائے ہو جانے کا احساس ٹوٹ کر ہوا تھا۔

دھواں اڑاتے باورچی خانے میں شہزادی کے ساتھ بڑی بھی تھی چوڑیوں کی کھنک باورچی خانے میں گونجی تو انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا

شہزادی کی آنکھوں میں اداسی کے گہرے سائے پھیل گئے۔

'مبارک ہو' اس کی آواز گلے میں پھیل رہی تھی۔

'کس بات کی ہے۔' موہل نے پلکیں اٹھائیں۔

اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جانتی نہیں کہ نیاز یور پہن لیا ہے۔

موہل کی آنکھیں اس کے چہرے کی طرح بے تاثر رہیں۔

کس بات کی مبارک دے رہی ہو شہزادی آج تو میں نے اپنا دل خود سے جدا کر ڈالا ہے یہ چوڑیاں تو وہ سانپ ہیں جو میری کلائیوں سے لپٹ کر میری روح کو ڈس رہے ہیں۔ دکھ کا زہر میری رگوں میں بھر رہے ہیں اندر کا کرب اس کی آنکھوں میں اترنے لگا۔ شہزادی نے بنا کچھ کہے روٹی کی چنگیر اس کے سامنے رکھ دی۔ جلتے ہوئے شعلوں میں موہل نے دیکھا شہزادی بہت کمزور ہو چکی تھی۔ کالے رنگ کے گہرے ہالے اس کی آنکھوں کے گرد دائرے بنا رہے تھے اور رنگ ایسا ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر ہلدی مل دی ہو۔

موہل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

تم ٹھیک کہتی ہو اڈی۔

Digitized by Google

شہزادی نے بنا کچھ کہے دوسری طرف منہ موڑ لیا۔

میں جانتی ہوں کہ تمہارے اندر کون کون سے دکھ پل رہے ہیں تم نہ بھی بتاؤ تب بھی تمہاری آنکھیں تمہارے دل کے درد کی گواہ بن کر بولتی ہیں ہر اس لمحہ کی کہانی سناتی ہیں جو تم پر قیامت بن کر ٹوٹتا ہے لیکن میں بھی تمہاری طرح بے بس ہوں۔ زبان کھولنے سے ڈرتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ جو آج تمہارا حال ہے وہ شاید کل میرا مستقبل ہو۔ بچوں کے آنے پر مومل کے لبوں پر مچلتے جملے ساکت اور خاموش ہو گئے۔ وہ بہت دیر تلک باہر کھیل کر آئے تھے اس لیے انہیں بھوک لگی ہوئی تھی۔

'اماں تجھے پتہ ہے بابا بہت بڑی حویلی بنوا رہا ہے اتنی بڑی.....' قیصر نے اپنے دونوں بازو پھیلائے اور ہاں مزدور کہہ رہے تھے کہ سارا کام جلدی ختم ہو جائے گا اور پھر ہم اپنے نئے گھر میں چلے جائیں گے بابا کہہ رہا تھا کہ ہماری نئی حویلی بہت شاندار ہو گی فیروز نے کہا۔

'جلدی کھانا کھاؤ تمہیں بہت باتیں بنانا آ گئی ہیں فیروز' شہزادی نے اپنا چڑچڑا پن بچوں پر اتارا۔

'بڑا ہو گیا ہوں ناں' فیروز نے مسکرا کر جواب دیا۔

'بابا کہہ رہا تھا کہ جب میں بارہ برس کا ہو جاؤں گا تو وہ مجھے بھی بندوق چلانا سکھا دے گا''

'کیا.....؟.....تو بھی بندوق چلائے گا' شہزادی نے دل تھام لیا۔

'تو کیا ہوا بابا بھی تو چلاتا ہے'

'سن رہی ہے تو بڑی..... یہ فیروز کیا کہہ رہا ہے' شہزادی نے فیروز کا ہاتھ تھام لیا۔ نہیں تو بندوق نہیں چلائے گا۔ اسے چھوئے گا بھی نہیں..... کبھی نہیں سن لے میری بات'' شہزادی کی آواز رندھ رہی تھی۔

'لیکن بابا تو کہہ رہا تھا بندوق مردوں کا زیور ہے'

فیروز تو نادان ہے بچہ ہے نہیں جانتا کہ یہ آگ اور شعلوں کا کھیل ہے اگر تو نے میری بات نہ مانی تو میں مر جاؤں گی بول کیا ماں کو کھونا چاہتا ہے۔

فیروز ماں کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔

اچھا ماں ٹھیک ہے نہیں چلاؤں گا بندوق بس تو تو ہر بات پر پریشان ہو جاتی ہے۔

☆.....☆

بہاولپور کا لہلہاتے کھیتوں سے بھرا مضافاتی علاقہ اس کے لیے شروع ہی سے بہت مانوس تھا فقط ۱۶ برس کا تھا جب نادر خان اسے یہاں بہیل شاہ کے ڈیرے پر لے آئے تھے ملک سلطان سے ان کی رسمی سلام دعا تھی لہذا موسیٰ کو اس کے ڈیرے پر آسانی سے کام مل گیا تھا کام محنت طلب اور تھکا دینے والا تھا لیکن وہ تو سدا سے ہی محنتی تھا اور اوپر سے جوانی کی امنگ اور ترنگ نے تو جیسے رگوں میں ولولہ اور بجلیاں بھر دی تھیں وہ سارا دن بھاگا پھرتا ادھر سے ادھر سامان لاتا اناج کی کئی کئی من بوریاں اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتا لیکن اس کے چہرے پر تھکاوٹ کا شائبہ تک نہ ابھرتا اور نہ مسکراہٹ معدوم ہوتی لوگ اس جوان کو دیکھ کر حیران رہ جاتے جس نے کم عرصے میں اس غیر علاقے میں اپنی شناخت کے در کھول دیے تھے ہر گھر میں اس کا ذکر تھا اور ہر دل میں اس کے لیے تعریف۔ شام و سحر یوں ہی گزرتے چلے جا رہے تھے اور سات سال قبل یہاں

Digitized by Google

آنے والا موسیٰ جوانی کی منزلیں پھلانگتے اب دل کش خوابوں کی سرزمین پر قدم اٹھانے لگا تھا اپنے ہاتھوں کو کام کی قید سے آزاد کرتے ہوئے جب وہ ڈیرے پر آتا تو اس کا باہر دوزانو بیٹھا اونٹ سر جھکا کر اسے یوں دیکھتا جیسے بے زبان جانور اسے وطن واپسی کی راہ دکھائی دے رہا ہو اس سے راہ گزر کی جانب رخت سفر باندھنے کی خواہش کر رہا ہو جو اس کے خوابوں کی سرزمین تھی وہ اس کی کوہان پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرتے چلے جاتا۔

بس چند دن ہی دن اور ٹھہر جا میرے ساوا پھر تیری کوہان پر بھی نئے اور رنگین تھڑے سجیں گے اور گلے میں نئے ٹل بجیں گے بالکل ساز کے انداز میں ۔ وہ مسکراتے ہوئے یوں بولتا جیسے اس کے لمبے راستوں کا ساتھی اس کے وطن کی مٹی کا پالا سرخی مائل اونٹ جسے وہ پیار سے ساوا کہتا تھا واقعی اس کے لبوں سے نکلنے والے جملوں کو سمجھ رہا ہو اور اب.....اب شبنم کے ایک ننھے سے قطرے کی مانند پل بھر میں سدا کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو جانے والی موملی کے بعد اس کے دل اور صحرا کے اس پار چھوٹی سی جھوک پر جو قیامت ٹوٹی تھی اس نے سب کچھ ہی تو بدل ڈالا تھا۔۔ نہ وہ سپنے باقی رہے تھے اور نہ روپہلی کرنوں سے جذبات' سات دن کے اندر اندر بہاول خان دل میں اٹھنے والے درد کے سامنے یوں بے بس ہو گئے تھے کہ انہوں نے خود سجاول خان کے پہلو میں قبر کھدوانے کی خواہش کر ڈالی تھی اور اس سے قبل دنیا و مافیہا سے بے خبر ستے ہوئے چہرے والی سسی کا ہاتھ موسیٰ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے وہ کچھ بولنے سے قبل ہی رو دیے تھے شاید زندگی میں پہلی بار وہ لمحہ من وعن موسیٰ کی یادوں کی کتاب میں اب بھی قید تھا اور دن میں کئی مرتبہ گزرتے لمحوں میں پیوست ہو کر اپنے زندہ ہونے کا احساس دلاتا رہتا تھا کس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس کے ساتھ یا اس دنیا میں تنہا رہ جانے والی سسی کے ساتھ وہ کبھی انصاف نہ کر سکا کہ بہاول خان کے گزر جانے کے بعد تو فقط تین دن ہی وہاں ٹھہر سکا تھا اسے وہ صبح بھی یاد تھی جب گرم صحرا کے دامن میں ریت اڑ کر اردگرد کی فضا پر چھا رہی تھی۔ چہرے تپ کر سرخ ہو رہے تھے اور اس کے گھر کے چھوٹے سے دروازے کے قریب اپنا سر گرم ریت میں دبائے اونٹ خاموش بیٹھا تھا۔

موملی اور بہاول خان کے جانے کے بعد اسے سسی کے دربدر ہو جانے کا احساس شدت سے تھا لیکن وہ فی الحال اس جھوک کی اداس فضاؤں اور گھر کی بکھری چیزوں کے درمیان خود کو لمحہ بہ لمحہ کٹتا ہوا محسوس کرتا تھا دل تھا کہ اس کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی دکھ کی اماوس ہی تاریک شب جیسے ہر سو پھیل رہی تھی جب اس نے یہاں سے دور جانا ہی مناسب سمجھا اور سسی کو سکینہ ماں کے حوالے کرتے ہوئے اس کی نگاہیں فقط پتی ریت کے چمکتے ذرّوں پر جمی ہوئی تھیں سکینہ ماں خاموش نظروں سے اس سے سوال کرتی رہی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا کہ جواب اسے معلوم ہی کہاں تھا سسی کا خاک آلود ہوتا نیلا آنچل گرم ہوا کے تھپیڑوں میں لہراتا بالآخر نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ اپنے گھر کے سامنے تنہا کھڑا اپنے خواب ریت کے ذرات کی طرح ادھر ادھر بکھرے ہوئے محسوس کرنے لگا سامنے دروازہ نیم وا تھا وہ اندر چلا آیا۔ خاموشی تمام تر اداسیوں اور تنہائیوں کے ساتھ ہر کونے میں پناہ گزین تھی۔ کنبٹ کا پانی سوکھ چکا تھا۔ کھڈی کی مرغیاں جانے کہاں تھیں اس نے پلٹ کر بہاول خان کی رائیٹری اٹھالی خاک آلود پلکے سے اپنا آدھا چہرہ چھپایا اور نم آلود آنکھوں

Digitized by Google

میں ریت کے ذرات محسوس کرتا اونٹ کو ایک لمبے سفر کے لیے تیار کرنے لگا۔ دن ڈھلا شب آ گئی وہ بے ارادہ، بے منزل مسافر کی طرح صحرا کے سینے پر سفر کرتا رہا اور پھر اونٹ عادت کے مطابق دھیرے دھیرے چلتا ہوا ریگستان سے نکل کر بہاول پور کے مضافات میں داخل ہوا تو جیسے وہ خواب سے جاگ اٹھا۔ صحرا پیچھے بہت پیچھے رہ گیا تھا اور مومل کا بارش سے بھی زیادہ خوبصورت اور دلکش سپنا بھی۔ اب تو وہ تھا اور زندگی کی تھکا دینے والی بے مراد مسافت۔

بیل شاہ میں سب کچھ ویسا ہی تھا سونے جیسے کھیت لہلہا رہے تھے۔ پھلوں سے لدی درختوں کی شاخیں جھکی چلی جا رہی تھیں تازہ اور صاف ہوا لہر در لہر سفر کرتے ہوئے ادھر سے ادھر رواں تھی وہ اپنے خاک خاک ہوتے وجود کے ساتھ ڈیرے سے کچھ دور اترا اور اونٹ کے گلے سے لٹکتا ٹل خود بخود ہی بجا تو بہت سے چہروں نے حیرت سے موسیٰ خان کے تاریک چہرے پر نگاہ ڈالی ان کی آنکھوں میں سوالات تھے لیکن لب خاموش تھے کہ وہ ان کے درمیان رکنے کے بجائے اونٹ کی مہاریں تھامے ڈیرے کے پچھلے حصے میں چپکے سے چلا آیا۔ یہ جگہ نسبتاً سنسان تھی اور ایسے ہی گوشے کی وہ تمنا کر رہا تھا جہاں چند لمحے بیٹھ کر وہ دل میں موجزن سمندر کو ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ پلکوں کے ساحل کے قریب لا کر تن من اس میں بھگو دینا چاہتا تھا۔

دن زہر کے لمحوں میں لپٹے پھر سے گزرنے لگے۔ شب و سحر اب بھی اسی ڈھنگ میں اپنا روپ دکھاتی تھی فرق صرف اتنا تھا کہ ہمیشہ سے مستعد اور بشاش چہرے والا موسیٰ فقط ایک بے جان وجود بن کر رہ گیا تھا دن کا ہر کام اسے دوبھر محسوس ہوتا فصلوں کی کٹائی کے وقت اس کے ہاتھ شل ہو جاتے سورج کی تمازت اس کے تمام وجود کو پگھلا دیتی وہ جانتا تھا کہ ان گنت حیران آنکھیں اس پر مرکوز تھیں لیکن وہ مہر بہ لب تھکے ہوئے وجود کے ساتھ کبھی برگد کی چھاؤں تلے لیٹ جاتا اور کبھی بھیگی رات میں بے ارادہ سنسان راستوں پر نکل پڑتا ایسے میں اپنی سوچوں میں گم وقت کی دھند میں کھوئے ہوئے کل کی یادوں میں محو وہ جانے کہاں سے کہاں نکل جاتا اور جب پلٹ کر آتا تو دیکھتا چاند اس کا رفیق سفر بنا اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے اسے دیکھ کر وہ اداسی سے یوں مسکرانے لگتا جیسے وہ دونوں ہی مسافر ہوں گم گشتہ منزلوں کے بے نام مسافر! کبھی کبھی جب ملک سلطان اس اپنے خاص کاموں کے سلسلے میں مضافاتی علاقوں میں بھیجتے ہوئے اسے اپنا تیز طرار گھوڑا سونپتا تو وہ بنا کسی تامل کے تیاریاں کرنے لگتا جانے کیوں جگہ جگہ پڑاؤ کرتا اور راستوں کی خاک چھانتا اس کے من کو ملکا کر دیتے تھے اور وہ راستے کی دھول کے ایک ایک ذرے کو یوں اپنے اندر سموئے چلا جاتا جیسے ایک دن واقعی اپنی گہری آنکھوں کے ساتھ کسی گرد آلود راہ کے بیچ کھڑی مسکراتی مومل مل جائے گی۔

☆☆☆

راج گڑھ میں اترنے والے سورج کے ساتھ بہت سے دن یوں ہی نہ جانے کس طرف کو اڑ گئے تھے شہزادی تو اب پہچانی نہیں جاتی تھی کمزوری اور بیماری نے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا اب زیادہ وقت وہ چارپائی پر ہی گزارتی تھی۔ مومل کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی گو اس نے کسی طبیب کو نہیں دکھایا تھا لیکن

Digitized by Google

تجربہ کار شہزادی خوب سمجھتی تھی جب دلاور کو علم ہوا تو وہ جواب دینے کے بجائے سر نیہوا ڑے انجان بنا رہا یوں جیسے اسے امید نہ تھی لیکن اس کی یہ لاپرواہی اور بے نیازی اس کے زخمی دل پر درد کا ایک وار کر گئی۔ مانا کہ وہ زیادہ تر گھر سے باہر رہتا تھا لیکن واپسی پر تو اسے جیسے گھر کی کسی چیز سے دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی کبھی وہ خاموشی سے گھر کے نشیبی حصے میں جا گھستا اور کبھی چیختا چلاتا خیموں میں کام کرتے مزدوروں پر غصہ نکالتا گھر سے باہر نکل جاتا۔ ان ہی دنوں شہزادی کی طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تھی سردیوں کی آمد کے ساتھ جو بخار ہوا تھا وہ اب تک ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ ساری رات کراہتی رہتی تھی دن میں لمحے لمحے کے بعد الٹیوں کے ڈھیر لگا دیتی اور کبھی تشنج کے دوروں میں اس کا تمام جسم اکڑتے ہوئے کراہنا بھی بھول جاتا ایسے میں پریشانی میں دھڑکتے بے شمار دل اسے بے بسی سے تکتے رہتے شہباز کو کہ ہمدردی کے جذبہ سے معمور نظر آتا تھا لیکن درحقیقت وہ بھی تو ان ہی کی طرح مجبوری کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا کہ دلاور خان کی طرف سے کسی بھی حکیم یا طبیب کو گھر میں لانے یا شہزادی کو باہر لے کر جانے کی مکمل ممانعت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ دلاور خان کی عورتیں مر تو سکتی ہیں لیکن گھر کی دہلیز پار نہیں کر سکتیں اور نہ ہی کوئی غیر مرد چاہے حکیم ہو ہی کیوں نہ ہو گھر کے اندر آ سکتا ہے۔ کچھ دن اور گزرے تو اس پر گھنٹوں گھنٹوں تک بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے ایسے میں کبھی صاحباں اور کبھی چھوٹے بچے ماہی بے آب کی طرح اس کی چارپائی کے گرد چکر کاٹنے لگے اور شہباز جانے کون کون سے بدرنگ مختلف بوتلوں میں بند شربت اٹھائے چلا آتا یہ شربت جانے اسے کہاں سے دستیاب ہوتے مومل کو یہ تو علم تھا کہ ہر مرتبہ آتے ہوئے وہ یہ ہی کہتا تھا کہ آپا کو فوری طور پر ماہر حکیم کے پاس یا اسپتال لے جانے کی ضرورت ہے مگر کیسے..... یہ وہ سوال تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا پھر فقط ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ جب شہزادی کی حالت زیادہ بگڑنے لگی اور سدا کی خاموش مومل کے لب بھی ساکت نہ رہ سکے کچھ ہی دیر قبل دلاور خان حیدر آباد میں دو راتیں گزار کر آیا تھا اور اس وقت اپنے رنگین پایوں والے کشادہ پلنگ پر براجمان دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہا تھا جب مومل نے اسے پکارا

'خان شہزادی اڈی کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔'

دلاور خان کی آنکھیں بند رہیں اور پھر کچھ توقف کے بعد ایک بے ڈھنگی آواز کمرے میں پھیل گئی۔

پھر کیا کروں میں؟ جانے یہ جواب تھا یا سوال۔ مومل سمجھ نہ سکی اور پلنگ کے پائینتی آ کر بیٹھ گئی باہر شہزادی کی درد میں ڈوبی کراہیں بلند ہو رہی تھیں اس کا دل جیسے سمٹ کر مٹھی میں آ گیا۔

''اسے شہر لے جاؤ خان..... شہباز بتا رہا تھا کہ کسی بڑے اسپتال میں اس کا علاج..... مومل کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ دلاور خان کی آنکھیں پہلے حیرت سے پھیلیں اور پھر ایک دم لال ہو گئیں۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

'تو مجھے عقل سکھانے آئی ہے۔ بے وقعت عورت جانتی نہیں کہ تو کیا کہہ رہی ہے اور کس سے؟ اپنی عزت کو کیا شہر میں رسوا کروں؟

لیکن اس طرح تو اڈی ختم ہو جائے گی۔

'ٹھیک ہے اسے مر جانے دے تو اس کی فکر میں اتنی دبلی کیوں ہو رہی ہے؟'



Digitized by Google

خان اسے دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں' اسے بچالے!' مومل کی آواز میں کپکپاہٹ کے ساتھ نمی بھی اتر رہی تھی۔

میں پوچھتا ہوں آخر تیرا اس کے ساتھ رشتہ ہی کیا ہے جو یوں سفارشی بن کر چلی آئی ہے۔ دلاور نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو بیدردی سے جھٹکا۔

'خدا کا خوف کرلے خان۔ اڑی کو بے وقت موت سے بچالے۔ مومل جذبات کی آندھی میں بہتے ہوئے ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔

دلاور خان کی آنکھیں انگارے برسانے لگیں۔

تجھے چپ کرانا ہوگا۔ بے وقعت عورت۔ اس کا بھاری ہاتھ مومل کے چہرے سے ٹکرایا تو درد کی شدت سے اس کی آنکھوں کا کاجل بہنے لگا اور وہ کٹی ہوئی شاخ کی مانند زمین پر گرتی چلی گئی۔

اپنی حیثیت پہچان خاک نشین' دلاور نے اسے جھٹکے سے اٹھایا۔

بہت بولنا آ گیا ہے تجھے! مجھ سے بحث کرتی ہے۔

مومل کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ حیرت زدہ آنکھیں دلاور خان کو تکتی رہ گئیں۔ وہ لب جو کبھی اس کے حسن کا قصیدہ پڑھتے تھے اس وقت کن غلیظ الفاظ سے نواز رہے تھے وہ ہاتھ جنہوں نے کبھی کاجل لگانے کی خواہش کی تھی کس قدر بیدردی سے اس پر اٹھ رہے تھے یہاں تک کہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ زمین پر ڈھیر ہونے سے قبل اس نے دلاور خان کو بندوق کی طرف بڑھتے دیکھا باہر مسلسل فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں اسے غالباً باہر بلایا جارہا تھا۔

وہ زخمی مومل کو مدہوشی کے عالم میں چھوڑ کر ایک ہی لمحے میں کمرے سے باہر نکل گیا

جانے دن کا کون سا پہر تھا جب اس کی نقاہت زدہ آنکھوں نے بڑی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا۔

شکر ہے تجھے ہوش آ گیا۔ بڑی نے اسے دلیہ کھلانے کے لیے ایک ہاتھ میں پیالہ تھاما۔ مومل نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کمزوری کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

تجھ پر بہت ظلم ہوا ہے مومل۔ بڑی کا لہجہ متاسف تھا۔ مومل نے دیکھا بڑی کچھ بتاتے ہوئے' کچھ کہتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔

کیا ہوا؟ مومل کی آواز رک رہی تھی۔ بڑی چند لمحوں تک نظریں جھکائے بیٹھی رہی اور چند ثانیے کے بعد اس کے کانوں میں گرم سیسہ جیسی خبر انڈیل دی کہ وہ اس بھیانک اور سیاہ رات میں زندگی میں پھوٹنے والی واحد کرن سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔ ایک لمحے کو مومل کو محسوس ہوا جیسے وہ پھر سے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہے۔ ایک ڈراؤنا دل دھڑکا دینے والا بھیانک خواب پھر اسے احساس ہوا کہ بڑی سچ کہہ رہی ہے اس کا دامن خالی ہو چکا تھا دکھ سے اس کی آواز بھرا گئی اور آنسوؤں کے بادل آہوں میں ڈوب گئے۔

دوسرے کمرے میں لیٹی شہزادی تک اس کی بلکتی آوازوں کا شور گیا تو وہ دیوار پکڑتی اس کے پاس چلی آئی گو اس کے پاس تسلی دینے کے لیے کوئی الفاظ' کوئی جملہ نہ تھا لیکن اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کے لیے کمزور اور لاغر ہاتھ تو تھے۔ بڑی نے اسے سنبھالنا چاہا لیکن وہ تو جیسے ہاتھوں سے نکل رہی

Digitized by Google

تھی۔ یہاں تک کہ در و دیوار نے آج تک اس کی آہوں کی آواز کہاں سنی تھی کہ آج سے پہلے تو تمام آنسو دل میں بند کسی کنویں میں ہی دفن ہو گئے تھے۔ لیکن اب تو بے لگام چیخیں تھیں جو فلک تک جا رہی تھیں۔ وہ یوں تڑپ رہی تھی جیسے کسی نے مچھلی کو پانی سے نکل کر جلتی ریت پر پھینک دیا ہو صاحباں حراساں ادھر سے ادھر بولائی پھرتی بڑی کو دیکھ رہی تھی اور کبھی نیند لانے کی جنگلی بوٹی سنگھا رہی تھی۔ بہت دیر تک تڑپنے اور سسکنے کے بعد بالآخر نیند سے مومل کی سوجی ہوئی آنکھیں بند ہوئیں تو بڑی نے سکھ کا سانس لیا۔ صبح سے ہی وہ اس کے پلنگ کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ شہزادی بھی تو اپنے دکھ اور بیماری بھول کر وہیں موجود تھی نہ اسے آرام کا خیال تھا اور نہ ٹھنڈ کا شکار ہونے والے جسم کا۔ مومل اب بند آنکھوں کے ساتھ چپ چاپ لیٹی تھی۔ لیکن شہزادی کی طبیعت پھر سے بگڑنے لگی تھی۔ تین دفعہ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار اس کا کمزور بدن شدت سے چکرایا اگر صاحباں بروقت نہ آتی تو وہ یقیناً فرش پر گر چکی ہوتی۔ اس وقت دن بھر کی تھکی ہوئی بڑی نل کے نیچے ہاتھ منہ دھو رہی تھی جب اس نے صاحباں کو دونوں ہاتھوں سے ماں کو تھامے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا اس کا ماتھا ٹھنکا وہ گیلے ہاتھ لیے جوتے گھسیٹتی اندر آئی تو دیکھا شہزادی کا پورا جسم بخار کی شدت سے تپ رہا تھا اس نے پریشان ہو کر نظریں اٹھائیں صاحباں گھبرائی گھبرائی حالت میں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی رات بہت سے گزرنے والے دنوں کی طرح آج بھی خاموش انداز میں راج گڑھ کے اطراف میں اتر رہی تھی۔ گھر کے کمرے تاریکی اور خاموشی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باورچی خانے کا چولہا خلاف معمول ٹھنڈا پڑا تھا۔ بچے اتنے سہمے ہوئے تھے کہ بھوک لگنے کے باوجود چپ چاپ بیٹھے ماں کی لحہ بہ لحہ بگڑی حالت دیکھ رہے تھے جوں جوں رات ڈھل رہی تھی۔ بخار میں اضافہ ہو رہا تھا۔ صاحباں کی آنکھیں آنسوؤں کی شدت سے سرخ ہو چکی تھیں وہ خاموشی سے یخ ہاتھوں کے ساتھ اپنی ماں کے گرم ماتھے اور گردن پر پٹیاں رکھ رہی تھی لیکن امید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ریت کے ذروں کی طرح ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی۔ صبح ہوئی تو صرف اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وگرنہ بچے اپنے اپنے بستروں میں سمٹے جانے کب کے سو چکے تھے۔ بڑی بھی گزشتہ دن کی تھکاوٹ لیے اب آنکھیں موندے ہوئے تھی صاحباں کی شب بھر کی محنت کچھ رنگ لے آئی تھی اجالا ہونے کے ساتھ ساتھ شہزادی کا بخار بھی کم ہو گیا تھا وہ اس کے لیے دودھ کا پیالہ لیے اٹھی تو دیکھا مومل کمرے کے باہر ستا ہوا چہرہ لیے کھڑی تھی اس کے بال یوں بکھرے ہوئے تھے جیسے خزاں کی آمد کے بعد خشک درختوں کی شاخیں ہوں' وہ نقاہت کے باعث دیوار کا سہارا لیے کھڑی تھی دو دن قبل ہونے والے تشدد کے نشانات جا بجا نظر آ رہے تھے آنکھیں یوں ہو رہی تھیں جیسے وہ برسوں سے پیاسی ہوں جیسے خشک جھیل کے کنارے دو خزاں رسیدہ کنول!

'چھوٹی ماں.....!' صاحباں فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

اس نے مزید کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن سارے الفاظ جانے کہاں گم ہو گئے تھے جیسے غم کی دھند کے بیچ کہیں کھو گئے۔ دن بڑی مشکل سے کٹا خصوصاً شہزادی کے لیے لحہ بہ لحہ گزرتا وقت جاں گسل تھا بظاہر اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن ان کے اس پار کہیں دور اس کا بچپن اور پھر اوائل جوانی کے دن وقت کے

Digitized by Google

سمندر پر ابھر رہے تھے۔

شکار پور کے مضافات کا وہ علاقہ جہاں ہریالی تھی' سکون تھا' خوشیاں تھیں جس کی خاک سے اس کا وجود تشکیل پایا تھا۔ آج جانے کہاں سے وقت کی دھند ہٹا کر یادوں کے دیے روشن کر رہا تھا۔ تین بھائیوں کے بعد دنیا میں آنے والی کا نام شہزادی شاید اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہ دنیا میں شہزادیوں کی طرح راج کرے لیکن آنے والا کل بھلا کس کی آنکھوں نے دیکھا ہے وہ تو شاید ابھی اور انہی گلیوں میں کھیلتی' نئے نئے خوابوں کے جال بنتی جب ایک شام بڑے بھائی نے آ کر لمحہ بھر میں اس کی قسمت کا فیصلہ سنا دیا۔

اٹھارہ سالہ شہزادی بے خبری کے عالم میں دروازے کا پٹ تھامے کھڑی تھی اور صحن میں ماں کے چلانے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پھر اسے علم ہوا کہ بڑا بھائی جس نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر پروان چڑھایا تھا' فقط ایک ٹیوب ویل کے بدلے اس کا سودا کر آیا ہے۔ دلاور خان جانے اسے کب اور کہاں ملا تھا۔ وہ تو فقط یہی جانتی تھی کہ دو سال قبل ان کی دو ایکڑ زمین پر جو ٹیوب ویل لگا تھا وہ دلاور خان سے قرض لے کر ہی لگایا گیا تھا اب جانے یہ قسمت کا کون سا کھیل تھا جس میں صریحاً ہار اس کی ہوئی تھی کہ ہر بار کبھی بارش اور کبھی ٹڈی دل کے حملوں سے فصل تباہ ہو جاتی تھی اور دو سالوں میں اب تک وہ اس قابل نہیں ہوئے تھے کہ دلاور خان کا قرض جس پر کئی گنا سود بھی چڑھ چکا تھا واپس کر دیتے اب تو انتہا ہی ہو گئی تھی دلاور صبح ہی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان کے کھیت میں آن پہنچا تھا پرکھوں کی نشانی اس زمین کے ٹکڑے کے علاوہ ان کے پاس کچھ بھی تو نہ تھا یہ زمین ہی تو تھی جس کے بدلے انہیں پیٹ بھرنے کی توقع رہتی تھی پھر وہ اسے کیسے کھو سکتے تھے۔ ہاں گھر میں بیٹھی جوان بہن ضرور تھی جس کا بوجھ اتارنے کے ساتھ ساتھ وہ دلاور خان کا قرضہ بھی اتار سکتے تھے یہ فیصلہ گو ماں اور باقی بھائیوں کے لیے بہت اذیت ناک سہی لیکن قبول کرنا ہی تھا گو کہ وہ جانتی تھی کہ سب کے دل غم سے پھٹ رہے ہیں لیکن مجبوری نے کب کسی کا گھر دیکھ کر اپنا راستہ بدلا ہے وقت کا دھارا جب یک لخت الٹی سمت بہنے لگے تو اس کے رحم کرم پر اپنا آپ چھوڑنا ہی پڑتا ہے کبھی کوئی قسمت کے لکھے سے جنگ کر سکا ہے؟ وقت کی روانی اور اس کے فیصلوں سے رو گردانی کر سکا ہے اسے خاموشی سے دلہن بنا کر جب دلاور خان کے ساتھ رخصت کیا جانے لگا تو ماں نے اس کی ویران آنکھوں کو دیکھ کر صرف اتنا کہا تھا کہ خواب ٹوٹے نہیں فقط اپنا راستہ بدل لیتے ہیں نئی نئی راہیں اپنا لیتے ہیں نئی منزلوں کی نئی راہیں وہ منزلیں کہاں تھیں شہزادی اب تک ان کے وجود سے بے خبر تھی اور راستہ وہ تھا جس کے آس پاس فقط دھند تھی اور اس کے اس پار دیکھنا محال..... شاید زندگی کا آخری موڑ آن پہنچا تھا۔ لیکن راہیں ہموار پر خار تھیں اور قدم لہولہو۔ شادی کا دن وہ آخری دن تھا جب اس نے اپنے پیاروں کو دیکھا تھا تب سے اب تک تو وہ سب خواب ہو گئے تھے۔ بے نور آنکھوں کے بے فیض خواب! اسے خوب یاد تھا وہ دن جب پہلی اور آخری بار اس کا چھوٹا بھائی شیر دل اس سے ملنے آیا تھا۔ تب صاحباں فقط تین دن کی تھی۔ جانے ماں کو کیسے بچی کی پیدائش کی خبر ہو گئی تھی کہ انہوں نے شیر دل کے ہاتھ بہت سا سامان دے کر بھیجا تھا لیکن اس کے اندر آنے سے قبل ہی دلاور خان اسے یہ کہہ کر واپس کر چکا تھا کہ شہزادی سے اب اس کے میکے والوں کا کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ اسے محض ایک خیال سمجھ کر فراموش

Digitized by Google

کر دیں۔ شیر دل پہلی مرتبہ بہن کے گھر آیا تھا لیکن وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکا اور سامان دہلیز پر رکھ کر رات کے اندھیرے میں واپس چلا گیا تھا۔ اس دن پہلی مرتبہ شہزادی نے احتجاج کیا اور اس کے جواب میں دلاور خان نے جو کچھ کیا وہ اگر بھولنا چاہتی بھی تو نہیں بھول سکتی تھی اور اب تو آخری سانسیں تھیں جو آہستہ آہستہ مدہم ہوتی جا رہی تھیں۔ جیسے دیے کی لو بجھنے سے قبل یک لخت تیز ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی اس کی یادوں کے آسمان سے یکا یک کچھ ہی دیر کے لیے جیسے بادل چھٹ گئے تھے۔ آنسو کے فقط دو ہی قطرے بند آنکھوں سے نکلے یہ ان آنکھوں کے آخری آنسو تھے۔ قدرت کا ہاتھ پنجرے کا دروازہ کھول چکا تھا۔

شام ہونے سے قبل باہر جیپ رکی اور جوتوں کی آواز سے صحن کی خاموشیاں ٹوٹ گئیں۔ دلاور نے دیکھا سامنے کمرے سے دبی دبی سسکیاں اور آہیں بلند ہو رہی ہیں۔ مختلف لوگوں کی اندر ہی اندر دم توڑتی مختلف آوازیں۔ وہ رک گیا شہباز کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ اس کے بولنے سے قبل ہی سب کچھ سمجھ گیا اور پھر دو گھنٹے کے اندر اندر شکار پور کی شہزادی کو راج گڑھ کی خاک کی نذر کر دیا گیا۔

رات اور دن گو بہت اداس اور بے کیف سہی پھر سے گزرنے لگے۔ اس چار دیواری کے اندر رہنے والے تمام افراد اپنے بندلبوں کے ساتھ زندہ تھے۔ شاید وہ اب ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ نئے نئے لفظوں کے نئے نئے معنی سے ڈرتے تھے صاحباں سب سے زیادہ متاثر نظر آتی تھی۔ اس کی تو جیسے کل کائنات ہی ختم ہو گئی تھی مومل اس کو دیکھتی تو اپنا غم اپنا زخم پس پشت چلا جاتا اس زخم سے کبھی اس کا دامن بھی لہو لہو ہوا تھا۔ اسے یاد تھا وہ دن جب ماں نے شہزادی کی طرح آنکھیں موند لی تھیں فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی ماں تب سے اب تک بے نشاں تھی اور شہزادی خاک کی صورت گھر سے چند کوس کے فاصلے پر موجود تھی۔

بڑی کے لبوں پر بھی دکھ کے قفل لگے ہوئے تھے شہزادی کے ساتھ اس نے بیس برس گزارے تھے دکھ اور سکھ بانٹے تھے۔ کئی آنسو چنے تھے اور کئی غم دکھائے تھے اس در و دیوار کے اندر اگر شہزادی نہ ہوتی تو وہ شاید دیوانی ہو چکی ہوتی۔ زیادہ دکھ تو اس بات کا تھا کہ شہزادی کے اپنوں کو اس دنیا سے یوں چلے جانے کی کوئی خبر نہ تھی بڑی کو کبھی اس نے اپنا گھر کا پتہ بتایا تھا جو اسے تھوڑا بہت یاد تھا لیکن پھر بھی وہ ان تک یہ خبر کیسے پہنچاتی۔ کس کے ہاتھ پہنچاتی اور بالفرض اگر وہ یہاں آ بھی جاتے تو کیا ہو جاتا اس سے تو بہتر یہ تھا کہ ان کو اس غم کی آگہی سے ناآشنا ہی رہنے دیا جاتا کم از کم اس بے خبری سے ان کے دل کو غم کی آگ میں جلنے سے تو بچایا جا سکتا تھا۔

ایک طرف گھر کی بھیانک خاموشیاں تھیں اور دوسری طرف دلاور خان کی زیر تعمیر حویلی کا شور آس پاس کی فضائیں دن بھر سامان بھر کر لانے والے ٹرکوں کے شور سے گونجتی رہتیں یہ ٹرک کہاں سے آتے تھے کہاں جاتے تھے کوئی نہیں جانتا تھا۔

ایک دن اس گھر کے سکوت میں بھونچال آ گیا۔ فیروز غائب تھا پورے دو روز سے شہباز اسے ڈھونڈنے کے لیے راج گڑھ کا چپہ چپہ چھان مارا تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ صاحباں کے لبوں

Digitized by Google

کے قفل اب ٹوٹے تھے تو جیسے روتے روتے اس کی آواز بند ہو رہی تھی۔ وہ سارا سارا دن فیروز خان کو پکارتی رہتی دیوانوں کی طرح دروازہ کھول کھول کر دور تلک بھاگتی چلی جاتی اور بڑی مشکلوں سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر تک لاتی اس کا کہنا تھا کہ اگر دلاور خان نے اسے یوں ننگے سر اور ننگے پاؤں دیکھ لیا تو ایک قیامت کھڑی کر دے گا۔

کئی روز بیت چکے تھے اور فیروز کا کچھ پتہ نہ تھا حویلی پر کام کرنے والے چند مزدوروں کا کہنا تھا کہ انہوں نے ایک بچے کو چند دن پہلے کسی ٹرک پر سوار ہوتے دیکھا تھا۔ شہباز کو یاد آیا کہ ماں کے مرنے کے بعد فیروز بہت خاموش رہنے لگا تھا الگ تھلگ ایک کونے میں بیٹھے بیٹھے گھنٹوں گزار دیتا۔ نہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا نہ رات کو ڈھنگ سے سو پاتا۔ شہباز نے اسے لاتعداد مرتبہ رات کو صحن میں ٹہلتے دیکھا تھا ماں کا غم اپنی جگہ..... لیکن اس بے چینی کی کوئی اور وجہ تو یقیناً تھی پھر ایک دن اس سے رہا نہ گیا چاندنی رات تھی اور فیروز آج پھر سونے کے بجائے دروازے کی دہلیز پر بیٹھا تھا شہباز اسے دیکھ کر وہیں آ گیا۔ فیروز گہری سوچ میں گم تھا۔ شہباز کے اصرار پر اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ ماں کے بغیر اب اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔ اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنے باپ دلاور خان سے نفرت کا اظہار بھی کیا تھا تب شہباز نے بڑی مشکلوں سے اسے سمجھا بجھا کر اس کے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کیا تھا اس کا خیال تھا کہ فیروز اپنا ارادہ بدل دے گا لیکن اب اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا کہ فیروز ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر جا چکا تھا اور کن راہوں پر قدم بڑھا چکا تھا کسی کو خبر نہ تھی شاید خود فیروز کو بھی.....

دلاور خان بہت سے دن اور راتیں باہر گزارنے کے بعد صرف دو گھنٹے کے لیے آیا تھا وہ جلدی میں دکھائی دیتا تھا سنگین خان کے ہاں بڑے پیمانے پر کوئی تقریب تھی جس میں اثر رسوخ رکھنے والی بڑی بڑی شخصیات بھی مدعو تھیں۔ دلاور نے بہت عرصے کے بعد اپنا حلیہ بدلا تھا۔ پوری نفاست اور توجہ سے تیار ہوتے ہوئے اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ گھر کے حالات کیا ہیں اور یہاں کے مکینوں کی آنکھوں میں دکھ کے نئے رنگ کیوں ہیں اس نے تو یہ بھی غور نہیں کیا تھا کہ ہمیشہ سے شور مچاتا کھیلتا کودتا فیروز خان آج کہیں نہیں تھا شہزادی کو دنیا سے گئے فقط پچیس دن ہی ہوئے تھے لیکن اس بات کی بھی بھلا اسے کیا پروا تھی۔ وہ نئے کپڑے پہن کر اور خوشبوؤں میں خود کو بسا کر جانے کے لیے نکلا تو مول دروازے پر کھڑی تھی لیکن وہ اس وقت اس کی کھنڈر صورت کو کہاں دیکھ سکتا تھا۔ سفید براق شلوار قمیض اور رنگین پگڑی باندھے وہ جیپ تک گیا پھر اس نے رک کر شہباز کو کچھ کہا غالباً وہ حویلی کی تعمیر کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ شہباز ہاتھ ملتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا اسے کچھ اور بتانا چاہتا تھا لیکن وہ جلدی میں بات ختم کر کے جیپ میں جا بیٹھا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس دن بہت عرصے بعد صاحباں مرغیوں کے ڈربے کے پاس دانہ ڈالنے آئی اس کی آنکھوں میں بلا کی ویرانی تھی۔ نہ وہ رنگ رہا تھا نہ وہ صورت' شہباز نے اسے دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔

'تم ٹھیک تو ہو؟' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

فیروز کہاں ہوگا؟ سسکیوں کے شور میں صاحباں کی آواز مدغم ہو رہی تھی۔

Digitized by Google

مجھے کیا علم ماں کہ تیرے بعد بھائی بھی ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ شہباز خاموشی سے کھڑا رہا وہ دیکھ رہا تھا آنسوؤں کے قطرے بارش کی صورت صحن کی خشک مٹی پر برس رہے تھے وہ ایڑیوں کے بل صاحباں کے پاس آ بیٹھا۔ وہ جہاں بھی ہوگا یقیناً خیریت سے ہوگا اور یہاں سے یقیناً بہتر ہوگا راج گڑھ میں اسے کیا مل جاتا..... فقط دلاور خان جیسا مستقبل!

'اور ہم جو پیچھے رہ گئے ہیں کب تک اس کی راہ دیکھیں۔ کب تک آس کے دیے جلائیں۔'

'اس کی راہ دیکھنا چھوڑ دے صاحباں وہ اب لوٹ کر اس گھر میں نہیں آئے گا۔'

'اور بابا..... وہ جب گھر لوٹ کر آئیگا تو اسے کیا جواب دیں گے۔ وہ گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا ماں تو رہی نہیں نہ جانے اب اس کا غصہ کس پر نکلے گا۔ کس سے جواب طلبی کی جائے گی اور کس کے جسم کو داغا جائے گا۔' صاحباں بولتے بولتے لرز گئی۔ اسے اپنے چہرے پر اٹھنے والے دلاور خان کے فولادی ہاتھ یاد آ گئے۔ وجہ کیا تھی اس نے باورچی خانے کے باہر اس کو شہباز سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا تب تو ماں اسے بچانے کے لیے آ گئی تھی اور اس کا ہر ستم اپنے وجود پر برداشت کیا تھا۔ لیکن اب کون تھا جو اسکے لیے ڈھال بنتا۔ اس نے گم کھڑے شہباز کو دیکھا اور بنا کچھ کہے اندر چلی گئی۔

مومل نے بہت دنوں کے بعد نہا کر دھلے ہوئے کپڑے پہنے تھے ابھی وہ اپنے بالوں کو سمیٹ رہی تھی کہ دلاور خان کے آنے کی اطلاع ملی خلاف معمول وہ آج مسکرا رہا تھا۔ مومل اس کے تیور دیکھ کر حیران رہ گئی غالباً وہ سنگین خان کے ہاں بہت خوش کن لمحات گزار کر آیا تھا اس کے آتے ہی ٹھنڈے چولہوں میں آگ جلنے لگی تھی اور وہ اپنے لمبے بالوں کو سنبھالتی کام میں مصروف ہوگئی اسے خبر بھی نہ ہوئی اور دلاور خان وہیں آ کھڑا ہوا اور ایک پتھریلی آواز مومل کے کانوں سے آ ٹکرائی۔

'لگتا ہے شہزادی کے جاتے ہی یہاں کی نحوست بھی چلی گئی ہے' اس کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی..... تو بڑے دنوں کے بعد آج سندر دکھائی دے رہی ہے۔'

مومل اسے خاموشی سے تکتی رہ گئی اگر وہ مسکرا رہا تھا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ اسے گھر لوٹ آنے کی مسرت تھی بلکہ اس کا دل تو گزرتے والے دن اور راتوں کے نشے میں چور تھا۔ سنگین خان کے ہاں حیدر آباد کی مشہور گانے والیاں آ کر ٹھہری ہوئی تھیں انہوں نے جو رونق اس کے گھر میں لگائی تھی وہ اب تک دلاور خان کے انگ انگ میں رچی ہوئی تھی جیسے ایک خواب تھا جو آ کر گزر گیا تھا اس کے دل کو زیر اثر کر گیا تھا۔ ہیجان خیز ماحول اور رنگین طلسم زدہ فضا نے دلاور پر کچھ اس طرح اثر کیا تھا کہ جب اس کو فیروزہ کے یوں گھر چھوڑ کر جانے کی اطلاع ملی تو خلاف توقع اس نے نہ شور مچایا نہ غصہ میں اپنے حواس گنوائے البتہ شہباز کو بلا کر اس قدر سرزنش کی کہ وہ اپنے فرائض سے غفلت برت رہا ہے۔

مومل خاموش نظروں سے اس کے رویے کو دیکھتی رہی اس کے سینے میں دھڑکنے والے پتھر کے متعلق سوچتی رہی آگاہ سے اپنے پندرہ سالہ جوان بیٹے کے بچھڑنے کا کوئی ملال نہ تھا اس ان دیکھے بچے کا غم کیسے ہوا جو مومل کی کوکھ میں چپ چاپ سو گیا تھا۔ اس نے تو یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ بظاہر سندر دکھنے والی مومل کی آنکھوں کے گرد ہالے کیوں پڑ گئے ہیں' اس کے لبوں کا قفل کھلتا کیوں نہیں وہ کون سا غم ہے جو چاپ

Digitized by Google

چاپ دیمک کی طرح اندر ہی اندر اسے کھائے جا رہا ہے جب تک وہ گھر میں رہا خود کو شراب میں ڈبوتا رہا۔

شہباز نے ایک دن موبل کو باتوں باتوں میں بتایا تھا کہ خان کی حویلی میں بہت کچھ بن رہا تھا جس میں بے شمار تہہ خانے بھی شامل تھے ان کا کیا مقصد تھا یہ دلاور خان کے علاوہ کسی کے علم میں نہ تھا۔ ہفتہ کے اختتام پر نئے جوش و خروش کے ساتھ اسلحہ لے کر گیا تھا سنگین خان جنگل کے اس پار اسکا منتظر تھا اس دفعہ کی دعوت نے عجب مزا دیا تھا نئی نئی دوستیاں استوار ہوئی تھیں اور اب تو پولیس سے بھی خطرہ نہیں رہا تھا۔

بے خوفی سے جنگل کی طرف جیپیں دوڑاتے ہوئے اس نے جاتے وقت شہباز کو تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

'فیروز کے جانے کے بعد اگر میں خاموش ہوں تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ میں نے اس کی جدائی اور تمہاری غفلت کو نظر انداز کر دیا ہے فیروز میرا جانشین تھا اسے کھو کر مجھے جو نقصان ہوا ہے تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے سن رہے ہو ناں میری بات۔' اس نے شہباز کے جھکے ہوئے سر کی جانب دیکھا۔

'جانتے ہو نا تم میں نے فقط تم کو گھر کی حفاظت کے لیے رکھا ہوا ہے اور اگر اب تم یہ کام نہیں کر سکے تو.....

اس نے نئی رائفل کے دستے پر ہاتھ پھیر کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ سامنے سنگین خان کی جیپیں کھڑی اسکی منتظر تھیں۔ دلاور خان نے ہوا میں تین فائر کیے اور شہباز کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ تمام جیپیں دھول اڑاتی شور برپا کرتیں جنگل کے دھارے میں جا کر گم ہو گئیں۔ دلاور خان نے اپنے انداز میں جو خوف شہباز کے اندر اتارا تھا اس میں کہیں کہیں بغاوت کی لہر سر اٹھا رہی تھی..... اس کے اندر آنے سے قبل صاحباں بھاگ کر دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں ملال بھی تھا اور سوال بھی!

'بابا نے کیا کہا ہے۔ کیا وہ فیروز کو ڈھونڈنے نکلے ہیں۔' شہباز نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

'خان کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے اس کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور ہونٹوں پر کچھ اور..... میں نہیں جانتا وہ کیا سوچ رہا ہے اور کیا کرنے جا رہا ہے۔' اس نے صاحباں کے جھکے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

یہ دنیا اتنی چھوٹی نہیں ہے صاحباں جتنی تم سمجھ رہی ہو۔ فیروز جانے کہاں ہوگا اسے یوں اس جہاں میں ڈھونڈنا ناممکن ہے تم بس یہ دعا کرو کہ وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو اور..... شہباز نے گہرا سانس لے کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ صاحباں اندر کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ تھکا تھکا سا سایہ جلدی صحن کی مدھم روشنی میں گم ہو گیا۔

(اس دلچسپ داستانِ حیات کا باقی آئندہ ملاحظہ فرمائیں)

Digitized by Google

مٹی کی محبت

وہ ہستی جو کائنات کی سردار تھی ایک جملے کی صورت مٹی سے محبت کا درس دے گئی۔ ''مکہ تو مجھے روئے زمین پر سب سے پیارا ہے مگر کیا کروں تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔''



احمد سجاد بابر

پیاس، حلق میں پڑتے کانٹے، نس نس سے اٹھتی اذیت کی لہر، بدن میں گڑتے دھوپ کے نیزے، لیرولیر لباس، زخموں سے چھلنی جسم..... وہ ہوش اور بے ہوش کے درمیان کہیں پر موجود تھا، جیسے وہ تھا بھی اور نہیں بھی۔

''پان..... پانی، پانی.....''

ایک تیز کراہ کے ساتھ اس کے پپڑی اور خون جمے ہونٹوں سے مدہم سی سسکاری نکلی۔

مگر کون سنتا، دور تک بس موت ہلکورے لے رہی تھی۔

ایک دم جیسے زمین و آسمان کسی گیند کی طرح گھومے..... وہ دوبارہ بے ہوشی کے سمندر میں ڈوب چکا تھا، شاید کبھی نہ ہوش میں آنے کے لیے!!

''جانے میں کہاں ہوں''

ہوش کی لہر دوبارہ آئی..... جسم کسی پکے پھوڑے کی مانند دُکھ رہا تھا، حلق میں کانٹوں کا جنگل اُگ آیا تھا۔ آنکھیں کھولنے کی ہمت نہیں تھی، جسم پر جگہ جگہ لہو کی چپچپاہٹ تھی۔

چاروں طرف لہروں کا شور تھا، یہ شور اس کے اندر پاؤں جما کر بیٹھ چکا تھا۔ جب کبھی تھوڑا سا ہوش آتا، یہی شور اور مچھلیوں کی بساند محسوس ہونے لگتی۔ کبھی جسم میں یخ بستگی سرایت کرنے لگتی تو کبھی دھوپ کا آتش فشاں دہکنے لگتا۔

''ہوا کیا تھا میرے ساتھ.....''

اس نے ذہن پر زور دینا چاہا مگر سوچیں بھی منجمد سی ہو چکی تھیں۔ بس زیادہ زور دینے پر ذہن میں ایک کچے آنگن اور کچھ پریشان چہرے ہلکورے لینے لگتے، ہوش کا دقفہ ہی اتنا کم ہوتا تھا کہ تسلسل سے سوچنا محال تھا۔

''اللہ..... میرے اللہ''

اس کے منہ سے کراہ نکلی اور ہوش کا رابطہ پھر سے کٹ گیا۔

بے ہوشی میں بھی اس کا لاشعور جاگ رہا تھا..... کچے آنگن میں نیم کا درخت، دو مضبوط ہاتھ اسے اچھال اچھال کر گرنے سے پہلے تھام

Digitized by Google

لیتے تھے۔

''اماں میں نے لالو لال شربت پینا ہے، خوب ٹھنڈا اور خوب میٹھا''

ایک پاؤں سے ننگا اور ایک پاؤں میں جوتا پہنے بچہ اٹھلاتا ہے اور ماں اسے سینے سے چمٹا لیتی ہے۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، ابھی بنا دیتی ہوں اپنے پُتر کو''

منظر پھر بدلتا ہے

توے سے اترتے گرم گرم پراٹھے کے لیے پانچ سالہ بچہ اور تین سالہ بچی جھگڑ رہے ہیں، آخر بچی اپنا پراٹھا بھائی کو دے دیتی ہے۔

ماضی کے فلیش، ان کی اذیت، کچھ کھو دینے کا احساس..... رائیگانی، رائیگانی لکھ رہے تھے۔ بے ہوشی میں بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

''اماں، ابا.....'' وہ کراہا۔

☆.....☆.....☆

''ابا، یہاں رکھا کیا ہے..... بھوک، فاقے، غربت..... جب چاہے پولیس کسی مقابلے میں پار کر دے، اس سے بچ جائیں تو کسی بم دھماکے میں تو مر ہی جانا ہے..... بندہ نہ ریاست سے محفوظ، نہ دہشت گردوں سے..... سانپوں سے بچ کے آئیں تو ڈستے ہیں آدمی''

عاصم نے ایک ہی سانس میں سو خامیاں بیان کر دیں اپنے ملک کی۔



Digitized by Google

''پُتر، اپنا دیس ہے یہ، اوئے جھلیا..... اپنا آنگن اپنا ہوتا ہے، کوئی تھلے سوئے یا اُتے، دھوتی باندھے یا شلوار پہنے..... اوگھر تو اپنا ہے یار''

گل محمد عرف گلو نے بیٹے کی کمر پہ ہاتھ مارا اور ہنسنے لگا، مگر عاصم کے چہرے پر بکھری سنجیدگی دیکھ کر پھر سے خاموش ہو گیا۔

''ابا، ایک دکان اور ایک بیگھہ زمین کب تک پالے گی ہمیں، عزت کیا ہے ہماری، بلکہ درست سوال تو یہ بنتا ہے اوقات کیا ہے ہماری، خواہشوں کی لوڈ شیڈنگ اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ..... بس، اور پلے کیا ہے ہمارے''

عاصم کے لہجے میں بے زاریاں تھیں۔

''او پُتر، میرا سوہنا پُتر..... اچھا چل تو بتا کہ کیا کریں''

اس کی ماں روز کی طرح باپ بیٹے کی بحث میں شامل ہوتے بولی۔ ساتھ ساتھ وہ چھاج میں چاول بھی پھٹک رہی تھی۔

''زرینہ، تو نہ مُتھا مار، سیانا ہو گیا ہے تیرا پُتر اب، ہم ٹھہرے گنوار جاہل..... روٹی پہ ترکاری رکھ کے کھانے والے، کرلے تو اپنی، جا کرلے جو کرنا ہے''

گل محمد نے بھیگے لہجے کے ساتھ بات ختم کی۔

''ابا، میں نے یورپ جانا ہے..... مجھے ایک لاکھ دینے کہیں سے بھی، ایجنٹ نے رعایتی ریٹ بتایا ہے''

عاصم نے باپ کے ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے کہا۔

یہ بات سنتے ہی گل محمد تڑپ اٹھا۔

''پُتر، تو نظر کے سامنے تو ہے..... کہاں جانے کے پیسے دیکھ رہا ہے تو، جہاں جانے والے کبھی واپس آتے نہیں دیکھے..... رہن دے پُتر، روکھی سوکھی کھا کے یہیں کر لیں گے گزارہ، ویہڑے سے دور نہ جا پُتر''

گلو کا چہرہ رونے والا ہو گیا بیٹے کی بات سن کے۔

''میں نے جانا ہے ابا، ایک سال سے اوپر ہو گیا ہے ایم اے کر کے جوتیاں چٹخاتے، بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے، یہاں کچھ نہیں رکھا''

عاصم نے چارپائی کے بازو پر زور سے ہاتھ مارا

وہ ایسا ہی تھا، لمحے میں جذباتی ہو جانے والا۔

بھائی کا فیصلہ سن کر برآمدے کے پلر سے لگی صفیہ رونے لگی۔ جیسے کسی نے موت کی سزا سنا دی ہو۔

''یہ آخری فیصلہ ہے تیرا''

گل محمد نے بیٹے کی طرف امید بھری، منت بھری، ترلے کرتی نظروں سے دیکھا۔ کیا کچھ نہ تھا اس کی نظروں میں، سب کچھ صاف صاف لکھا تھا، مگر عاصم پڑھنا ہی نہ چاہتا تھا۔

''ہاں ابا، یہی فیصلہ ہے میرا..... ابا مجھے روکنا مت..... کچھ نہیں ہے ابا یہاں، نرے دھکے ہیں بس''

عاصم نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

''پُتر..... مجھے علوم ہے کہ اب تم نے رُکنا نہیں..... پر ایک گل یاد رکھنا..... کبھی اس دھرتی کو پار کرو تو ایک واری رُک کے، پیچھے مڑ کے دھرتی نال معذرت ضرور کرنا پُتر.....''

گلو رونے کو ہو رہا تھا۔ اکلوتے بیٹے نے فیصلہ جو سنا دیا تھا۔

''ابا، اس سے کیا ہو گا، پیچھے دیکھنے سے..... معذرت اور وہ بھی بے جان مٹی سے''

Digitized by Google

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اِطا کیہ سے شام کا ارادہ کر کے چلے تو تھک گئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اس پہاڑ کی وادی میں میرے اِدھر اُدھر کے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ وہیں میرا ایک بندہ بھی ہے۔ اس سے سوار ہونے کے لیے کوئی شے لے لیجیے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ جب وہاں پہنچے تو وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے اس سے فرمایا۔ ''اے بندۂ خدا مجھے سواری چاہیے۔'' اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا چلا جا رہا ہے۔ اس نے کہا۔ ''اے بادل کے ٹکڑے! اتر آ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو جہاں چاہتے ہوں پہنچا دے۔ چناں چہ وہ ابر اتر کر زمین سے لگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر سوار ہو کر چل دیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ واجب الوجود جل جلالہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ ''آپ جانتے ہیں میں نے یہ مرتبہ اسے کیوں عطا فرمایا؟''

عرض کیا۔ ''اے رب! نہیں'' ارشاد ہوا کہ ''مرتے دم اس کی ماں نے ایک حاجت چاہی تھی اس نے وہ حاجت فوراً پورا کر دی تو اس کی ماں نے اسے دعا دی تھی کہ ''اے اللہ تبارک وتعالیٰ جیسے اس نے میری حاجت پوری کی ہے آپ اس کی حاجت پوری کیجیے۔'' اگر یہ مجھ سے بھی درخواست کرے کہ آسمان کو زمین پر الٹ دیں جب بھی منظور کر لوں۔''

(محمد یوسف علی کی تحریر ''اسلام میں والدین کے حقوق'' سے اقتباس)

مرسلہ: حنا شکیل۔ ملتان

عاصم نے الجھے لہجے میں باپ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیونکہ بہت پہلے..... پُتر ایک اندھیری رات میں..... کسی نے کہیں سے جاتے ہوئے ایسے ہی مڑ کے دیکھا تھا۔ کچھ کہا تھا''

گلو نے عاصم کو گلے سے لگا لیا، آنسو اس کی آنکھوں سے ایسے گر رہے تھے جیسے تیز ہوا میں درخت سے پتے گرتے ہیں۔ زرینہ بھی کھڑی روئے جا رہی تھی۔

عاصم کو لگا کہ یہ جملہ بچپن میں اس نے کسی اور سے بھی سنا تھا یا کہیں پڑھا تھا مگر اس وقت کہیں ذہن کی بھول بھلیوں میں گم ہو چکا تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

''ابا! کچھ نہیں پر کھا ان باتوں میں، اب تو دنیا ایک گاؤں کی طرح ہو چکی ہے اور رہا دین سے محبت، تو یہ بھرے پیٹ والوں کے چونچلے ہیں۔ خالی پیٹ تو بس روٹی روٹی ہی پکارتا ہے''

عاصم نے زبان سے نشتر چلا دیے۔

گلو بے بسی سے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ لفظ ڈھونڈ رہا تھا لرزتے ہونٹوں سے
ضعیف باپ کو بیٹے سے بات کرنی تھی

☆.....☆.....☆

لانچ کے تہہ خانے میں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھسے تیس افراد، پھلیوں کی ناگوار بو، بار بار بالائی منزل سے جھانکتا بلوچ ایجنٹ..... تین دن اور تین رات سے وہ مسلسل سفر میں تھے، ترکی سے یونان میں داخل کرانے کا وعدہ کیا تھا ایجنٹ نے، سب کے چہرے خوف، امید، وحشت، بھوک اور پیاس سے بگڑے ہوئے تھے۔ اس تمام سفر میں انہیں چند گھونٹ پانی کئی گھنٹوں بعد دیا جاتا تھا، کھانے کے نام پر اکثر بسکٹ ہی دیے جاتے تھے۔ ان سب کا وزن تیزی سے گر رہا تھا۔ اکثر کے معدے سمندری سفر کی وجہ سے ڈسٹرب تھے۔ اوپر سے سوچوں کا بوجھ انہیں کھا رہا تھا

''کیا ہو گا'' یہ سوال ان پر عفریت کی طرح چھایا ہوا تھا۔

''مجھے لگتا ہے ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے''

Digitized by Google

پندرہ سالہ یاسر نے عاصم کے کان میں سرگوشی کی۔ یاسر کا تعلق راجن پور سے تھا، والدین کے قرض، بہنوں کی شادی کے مسائل نے اسے وقت اور عمر سے کہیں آگے کھڑا کر دیا تھا۔ سود پر قرض لے کر اس نے ایجنٹ کو پیسے دیے تھے۔ والدین کے روکنے کے باوجود ایک رات وہ چوری چھپے نکل آیا تھا، عبدالرحمن کا تعلق ملتان سے تھا، اس کا والد ہاکر تھا، وہ بھی خواہشوں کا قیدی تھا۔ چاروں صوبوں کے لوگ یہاں جمع تھے اور سب کی ایک سی کہانی تھی۔

''لگتا تو مجھے بھی یہی ہے، مگر انتظار کے سوا اب رستہ بھی تو نہیں''

عاصم نے تلخ لہجے میں کہا۔

عاصم کو پتہ تھا کہ ان کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہو چکا ہے، اب وہ قیدی ہیں اور جانے دنیا کے کس بازار میں بیچ دیے جائیں۔ تہہ خانے میں دن اور رات کا فرق ختم ہو چکا تھا، ایسے لگتا تھا کہ اب لانچ کا بدبودار، سیلن زدہ تہہ خانہ ہی ان کا مدفن بنے گا۔ ان کا بنگالی رکھوالا دن میں دو مرتبہ تہہ خانے کا ڈھکن کھسکاتا اور کھانے پینے کے ناکافی پیکٹس اندر پھینک کر ڈھکن بند کر دیتا، اچھے دنوں کے خواب تو بہت پیچھے رہ گئے تھے، اب تو لڑ جھگڑ کر سکٹ ہاتھ لگ جانا ہی کامیابی تھی۔ عاصم دیوار سے لگا اپنے ہم جنسوں کو کتوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ کھسوٹ کر بسکٹوں کے لیے لڑتے دیکھتا رہتا، آنکھوں میں ناچتی وحشت اسے زندگی کا ایک نیا روپ دکھا رہی تھی۔ کوئی ان کے پاس آتا تو وہ پوچھتے کہ یونان کتنی دور رہ گیا ہے۔ ایسے میں عاصم کمر کا دیوار سے ٹکائے دور ایک صحن میں پہنچ جاتا۔ روتی ہوئی ماں حوصلہ دیتے دیتے بار بار آنسو پونچھتا بوڑھا باپ اور پلر سے لگی چھوٹی بہن صفیہ..... اسے کیا خبر تھی کہ جنت خریدنے کے لیے وہ جنت کو ٹھکرا آیا ہے، ایک جملہ ہر وقت اس کے ذہن پر ٹکراتا رہتا تھا۔

''بہت پہلے..... اندھیری رات تھی..... کسی نے جاتے ہوئے مڑ کر دیکھا تھا اور اپنی دھرتی سے معذرت کی تھی''

''کیوں کہا تھا اس نے ایسا..... کون تھا وہ، کب کی بات ہے''

اسی سوال کے جواب کی تلاش میں عاصم کی سوچوں کا پرندہ پنجرے کی دیواروں سے پر ٹکراتا نڈھال ہو کر گر جاتا۔

☆.....☆.....☆

جانے وہ رات کا کونسا پہر تھا جب وہ سب آدھے سوئے آدھے جاگے تھے، میگا فون پر ایک کرخت آواز تھی شاید۔ عاصم کا شعور اچانک مکمل بیدار ہو گیا۔ تہہ خانے کے باہر بھگدڑ اور دوڑتے قدموں کی آوازیں محسوس ہو رہی تھیں، ساتھ میں دبی دبی آوازیں۔ میگا فون پر بار بار لانچ کو روکنے کے لیے وارننگ دی جا رہی تھی، شاید کسی ملک کی بحری پٹرولنگ فورس تھی۔

''پوزیشن سنبھال لو، ہم نے مقابلہ کرنا ہے''

ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی، یہ شاید لانچ کا مالک تھا۔

''پاگل ہوئے ہو کیا، مارے جائیں گے، ہتھیار ڈال دینا ہی بہتر ہے''

ایک اور آواز عاصم کی سماعت سے ٹکرائی تو اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ تہہ خانے میں سب کے چہرے زرد پڑ چکے تھے۔

''وائٹ پاؤڈر کا ہاتھ لگنا ہماری موت ہی ہے، لگتا ہے پکی مخبری ہوئی ہے۔ میزائل فٹ

Digitized by Google

کرو۔''

وہی پہلی آواز دوبارہ سنائی دی۔

عاصم ششدر رہ گیا، وہ لوگ کسی ڈرگ مافیا کے ہاتھ چڑھ چکے تھے اور اب شاید کسی ملک کی انٹی نارکوٹکس ایجنسی ان کا راستہ روک رہی تھی، انہیں تو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ اس وقت کہاں ہیں۔

''گڈی، میری گڈی..... اب کون تیرا لال جوڑا خریدے گا، کون تیرے گہنے بنائے گا۔''

یہ بہاولپور کا رحیمو تھا، جو سود کا قرضہ اتارنے اور بیٹی بیاہنے کے خواب سجائے نکلا تھا، اس وقت وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ موت سامنے تھی۔ روتے روتے وہ پہلو کے بل فرش پر گر پڑا، اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھرا تھا۔

عاصم کا جسم جیسے شل ہو گیا تھا۔

ایک کچا صحن، ماں کے ہاتھ کی سوندھی خوشبو والی روٹی، ناز اٹھاتا بوڑھا باپ، گھر کا اناج، عزت سے سلام کرتے محلے دار..... اور بھلا کیا چاہیے تھا زندگی گزارنے کو!!

''کہاں رہ گئی زندگی۔''

ایک کراہ عاصم کے منہ سے نکلی، جیسے زندگی نے سسکی بھری ہو!!

دونوں طرف سے فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ لانچ والے بھی مکمل تیاری کے ساتھ تھے۔ کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا، لیکن گروہ کا ملک سے کیا مقابلہ، تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ساعت شکن دھماکا ہوا، ایسے لگا کہ ان کے سر پر آسمان ٹوٹ کر آن پڑا ہو، جیسے ان کے جسم تنکوں کی طرح ہوا میں بکھر گئے ہوں، یہی آخری احساس تھا جو عاصم کو ہوا۔

☆.....☆.....☆

ایک تختے پر تیرتا وجود، جسم پر لباس کے نام پر چیتھڑے، پور پور زخموں سے چُور، جسم میں مقید صدیوں کی پیاس، ہواؤں اور لہروں کا شور، بھوک، نقاہت سے کھنچتی رگیں..... شاید پوری لانچ سے صرف عاصم ہی زندہ بچا تھا، زندہ کہنے کی بجائے زندگی اور موت کے بین بین جھولتی روح کہنا زیادہ مناسب لفظ تھا۔ وقفے وقفے سے ایک کراہ اس کے اندر سے پھوٹتی تھی اور ہونٹوں تک آتے آتے بے بسی سے دم توڑ جاتی تھی۔ جسم کے زخموں پر نمکین پانی تیزاب کی طرح لگتا تھا۔ پھوڑے کی طرح دکھتے جسم کے ساتھ اسے ہوش تو آ گیا تھا مگر وہ نقاہت کے مارے حرکت نہیں کر سکتا تھا، لانچ کا ٹوٹا ہوا حصہ اسے بہائے لیے جا رہا تھا اور وہ ادھ کھلی آنکھوں سے بس آسمان کو تک رہا تھا۔ دور تک سمندر تھا، جانے کونسی سرزمین تھی، جانے وہ کہاں تھا، ساتھیوں کا کیا بنا، کتنے بچ پائے، کتنے گرفتار ہوئے، بندے تو شاید کچھ بچ گئے ہوں لیکن خواب سارے ہی مر گئے۔ ماضی اسے ذہن میں فلیشز (Flashes) کی طرح کوندتا تھا، وہی ایک جملہ تھا جو اسے لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔

''کیونکہ بہت پہلے..... پُر ایک اندھیری رات میں..... کسی نے کہیں سے جاتے ہوئے ایسے ہی مڑ کے دیکھا تھا..... کچھ کہا تھا''

اس سوال کا جواب جانے کب ملے گا۔ جانے وہ کچا آنگن پھر ملے گا یا یہیں مچھلیوں کی خوراک بننا اس کا نصیب ہے۔ اس کا ان پڑھ سادہ لوح باپ جو اس کے سر پر سائبان کی طرح تھا، جس کی باتیں زندگی سے بھرپور تھیں مگر عاصم نے کبھی زندگی کی تو خواہش ہی نہیں کی۔ اس نے تو دولت کی چاہ کی تھی۔ اس لمحے اس کا دل بھر آیا۔

Digitized by Google

''مالک.....ایک موقع، بس ایک موقع۔۔۔لپیٹ میں لے لیا۔
اور.....''

عاصم کے اندر کوئی رویا۔اس نے دور تک دیکھا۔لہروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا!!

اچانک بہت دور سے ایک ہیولہ سمندر پر تیرتا دکھائی دیا۔عاصم نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا، شاید اس کا وہم ہے یا پھر واقعی کوئی جہاز ہے' ہیولہ واضح ہوتا چلا گیا۔عاصم نے بے اختیار آنکھیں ملیں، شاید یہ دعا کی قبولیت کی گھڑی تھی۔اس کے اندر جیسے توانائی کی لہر سرایت کر گئی، وہ بمشکل کہنی کے بل اٹھا، سر گھومنے گا مگر اسے معلوم تھا کہ یہ آخری چانس ہے۔

اس نے اپنی چیتھڑا ہوئی شرٹ اتاری اور ایک ہاتھ سے بلند کر دی۔شاید کسی کو نظر آجائے۔جہاز کا عرشہ اسے دکھائی دے رہا تھا، جہاز نے اس سے بہت دور سے گزرنا تھا اور یہی ہوا' جہاز نے دائرے کی شکل میں چکر کاٹا اور اس سے دور ہونے لگا۔وہ مایوس ہونے لگا، اس کا ہاتھ شل ہو رہا تھا، محنت اکارت جاتی نظر رہی تھی، مایوسی کی ایک لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا' اچانک اسے لگا کہ جہاز سمت بدل رہا ہے، اس کی آنکھوں میں پھر سے امید کی جوت جل اٹھی۔

اس نے زور و شور سے شرٹ کو لہرانا شروع کر دیا۔جہاز قریب آتا جا رہا تھا، خوشی کی ایک لہر پل کی پل میں دل سے اٹھی اور آنکھوں سے ساون بھادوں بن کر بہنے لگی۔

اچانک اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، سانس جیسے رک سا گیا، سمندر خاموش، ہوا ساکن، فضاء ساکن، حیات منجمد ہو گئیں' جہاز پر سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا' تشکر کی لہر نے اسے

اسے اپنے رب پر بے انتہا پیار آیا جس نے اسے ایک موقع اور دیا تھا، اس وقت اسے اپنے باپ کی بات کی صداقت کا احساس ہوا جس نے کہا تھا کہ دھرتی سے معذرت ضرور کرنا، اس وقت اُسے اس سبز کپڑے اور اس پر بنے چاند تارے کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا، اس کی خوشی کئی گنا بڑھ چکی تھی!!

جب اسے ایک جال کی مدد سے جہاز پر کھینچا گیا تو عرشے پر ڈھے سا گیا، اس کے چاروں طرف سفید یونیفارم پہنے پاکستان نیوی کا عملہ تھا، وہ لیٹے لیٹے سجدے میں گر گیا، اسے یوں لگا جیسے اس کا رب اس کے بہت قریب کھڑا ہے، شاید اس سانسوں میں ہے یا پھر شاید خون میں رواں ہے، پھر اس کے ذہن میں ایک جھماکہ ہوا.....اسے وہ بات بھی یاد آ گئی جس نے کئی دنوں سے اسے بے چین کر رکھا تھا۔اپنی مٹی، اپنا گھر، اپنا دیس، اس سے بڑھ کر بھلا کچھ کیسے ہو سکتا ہے۔ہاں وہ چودہ سو سال پہلے کی ایک تاریک رات تھی۔جانے والا رُکا تھا، جانے والا پیچھے بھی مُڑا تھا، اس کی آواز بھی بھیگی تھی، اس کے قدم بھی رُکے تھے، اس نے بھیگی آواز سے وہ جملہ کہا تھا۔

''اے مکہ تو مجھے روئے زمین پر سب سے پیارا ہے، مگر کیا کروں تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے''

وہ ہستی جو کائنات کی سردار تھی، اس ایک جملے کی صورت میں مٹی سے محبت کا وہ درس دے گئی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا، اگر کوئی اسے سمجھنا چاہے تو!!

☆☆.....☆☆

Digitized by Google

افسانہ

مریم شہزاد

ناامیدی کا سفر

ایشال ظفر بھی ایک نامور مصنفہ تھی۔اس کی تحریر اچھوتی اور انجام گنگ کر دینے والے ہوتے تھے مگر ایک روز وہ خود ایک عام سی کہانی بنتے بنتے رہ گئی.....



Digitized by Google

مشہور ڈرامہ رائٹر ایشال ظفر کی خودکشی کی کوشش

ایشال ظفر کی جان بچانے کی پوری کوشش کی جارہی ہے

کوئی بھی خودکشی کی وجہ نہ جان سکا۔

اور ناظرین آپ کو ایک بار پھر خبر دے رہے ہیں مشہور ڈرامہ رائٹر ایشال ظفر.....

میں نے گھبرا کر ٹی وی بند کردیا۔

ہر چینل ہر نیوز کاسٹر چیخ چیخ کر ایک ہی خبر بار بار نشر کررہا تھا ایشال ظفر کی ہنستی مسکراتی تصویر کے ساتھ اس کی اسپتال کے آئی سی یو کے سبز لگی تصویر بھی نشر کی جارہی تھی۔

کیوں کیا ایشال نے ایسا؟

''وہ ایسی تو نہ تھی''

''وہ تو مجھ سے ہر بات کہہ دیتی تھی پھر کیا ہوا اچانک؟''

''نجانے کتنے ہی سوال میرے ذہن میں کھلبلی مچا رہے تھے۔

''مجھے جانا چاہیے اس کے پاس' مگر.....''

میں نے سوچا۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو میں اس سے ملی تھی' ہمیشہ کی طرح پرامید نئے نئے ٹاپک پر لکھنے والی' ہر چیز کو نئے زاویے سے دیکھتی' سب طرف سے داد پاتی' سب کا یہی خیال تھا کہ بالکل اچھوتا خیال ہوتا ہے اس کی کہانیوں کا۔''

اور کل تو ایوارڈ کی تقریب تھی کتنی پرامید تھی وہ' اور کیسی باوقار لگ رہی تھی جب اس نے مجھے اپنی تصویر شیئر کی تھی' کیسی چمک تھی ان کی آنکھوں میں اس کے چہرے کو دیکھ کر ہی انسان میں جی اٹھنے کی تمنا جاگ جاتی تھی۔

''پھر یہ ناامیدی کا سفر کیوں؟''

''کیا ایوارڈ نہ ملنے کی وجہ سے؟'' میں نے خود سے سوال کیا

''نہیں' نہیں وہ ایسی تو نہیں تھی' دل نے فوراً ہی اس خیال کو رد کردیا۔

''پھر ایسا کیا ہوا؟'' میں اپنے آپ کو مطمئن نہ کرپائی تو میرے قدم خود بخود اسپتال کی طرف اٹھ گئے۔

میں جو اس کی بیسٹ فرینڈ تھی اس کی ہر بات غور سے سننے والی میں اسپتال پہنچی' وہ آئی سی یو میں ہی تھی میں نے ایک نظر اس کو باہر سے دیکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئی اس کا شوہر ظفر' بچے سب پریشان تھے مجھے کسی سے کچھ نہیں پوچھنا تھا کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی' وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہو' بچوں نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا' مگر میں صرف انکار میں گردن ہلا کر رہ گئی آخر ظفر بے چینی سے میرے قریب آیا

''کوئی بات کی تھی اس نے آپ سے'' اس نے مضطرب لہجے میں پوچھا

مگر میرے انکار کے بعد وہ اور پریشان ہوگیا

''پھر کیوں کیا اس نے ایسا' وہ ایسا کیسے کرگئی'' اس کا دوسرا سوال تھا اور لہجے میں بے چارگی تھی میں اس کو کیا جواب دیتی میں تو خود لاعلم تھی۔

چوبیس گھنٹے اہم تھے اس کی زندگی کے لیے ہم سب دعا گو تھے نہ جانے قدرت کو کیا منظور تھا مگر ہم سب کی دعائیں رنگ لائیں جلد ہی ڈاکٹر نے اس کی زندگی بچ جانے کی خوشخبری دی تو سب کے چہروں پر رونق لوٹ آئی۔

''مگر ابھی کوئی مریض سے زیادہ سوال جواب نہ کرے'' ڈاکٹر نے سختی سے کہا'' اور کم سے کم بات

Digitized by Google

چیت ہو۔"

پورا ہفتہ ہسپتال میں گزار کر ایشال ظفر گھر آ گئی دوسرے ہی دن اس کا فون آ گیا

"آؤ گی نہیں اب تو میں گھر آ گئی ہوں" اس کے لہجے میں نقاہت تھی۔

"کیوں نہیں آؤں گی کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بلاؤ اور میں نہ آؤں" میں نے کہا "بس آدھے گھنٹے میں پہنچتی ہوں"

"میں انتظار کر رہی ہوں" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد میں اور وہ آمنے سامنے تھے۔

ادھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اچانک ہی ایشال نے پوچھا۔

"پوچھو گی نہیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں پوچھوں؟ کیا مجھے بھی پوچھنے کی ضرورت ہے؟ تم کو خود بتانا چاہیے ایسا غلط قدم ایشال ظفر نے کیسے اٹھایا؟" میں نے خفگی سے کہا۔

"ہاں بس یہی غلطی تو ہو گئی اگر اسی دن تم کو فون کر لیتی دل کی بھڑاس نکال لیتی تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ مگر شاید میں خود بھی اپنی کیفیت سمجھ ہی نہیں سکی مجھے غصہ نہیں تھا مگر وہ کچھ اور ہی تھا' ایسا لگ رہا تھا کہ عجیب سی تکلیف ہے جس کو میں اکیلے ہی سہنا چاہ رہی ہوں"

"مگر تم تو اتنی پرامید ہر چیز کا مثبت رخ دیکھنے والی' تم ایسا کیسے کر گئیں" میں نے کہا

"اس دن ایوارڈ تھے' مجھے ہرگز امید نہیں تھی کہ مجھے کوئی ایوارڈ ملے گا کیونکہ ہمیشہ تکلیف دہ کہانیاں اور ڈرامے ہی انعام کے حقدار ہوتے ہیں وہی افسردہ کر دینے والے انجام ججز کو پسند آتے ہیں اور میں کتنا بھی لکھ لوں انجام دردناک نہیں کر سکتی' تم کو معلوم ہے کہ میں ایک مثبت سوچ' ایک پرامید' نیا موضوع ہی چنتی ہوں بہت دماغ چلتا ہے نا میرا" وہ ہنسی۔

"ساس بہو کے مسئلے کو بھی میں پوزیٹو ہی لیتی ہوں اس لیے مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ میرا کوئی ڈرامہ ایوارڈ کا حقدار بنے گا۔"

"پھر....." میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پھر کیا' تیسرا انعام رضا فاروقی کو ملا' چلو وہ لکھ رہا ہے نارمل انداز میں کبھی ہلکا کبھی بھاری' سب کی ڈیمانڈ کے مطابق' دوسرا انعام شہناز حسن کو مل گیا جو سال میں ایک ہی ڈرامہ لکھتی ہے اور ایوارڈ لے جاتی ہے دو سال پہلے بھی یہی ہوا تھا نا! مگر جب پہلا انعام صبیحہ نسیم کو ملا تو جانو میں ٹوٹ گئی' بکھر گئی' وہی پرانے گاؤں کی کہانی' وہی ظلم کی چکی' وہی عورت کی بے حرمتی' اور آخر میں دردناک انجام یاد ہو گا نا تم کو بھی کیسا ڈرامہ تھا تکلیف دہ..... یار کیا لوگ آگے بڑھنا نہیں چاہتے؟ کیا ہمیشہ وہی گھسے پٹے موضوعات کو لے کر ہی چلتے رہیں گے؟..... میں ہار گئی سنبل..... میں ہار گئی' تقریب سے آ کر میں بالکل چپ تھی۔ سب کے پوچھنے پر میں نے کہا کہ میں بہت تھک گئی ہوں' میں سونا چاہتی تھی مگر نیند مجھ سے کوسوں دور تھی' پھر میں نے سلیپنگ پلز لی' ایک کھائی مگر نیند کی دیوی پھر بھی مہربان نہ ہوئی پھر ایک کے بعد دوسری' تیسری اور نہ جانے کتنی ہی کھالیں مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلا اور جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ میں بھی کہانی بنتے بنتے رہ گئی' ایک روتی شکل غمگین کہانی' پھر مجھے پتا چلا کہ "امید سے ناامیدی کا سفر کیسا ہوتا ہے۔"

Digitized by Google

غزل

ظفر محمد خان ظفر

صُورت کے لیے ہُوں نہ شباہت کے لیے ہُوں
اِک شیشہ فقط سنگِ عِنایت کے لیے ہُوں

کِس طرح گُورتے ہیں شب و روز تُمہارے؟
مَیں تو غمِ ہجراں کی اَمانت کے لیے ہُوں

بیکار وَرق جان کے ردّی میں نہ پھینکو
آیاتِ محبّت کی عِبارت کے لیے ہُوں

اَوّل تو مجھے سنگ سمجھنا ہی غلط ہے
اور سنگ ہی سمجھو تو عقیدت کے لیے ہُوں

جب تک ہے دھڑکتا ہُوا سازِ دلِ ہستی
اِک نغمۂ پُرسوز سماعت کے لیے ہُوں

ہر حادثۂ وقت گُزرتا ہے یہ کہہ کر
اے دیدہ ورو! دیکھنا! عبرت کے لیے ہُوں

مُجھ سے ہی ظفر نُور کے مینار ہیں قائم
اور مَیں ہی اَندھیروں کی ضیافت کے لیے ہُوں

☆☆☆

''اب ریلکس ہو؟'' میں نے پوچھا
''ہاں مگر.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک ہی گئی۔
''مگر؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا
''میں اب شاید لکھنا چھوڑ دوں۔''
''لکھنا چھوڑ دوں کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے'' مجھے شدید دھچکا لگا۔
''کس بات کا مطلب؟ سیدھی سی بات تو ہے' ایشال ظفر کو بات گھما کر کرنی آتی کب ہے'' وہ ہنسی۔
''مگر تمہاری روشن تحریروں کی ضرورت ہے ہمارے معاشرے کو۔'' میں نے احتجاج کیا۔
''اب تم بھی میرا مذاق اڑاؤ گی؟'' اس نے زخمی لہجے میں کہا۔
''اللہ نہ کرے مگر.....''
''مگر کچھ نہیں فی الحال تو ورلڈ ٹور پر جا رہے ہیں ہم'' اس نے حتمی لہجے میں کہا۔
میں پھر ایک کوشش کرنا چاہتی تھی۔
''اچھا ٹھیک ہے جاؤ' گھومو پھرو' انجوائے کرو مگر جب بھی خود کو دوبارہ تخلیق کے لیے آمادہ پاؤ تو لکھنا ضرور.....''
اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور میں بوجھل دل لیے گھر کی طرف روانہ ہو گئی لیکن میرے دل و دماغ میں یہی سوال گردش کر رہا تھا کہ ایشال ظفر دوبارہ لکھ پائے گی؟
اس نے تو امید کا دامن ہی چھوڑ دیا۔ کیا اب وہ بھی ایک مشہور رائٹر سے گمنام رائٹر بن جائے گی؟ میں شاید اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

☆☆

Digitized by Google

مکمل ناول

تحسین انجم انصاری

دلدل



وہ غریب گھر سے تعلق ضرور رکھتی تھی مگر دین کی دولت سے مالا مال تھی..... تبھی تو حلال اور حرام میں فرق کر سکی.....

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

☆.....☆

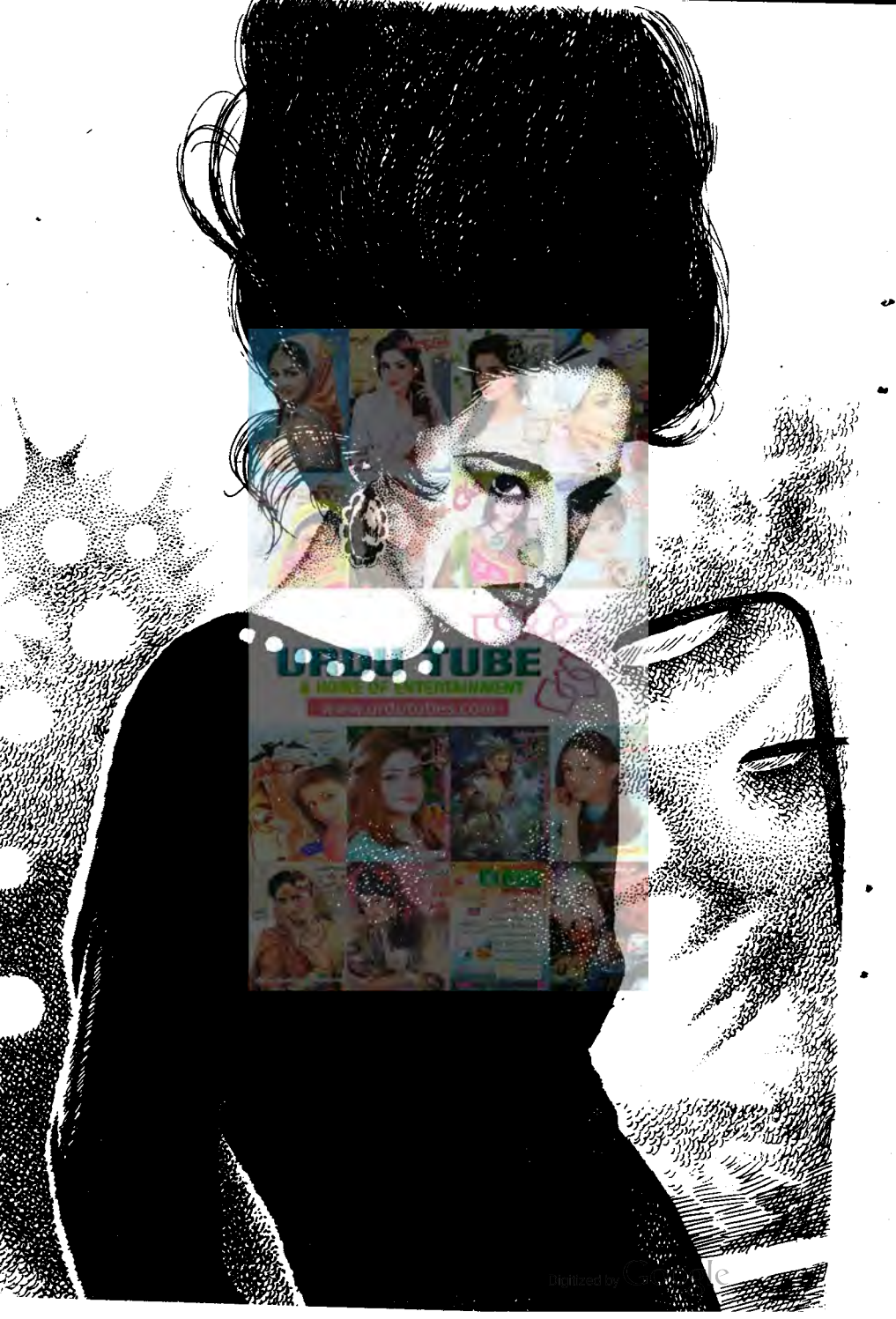
اور حفاظت کرنا تو درکنار وہ تو میری عزت بیچ چوراہے پر نیلام کرنا چاہتے ہیں..... وہ خاموشی سے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھی تو سامنے آئینے میں اپنے عکس پر نظر پڑی۔

''اگر وہ اپنا فرض پورا نہیں کرتا تو کیا تم بھی اپنا فرض پورا کرنے کے بجائے اس سے کنارہ کشی اختیار کرلوگی۔ پھر ثاقب میں اور تم میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ اگر اس دنیا کے آدھے لوگ اس وجہ سے آزاد ہو جائیں ہر طرف نفسا نفسی اور خود غرضی کا عالم ہو..... ہر طرف تباہیاں پھیل جائیں۔''

اس نے ایک طویل اور ٹھنڈی سانس بھری۔ آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

اگر مجھے ثاقب کو اس دلدل سے نکالنا ہے تو خود مضبوط سے اپنے قدم جمائے رکھنے کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا۔

اگر آسمان اس کے سر پر آ گرتا تو وہ اتنی شاکڈ نہ ہوتی۔ اگر زمین اس کے قدموں کے نیچے سے سرک کر اسے گہری کھائیوں میں دھکیل دیتی تو اسے اتنی حیرت نہ ہوتی..... اگر اسے کسی چاقو سے لہولہان کر دیا جاتا تو اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی جو ثاقب کے ان دو جملوں سے ہوئی تھی۔ اسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ اس کے گنہ گار کانوں نے جو سنا وہ اس کے شوہر نے کہا تھا۔ آج سارا دن اس کے دماغ میں یہی طوفان مچلتا رہا تھا۔ اسے ثاقب کو سمجھنے میں غلطی کیسے ہوگئی لیکن ثاقب نے اتنے دن ریستوران میں بیٹھ کر جس ماڈل انسان کا ڈرامہ رچایا تھا اس سے کوئی بھی دھوکا کھا جاتا۔ پھر ابو نے کئی لوگوں سے پتہ کروایا تھا۔ وہ واقعی نماز پڑھنے جاتے تھے۔ جمعہ کی نماز بھی باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں تو یہ سب نقاب


URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

تھا جوانہوں نے چہرے پر چڑھا رکھا تھا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے ابو سے کہا تھا کہ ثاقب Too good to be true.. لگتے ہیں اور واقعی وہی بات تھی۔ وہ اتنا اچھا اس لیے بن رہے تھے اسی لیے جہیز لینے سے انکار کیا تھا کوئی تحفہ بھی نہیں لیا تھا۔ سیما نے اپنے ساس سسر کے بارے میں سوچا۔ وہ کتنے اچھے اور پاکباز انسان تھے پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ باقاعدگی سے تلاوت کرتے تھے۔ غریبوں کی مدد کرتے تھے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کر رہے تھے تو پھر ثاقب کی تربیت میں کہاں غلطی ہوگئی؟ کہاں کمی رہ گئی؟

دروازے کی آواز پر اس کے جسم کا ایک ایک مسل ٹینس ہوگیا۔ سانس جیسے رک گئی۔ وہ دم سادھے بیٹھی رہی کافی دیر باہر مختلف آوازیں آتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اس نے دھیرے سے اٹھ کر باہر جھانکا۔ ثاقب لاؤنج میں صوفے پر پیچھے سر کیے بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ وہ باہر آئی۔

''کھانا لگاؤں؟'' وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

ثاقب نے نظریں نہیں ملائیں خاموش ہی رہے۔

میں کھانا لگاتی ہوں ہاتھ دھو کر آجایئے۔ اس نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ کھانا لگا تو وہ ہاتھ دھو چکا تھا۔ سیما نے ثاقب کے لیے بنا ہوا ڈنر اس کے سامنے رکھا اور اپنی پلیٹ میں اپنے لیے خریدا ہوا پنیر اور بریڈ لے کر بیٹھ گئی۔ ثاقب نے کھاتے کھاتے ادھر دیکھا اور رک گیا۔

''اس کا کیا مطلب ہے'' اس نے سیما کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ میں اپنے لیے خرید کر لائی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی ''برا مت مانیے گا لیکن اس قسم کی کمائی سے خریدا ہوا کھانا میں نہیں کھانا چاہتی۔''

''تو اتنے دنوں تک کیا کرتی رہی ہو؟'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

''بے خبری میں کی گئی غلطی خدا معاف کر دیتا ہے۔''

ثاقب نے غصے سے اپنی پلیٹ اٹھا کر زمین پر دے ماری اور کھڑا ہوگیا۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو اتنی پارسا مت سمجھو خود کو''

''میں پارسا سمجھتی نہیں ہوں خود کو۔ میں پارسا ہوں۔ میں نے بھی ہوسکتا ہے انجانے میں چھوٹی چھوٹی غلطیاں کی ہوں لیکن میری پارسائی اور پاکبازی پر کوئی شک نہیں کرسکتا۔ اور اگر آپ مجھ سے اچھے لہجے میں گفتگو نہیں کر سکتے تو پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔''

''میں تمہیں تنہا چھوڑنے کے لیے یہاں نہیں لایا اور نہ ہی اپنی من مانی کرنے کے لیے۔ تم میں اگر ذرا بھی عقل ہے تو تمہیں یہ بات سمجھ آجانی چاہیے کہ تمہارے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ وہ تمہاری سہیلی نوشین اس کے بارے میں جانتی ہو کہ اس کا شوہر اس پر ہر وقت نوازشات کی بارشیں کیوں کرتا ہے ہر وقت قیمتی ملبوسات جیولری اور تحائف کیوں دیتا ہے''

''اس لیے کہ اس کے پاس بھی غیرت اور ضمیر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بے غیرت انسان ہے وہ''

''تم بھی تو آخر اسی کی طرح کی عورت ہو..... تم میں کوئی ہیرے جواہرات نہیں جڑے اور نہ ہی سرخاب کے پر لگے ہیں'' سیما کی زبان گنگ رہ گئی۔

''میں اس عورت کی طرح نہیں ہوں'' سیما مضبوط لہجے میں بولی ''اور آج میں ایک ہی بار آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں جو آپ چاہتے ہیں وہ قیامت تک نہیں ہوسکتا میرے مرنے کے بعد بھی نہیں ہوسکتا اس لیے ایسا کوئی وہم آپ اپنے دل سے نکال دیں''

Digitized by Google

''پھر مجھے تمہاری کیا ضرورت ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے واپس۔'' وہ سنگدلی سے بولا۔

''میں واپس نہیں جاؤں گی۔''

''میں تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔''

''مجھے آپ کا پیسہ چاہیے بھی نہیں۔''

''پھر زندہ کیسے رہو گی؟''

''میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ میں کام کر سکتی ہوں اور اپنے کھانے پینے کا بندوبست کر سکتی ہوں..... یوں بھی یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے میں پہلے بھی ریستوران میں کام کرتی رہی ہوں۔''

ثاقب نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''بہت بڑھ بڑھ کر بول رہی ہو..... مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی۔ میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔''

سیما سن رہ گئی۔ دم بخود ہو کر اسے دیکھا۔

''اگر آپ نے ایسی کوئی کوشش کی تو میں آپ کے والدین کو سب کچھ بتا دوں گی۔'' سیما کو بھی غصہ آ گیا۔

''تم ایسی جرات نہیں کر سکتیں۔'' وہ چیخ کر بولا۔

''میں کر کے دکھاؤں گی۔''

''تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو؟''

''آپ نے مجھے مجبور کیا ہے۔''

''افوہ..... ثاقب اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کارپٹ پر ادھر ادھر ٹہلنے لگا پھر عین اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ جب میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو تم کیوں زبردستی یہاں رہنے پر تلی ہوئی ہو۔''

''میں زبردستی نہیں آئی یہاں۔ اور نہ ہی ہمارا بندھن زبردستی کا ہے۔ آپ نے مجھ سے شادی کی ہے اور میں آسانی سے آپ کو یوں راہ سے ہٹنے نہیں دوں گی..... میں نے اچھے اور برے وقت میں آپ کا ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدے کو نبھانا چاہتی ہوں ویسے بھی طلاق خدا کے نزدیک ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔''

''تمہیں ملانی بننے کا بہت شوق ہے تو جاؤ کسی مسجد میں وعظ کرو۔''

''اسلام صرف مسجد میں وعظ کرنے کے لیے نہیں اترا تھا۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں عمل کے ذریعے لاگو کرنے کے لیے ہے۔''

ثاقب نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔ جس کو وہ ایک آسان ٹارگٹ سمجھ کر لایا تھا۔ وہ تو اس کے حلق کے عین درمیان پھنس گئی تھی نہ اگلتے بن رہی تھی نہ نگلتے.....

''ایک بات بتائیں گے ثاقب۔ کیا آپ نے گذرے لمحوں میں کسی ایک لمحے میں بھی مجھ سے محبت نہیں کی؟''

''محبت؟ ہونہہ یہ محبت کیا ہوتی ہے؟ اور تم عورتیں اس قابل کہاں ہوتی ہو کہ تم سے محبت کی جائے تم لوگ تو نفرت کے قابل بھی نہیں ہو۔''

''اتنا زہر کس نے بھر دیا ہے آپ کے دل میں۔ آپ کی امی جان اور آپ کی دونوں بہنیں بھی تو عورتیں ہی ہیں آپ خود سوچیے اگر آپ کی بہنوں کے شوہر شادی کے بعد ان سے ایسا مطالبہ کر دیں تو.....؟''

''نام مت لو میری بہنوں کا۔'' ثاقب چیخ کر بولا اور ایک زوردار تھپڑ سیما کے چہرے پر پڑا۔

سیما ششدر اسے دیکھتی رہ گئی پھر اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

''آج تو مار دیا ہے تھپڑ..... لیکن آئندہ ایسا سوچیے گا بھی مت۔ پہلی بار ہے اس لیے معاف کر رہی ہوں آئندہ ایسا ہوا تو سیدھی پولیس کے پاس جاؤں گی۔''

سیما کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

''اپنی بہنوں کی بات پر تو بڑی غیرت آتی ہے یہ نہیں سوچا کہ میں بھی کسی کی بہن ہوں۔ اگر میرے

Digitized by Google

بھائی کوئی ایسی بات آپ کے بارے میں سنیں تو وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔''

سیما کی آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو جمع تھے ثاقب بے چینی سے اسی طرح ٹہل رہا تھا۔

''کیوں اتنی غلط راہوں پہ چل پڑے ہیں۔ صرف ایک عورت نے دھوکا دیا ہے آپ کو اور آپ دنیا کی ساری عورتوں سے متنفر ہوگئے ہیں۔ کبھی کسی وفادار ہستی کو آزمایا ہوتا۔ اتنا کمزور کردار تو نہیں ہونا چاہیے ایک مرد کا۔ آپ کے والدین کتنے نیک ہیں۔ انہوں نے آپ کی اچھی ہی پرورش کی ہوگی لیکن اگر وہ آپ کے کاموں سے باخبر ہوں گے تو کیا سوچیں گے۔ یہی نا کہ ان کی پرورش میں کوئی کمی رہ گئی ہے وہ تو جیتے جی مر جائیں گے۔ یہ صدمہ برداشت نہیں کرسکیں گے۔''

ثاقب خاموش تھا۔ پتہ نہیں اس کے پاس جواب نہیں تھا یا وہ جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔

سیما نے بات جاری رکھی۔

''مجھے پتہ ہے پاکستان میں کم عمری میں آنے والے لڑکے جب یہاں کی چمک دمک اور رنگینیاں دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ وہ بھوکے جانوروں کی طرح ان رنگینیوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ آزادی کی نیلم پری پوری طرح انہیں اپنے پروں میں جکڑ لیتی ہے۔ وہ اس طرح مدہوش ہوتے ہیں کہ انہیں اچھے برے کی پہچان نہیں رہتی۔ وہ دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لڑکے جو ہر طرح کی اخلاقی گراوٹوں کا شکار ہوچکے ہوتے ہیں وہ بھی جب شادی کرنا چاہتے ہیں تو ان کا خیال کسی پاکباز لڑکی کی طرف ہی جاتا ہے خود کچھ بھی کرچکے ہوں بیوی ان کو پارسا ہی چاہیے ہوتی ہے۔ لیکن آپ مجھے آپ کی بالکل سمجھ نہیں آئی ثاقب۔ اس دھوکے باز اور بے وفا لڑکی کو بھول جائیں۔ دنیا میں اچھی لڑکیاں بھی ہیں بلکہ زیادہ لڑکیاں اچھی ہی ہوتی ہیں میں آپ کے لیے ہر چیز کی قربانی دینے کو تیار ہوں سوائے اس کے جو آپ چاہتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جائیں مجھے زیادہ آسائشیں نہیں چاہئیں میں کم پر بھی گزارا کرسکتی ہوں بس آپ سیدھی راہ کی طرف لوٹ آئیں۔

''اوہ بس کرو۔'' وہ عاجز آ گیا۔ ''میرے سامنے لمبی تقریریں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ اسے غصے سے دیکھتا باہر نکل گیا۔

اور وہ بے بس اور لاچار بے جان انداز میں صوفے کے کونے پر ٹک گئی۔

☆.....☆

صبح وہ کام پر جانے لگا تو وہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''چونکہ آپ میرے شوہر ہیں اس لیے نوکری کرنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت درکار ہے۔''

''خوب.....'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا ''بڑی پتی ورتا بن رہی ہو اس وقت۔''

''میں اچھی بیوی بننا چاہتی ہوں ثاقب''

''تو کل جو مجھے اتنا کچھ سنا رہی تھیں''

''تو کیا بیوی کی کوئی عزت نہیں ہوتی؟'' اس نے براہ راست ثاقب کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کل جو کچھ میں کہہ رہی تھی وہ اپنی عزت نفس قائم رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔''

''تو پھر میں آپ کے والدین سے حقیقت بیان کردوں گی۔''

''تم تو واقعی بلیک میلنگ پر تل گئی ہو۔''

''آپ بات بلیک میل تک آنے ہی نہیں دیا کریں۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

Digitized by Google

''تھینک یو اور ایک بات اور اگر آپ کھانا کھائیں گے تو میں بناؤں گی۔ ورنہ رزق ضائع کرنے سے بھی خدا ناراض ہوتا ہے۔''

لیکن وہ جواب دیے بغیر غصے سے اسے دیکھتے ہوئے نکل گیا۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر اندر آ گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے ناشتہ کیا اور تیار ہو کر فلیٹ کو لاک کر کے باہر آ گئی۔ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اس نے ہر اس ریسٹورنٹ میں جھانکا جہاں ہیلپ وانٹڈ کا بورڈ لگا تھا۔ ریسٹورنٹ میں جاب تو با آسانی مل جاتی تھی اسے ٹرائی کے لیے رکھ لیا گیا اگلے روز صبح اسے بھی نو بجے گھر سے جانا تھا..... وہ صبح چھ بجے ہی اٹھ گئی۔ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر اس نے قرآن مجید لیا اور باہر لاؤنج میں بیٹھ کر بلند آواز سے تلاوت کرنے لگی۔ تلاوت وہ بہت خوش الحانی سے کرتی تھی اور اس وقت اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ ثاقب کے کانوں میں آواز جائے تو شاید کلام خدا کی برکت سے اس کے زنگ آلود ذہن سے زنگ دور کرنے کا آغاز ہو جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں ملتا ہوا منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا باہر نکلا۔

''یہ کیا تم نے صبح ہی صبح شور مچا دیا ہے۔ بندے کو اپنے ہی گھر میں آرام کرنے کا وقت نہیں ہے۔''

''ارے..... کلام پاک کی تلاوت کو آپ شور کہہ رہے ہیں..... توبہ کریں جلدی سے۔''

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا بند کرو یہ.....''

شاید رعب قرآن مجید تھا یا بچپن کی کسی تربیت کا اثر کہ وہ کوئی برا کلمہ منہ سے نہ نکال سکا۔

''جب آپ آ ہی گئے ہیں تو تھوڑی دیر سن لیں۔ آپ مایوس نہیں ہوں گے۔ ابو کہتے تھے میری تلاوت میں بہت سوز اور مٹھاس ہے۔''

''مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش نہ کرو مجھے کوئی

غزل

نقاش کاظمی

نہ رہنما کی طرح اور نہ راہبر کی طرح
کھڑے ہوئے ہیں سبھی سنگِ رہگذر کی طرح

جو دور تک ترے ہونے کا کچھ پتا نہ چلا
نگاہ لوٹ گئی آہ بے اثر کی طرح

وہ زخم تھا تو گوارا چشم و لب کی مثال
مگر وہ پھیل گیا درد کے شجر کی طرح

لہو لہو ہے مگر خود کو روکتا بھی نہیں
یہ کون ہے مرے پہلو میں ہمسفر کی طرح

کوئی پیام، کوئی پھول یا کوئی خوشبو؟
کھڑا ہوں میں درِ جاناں پہ نامہ بر کی طرح

گیا تو سارے معانی خلا میں چھوڑ گیا
وہ میری ذات میں تھا حرف معتبر کی طرح

مرا مکاں تو مقابل تھا زلزلوں کے مگر
لرز رہا تھا کوئی مجھ میں بام و در کی طرح

سوا اب حقوق بشر زیرِ پا ہوئے نقاش
تمام اہلِ خرد اب ہیں سنگ و در کی طرح

Digitized by Google

دلچسپی نہیں ہے۔''

''اچھا کل سہی..... کل سن لیں گے؟'' سیما نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کچھ کہے بغیر اسے گھورتے ہوئے اندر چلا گیا۔

نو بجے وہ تیار ہو کر کمرے میں آئی۔

''آپ کا ناشتا میز پر رکھا ہے مجھے نو بجے پہنچنا ہے دعا کیجیے گا پہلا دن اچھا گزرے۔'' سیما نے یوں کہا جیسے ان کے درمیان کوئی چپقلش نہ ہو۔ ثاقب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تمہیں جاب مل گئی۔''

''سوری میں نے سوچا آپ کو دلچسپی نہیں ہوگی'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

ثاقب کتنی دیر بستر میں گم سم بیٹھا رہا۔ سیما اور لڑکیوں سے کتنی مختلف ہے۔ مضبوط اور پر اعتماد۔ اسے پتہ ہے اسے زندگی سے کیا چاہیے۔ اس کے گرد صحیح اور غلط کا ایک طاقت ور احساس اپنا ہالہ بنائے رکھتا ہے وہ تو مڈل کلاس کی وہ دبو سی لڑکی ہرگز نہیں جو اس نے سمجھا تھا۔

''نہ نہ.....'' اس نے اپنا سر جھٹکا سب لڑکیوں کا خمیر ایک ہی چیز سے بنا ہوتا ہے۔ بے وفائی اور خود غرضی سے۔ چند دنوں کی بات ہے سیما بھی اپنا رنگ دکھا دے گی۔

دیکھتا ہوں آخر وہ کتنے دن محبت کرتی ہے۔ آخر کار تھک ہی جائے گی اور پھر۔ اس پھر کے آگے ہزاروں سوالیہ نشان تھے۔ آج اس پھر کے آگے سوچتے ہوئے ہزاروں جوابات کا اسے یقین نہیں تھا۔

☆.....☆

اگلی صبح چھ بجے سیما کا الارم جو بجنا شروع ہوا تو بند ہونے کا نام نہ لیا نماز تو اس نے پڑھ لی تھی اب وہ چاہتی تھی کہ ثاقب کی نیند میں خلل ڈالے اس لیے بار بار الارم بجا رہی تھی۔ ثاقب کل کی طرح جو آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا تو غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''سوری'' وہ اسے دیکھ کر بے حد معصومیت سے بولی ''شاید گھڑی خراب ہوگئی ہے یا الارم۔''

ثاقب نے گھڑی ایک جھٹکے سے اٹھا کر زور سے دیوار پر دے ماری۔ اس کا الارم جو پہلے بیچ میں رک جاتا تھا اب تو اتر سے بجنے لگا۔

''اف بند کرو اس بدتمیز الارم کو۔'' وہ چلایا ''ساری نیند خراب کر دی۔''

''سوری ثاقب۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔ آپ دوبارہ جا کر لیٹ جائیں نیند پھر آجائے گی۔''

ثاقب اندر گیا تو وہ صوفے پر قرآن پاک لے کر بیٹھ گئی اور اسی طرح خوش الحانی سے تلاوت کرنے لگی۔ اسے پتہ تھا کہ ثاقب کی کچھ تو نیند اڑ چکی ہے اور کچھ اس کی تلاوت کی آواز اسے سونے نہیں دے گی۔ اس لیے اس نے بہت دلجمعی سے تلاوت کی۔ اندر سے کروٹوں کی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ ثاقب سو نہیں پایا..... اور جب وہ تلاوت ختم کر کے قرآن پاک لے کر پلٹی تو حیران رہ گئی۔ دروازے میں کھڑا ثاقب غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماتھے تک آئے ہوئے سفید بڑے سے دوپٹے میں وہ بہت اچھی، بہت پاکیزہ لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ صوفے پر بیٹھ گیا تو وہ جلدی سے چائے بنا کر لے آئی۔

''میں نے آپ کی نیند خراب کرنے کا قصور کیا ہے۔ تلافی کے لیے صبح صبح چائے پی لیجیے'' وہ مسکرائی تو ثاقب نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کپ تھام لیا۔

''تم نہیں پیو گی۔''

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔'' اس نے بے اختیار نظریں جھکا لیں جبکہ چہرے پر ایک رنگ سا آ گیا تھا

Digitized by Google

ثاقب جان گیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

''تمہارے مذہب میں جھوٹ بولنا حرام نہیں ہے کیا۔'' ثاقب نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس وقت واقعی میرا موڈ نہیں۔ میں اتنی صبح چائے نہیں پیتی۔''

''کیا تمہاری چائے کا ڈبہ ختم ہوگیا ہے؟'' ثاقب نے کڑے تیوروں سے پوچھا تو وہ خاموش ہوگئی۔

''تم..... تم سمجھتی کیا ہو خود کو' تم ہر روز میری توہین کرتی ہو۔''

''نہیں ثاقب.....'' اس کی آنکھیں بھیگ گئیں ''میں تو صرف احکام خداوندی پر جس قدر میری استطاعت ہے اتنا چلنے کی کوشش کر رہی ہوں آپ اس پہ بھی ناراض ہوجاتے ہیں۔''

''کیونکہ تمہاری یہ کوشش میری عزت نفس پر چوٹ لگاتی ہے.....'' وہ چیخ کر بولا۔

تو پھر ہم کیوں نہ اپنا راستہ ایک..... ایک ہی راستے پر چلیں۔ سچ کے راستے پر۔ خدا کے بتائے ہوئے راستے پر.....'' سیما نے منت بھرے انداز سے اس کی طرف دیکھا۔

ثاقب نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر جھنجوڑ ڈالا۔

''تم اپنا فلسفہ بھی اپنے پاس رکھو اور یہ چائے بھی لے جاؤ یہاں سے مجھے تمہاری کسی مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارا شوہر ہوں تم میری شوہر نہیں ہو۔ تمہیں میرے حکم پر چلنے کا حکم ملا ہے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا..... مجھے تمہارا حکم ماننے کی قطعی تلقین نہیں کی گئی۔''

''میں آپ کو حکم نہیں دے رہی التجا کر رہی ہوں ثاقب' خدا نے عورت کو مرد کا حکم ماننے کے لیے کہا ہے لیکن جو حکم احکامات خداوندی سے ٹکرائے وہ ماننے کے لیے نہیں کہا۔''

''افوہ تم عورتوں کی زبان کس قدر زیادہ چلتی ہے ہر بات کا جواب ہوتا ہے تمہارے پاس۔ کبھی تم اپنی زبان بند کیوں نہیں کر سکتیں۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو اور پاکستان چلی جاؤ''

سیما اسی طرح سنجیدگی سے بیٹھی رہی اس وقت کچھ کہنا فضول تھا۔ ثاقب اس موڈ میں بالکل نہیں تھا کہ کوئی اور نصیحت سن سکتا۔ وہ اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اسے تیار بھی ہونا تھا ثاقب تو اپنے اسٹوڈیو دیر سے جاتا تھا لیکن اسے نو بجے پہنچنا ضروری ہوتا تھا اور وہ وقت کی پابندی کی قائل تھی۔

اسے جاتا دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا اور بڑے طنز سے اس کی طرف دیکھا۔

''ذرا ایک بات تو بتاؤ''

سیما بے اختیار رک گئی۔

''میرے ارادے تو تمہارے خیال میں نیک نہیں تھے بلکہ انتہائی برے تھے لیکن تمہارا اپنے متعلق کیا خیال ہے تم نے کس ارادے سے مجھ سے شادی کی تھی تمہارا کوئی مقصد نہیں تھا اس میں۔''

''میں اس وقت یہی سمجھتی تھی کہ آپ کو مجھ سے محبت ہوگئی ہے.....'' وہ سادگی سے بولی تو ایک زہریلی سی مسکراہٹ نے ثاقب کے چہرے کا احاطہ کرلیا۔

''ہونہہ محبت مجھے دھوکہ دینے کی کوشش مت کرو سیما۔ میں کیا جانتا نہیں کہ تم نے میری پوزیشن اور دیار غیر کی آسائشوں کی خاطر مجھ سے شادی کی تھی۔ تم اور تمہارے بہن بھائی پیسے کو ترستے تھے تم نے سوچا چلو اچھا ہے خوبصورت شوہر بھی مل رہا ہے اور دولت بھی..... تمہارا مستقبل بھی سنور جائے گا اور تمہارے بہن بھائیوں کا بھی۔ اور لیبل تم نے اس پر محبت کا چسپاں کر دیا۔ تم جانتی بھی ہو محبت کیا ہے؟

Digitized by Google

محبت نام ہے محبوب پر اپنا سب کچھ قربان کردینے کا' محبت نام ہے محبوب کی ہر بات پر سر جھکا دینے کا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ لیکن صرف جائز حد تک جائز باتوں کے لیے سر جھکا دینے کو میں بھی تیار ہوں لیکن حرام وحلال پہ سمجھوتہ نہیں کرسکتی۔''

''حلال..... حلال میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری یہ گردان سن کر۔ تمہارے باپ کو آخر کیا ملا اس حلال کی کمائی سے۔ ایک بیٹی کو تو وہ رخصت نہیں کرسکے عزت سے اس حلال کمائی سے۔ میرا ہی احسان اٹھانا پڑا۔''

سیما کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہوگیا۔ اس وقت کچھ بھی کہنا ثاقب کے مزید عتاب کو دعوت دینا تھا اور وہ یہ افورڈ نہیں کرسکتی تھی یوں بھی بحث انسان اس سے کرتا ہے جس کے پاس کوئی مناسب دلیل ہو لیکن وہ تو کج بحثی پر اتر آیا تھا اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا کہ اس نے اس کے پیسوں سے خریدی گئی چائے نہیں پی تھی۔

سیما کا دل بے طرح اداس ہوگیا۔ اسے جن کانٹوں پر چلنا پڑ رہا تھا اس سے اس کے پاؤں لہو لہان ہو رہے تھے لیکن وہ یہ راستہ چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس نے تیار ہونے کے ساتھ ساتھ خدا سے ثابت قدمی کی دعا مانگی۔ سارا دن کام پہ بھی اداس اداس رہی۔ گھر آئی تو سمجھ میں آیا کہ کئی دنوں سے پاکستان میں بہن بھائیوں اور امی ابو سے بات نہیں کی تھی۔ شاید اسی لیے یہ بے کلی تھی۔ کافی لمبی بات کی۔ بھائیوں کے چٹکلوں نے خوب ہنسایا۔ امی ابو کو سب ٹھیک ہے کا تاثر دے کر اس نے ثاقب کے والدین کو بھی فون کیا کافی دیر ان سے بات کرتی رہی دل کا بوجھ تھوڑا کم ہوا تو اٹھ کر ثاقب کے لیے کھانا بنایا اس کا اپنا خریدا ہوا ابھی سامان موجود تھا وہ یوں بھی پکانے کی زحمت نہیں کرتی تھی کبھی پنیر کا سینڈوچ بنا کر کھا لیتی اور کبھی کسی کولڈ سیٹ سے سینڈوچ بنا لیتی۔ شام تک خوب سوئی اٹھی تو فریش تھی آج چونکہ ویکلی تنخواہ ملی تھی اس لیے وہ کچھ سامان خرید لائی تھی چائے اور کافی کے ٹن بھی خریدے تھے ابھی وہ چائے پی رہی تھی کہ ثاقب آ گئے وہ حیران ہوئی آج وہ وقت سے کافی دن پہلے آ گئے تھے ان کے ہاتھ میں دو بڑے شاپرز تھے۔ شاپرز اس کے پاس رکھ دیے سیما نے تذبذب سے ان کی طرف دیکھا۔

یہ سامان میرے فوٹو اسٹوڈیو کی کمائی سے خریدا گیا ہے اور فوٹو اسٹوڈیو میں نے شروع کے دو سال میں اپنی محنت کی کمائی سے خریدا تھا۔'' کہہ کر وہ فوراً ہی اندر چلے۔ شاید کسی نازک آبگینے کو ٹھیس لگ گئی تھی۔ سیما سن سی بیٹھی رہ گئی پھر آپ ہی آپ اس کے چہرے پر خوشی رقص کرنے لگی تو اس کا مطلب ہے تھوڑا اثر ہوا ہے ثاقب پر..... تھوڑی دیر بعد ثاقب باہر آئے۔

''تم کسی غلط فہمی میں نہ رہنا..... میں یہ سامان اس لیے لایا ہوں کہ تمہاری کفالت میری ذمہ داری ہے۔''

اس نے سنجیدگی سے کہا تو سیما فوراً سنجیدہ ہوگئی لیکن دل میں ستارے اتر آئے تھے۔

ثاقب کو میرا خیال ہے۔ وہ اتنے لاپرواہ بھی نہیں جتنا پوز کرتے ہیں۔ اور شاید حلال وحرام میں تمیز کا پہلا سبق انہیں مل گیا ہے۔ اگر ثاقب کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگیا ہے تو مجھے امید ہے کہ ان کو باقی اہم ذمہ داریوں کا احساس بھی ہوجائے گا۔ اور تب صحیح معنوں میں ان میں وہ مردانگی پیدا ہوجائے گی جس کی کسی بھی عورت کو شدت سے ضرورت ہوتی ہے ایسی ہی مردانگی پر عورتیں جان قربان کرنے کو تیار رہتی ہیں۔

اس روز سیما نے بہت دل لگا کر ثاقب کے لیے

Digitized by Google

کھانا تیار کیا اور دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ سیما اپنی لائی ہوئی چیزیں بالکل میز پر نہیں لائی تاکہ ثاقب کو تسلی ہو کہ اس کے اس قدم کو اس نے سراہا ہے۔ تبھی وہ حوصلہ افزائی محسوس کرے گا سیما نے محسوس کیا کہ آج ثاقب کے چہرے پر ایک خاص قسم کا اطمینان تھا وہ بیحد سنجیدہ تھا لیکن چہرے پر پچھلے دن جیسی بے چینی نہیں تھی اس روز سیما نے نماز کے بعد خاص طور پر شکرانے کے نوافل ادا کیے اور نہایت خشوع وخضوع سے خدا سے ثاقب کے راہ راست پر آنے کی دعا مانگی۔ دل کو خاطر خواہ سکون نصیب ہوا۔

اس روز ثاقب کی چھٹی تھی لیکن سیما کو جاب پر جانا تھا۔ واپسی پر وہ تھوڑی دیر شاپنگ کے لیے مارکیٹ چلی گئی۔ وہاں نوشین مل گئی۔ دونوں ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ایک سائیڈ پر بنے چھوٹے سے فورڈ کورٹ میں بیٹھ کر کافی پینے لگیں سیما نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بل وہ ادا کرے گی نوشین مسکرا کر چپ ہوگئی اسے سیما کے نظریات کا علم تھا باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا گھر پہنچی تو ثاقب فیملی روم میں بیقراری سے ٹہل رہا تھا۔

''کہاں رہ گئی تھیں تم؟ میں کتنا پریشان ہوگیا تھا۔''

آپ نے سمجھا چڑیا پھر سے اڑ گئی۔ وہ مسکرائی فکر نہ کریں یوں میدان چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں میں نے آپ کو دکھ اور سکھ دونوں کا ساتھی بنایا ہے اور اس دکھ کے وقت بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' اس نے ثاقب کا طنز نظر انداز کر دیا۔

''میں ڈر رہا تھا کہ تم راستہ نہ بھول جاؤ' نئی نئی آئی ہو۔''

''ایک بات تو یہ ہے کہ میں اتنی نئی بھی نہیں رہی..... پھر روزانہ تو جاتی ہوں رستہ بھولنے کا سوال اور راستہ بھولنے کی بات ہے تو وہ یہاں کے پرانے رہنے والے بھی بھول جاتے ہیں۔'' اس کے معنی خیز انداز پہ ثاقب زچ ہو کر بولا۔

''زیادہ باتیں مت بناؤ۔ میں صرف اس لیے پریشان تھا کہ اتنی دیر ہوگئی ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ ہو نہ گیا ہو۔''

''اوہ تو آپ کو میری فکر ہے'' وہ ذرا شوخ ہوئی میں تو سمجھ رہی تھی کہ میں ایک معمولی مہرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی لیکن اٹ از امیزنگ آپ تو میری کیئر کرتے ہیں۔ فکر نہ کریں میں ذرا شاپنگ کے لیے چلی گئی تھی وہاں نوشین مل گئی تو باتوں میں وقت کا خیال نہیں رہا۔''

''نوشین'' ثاقب تیوری چڑھا کر بولا'' نوشین سے ملنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے سیما اس سے دور رہو تو بہتر ہے وہ اچھی عورت نہیں ہے۔''

سیما کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں یہ وہ کیا کہہ رہے تھے وہ نوشین کو برا کہہ رہے تھے اور اسے اس سے دور رہنے کی تلقین بھی..... تو کیا وہ واقعی میری کیئر کرنے لگے ہیں۔

اس کے دل میں اطمینان اتر آیا اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے کیوں ثاقب سے طنزیہ انداز میں گفتگو کی ثاقب نے اس روز کے بعد سیما سے اس تکلیف دہ موضوع پر بات نہیں کی تھی اور سیما کا خیال تھا کہ اس کے مضبوط ارادوں کی وجہ سے ثاقب نے جان لیا ہے کہ وہ اس کے قابو میں آنے والی نہیں ہے اسے اپنے حقوق کا پتہ ہے اور وہ کبھی بھی اس سے ایسا کام نہیں کروا سکے گا۔ کیا وہ ہمت ہار بیٹھا ہے۔ کیا اسے احساس ہوگیا ہے کہ وہ غلط تھا کیا وہ واقعی تھک گیا ہے آخر وہ ہر وقت ٹہل ٹہل کر کیا سوچتا رہتا ہے اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کا احساس زیاں نظر آتا ہے۔ کچھ سوچتی ہوئی بے چین آنکھیں۔ بے کلی سے سیما کی ہر حرکت کا جائزہ لیتی آنکھیں۔

Digitized by Google

کاش وہ اس کی سوچوں میں گھس کر انہیں جان سکتی۔ وہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھتی تھی اور اس کی کوئی حرکت مشکوک نہیں لگتی تھی۔ وہ صبح اٹھ کر ناشتے کے بعد اسٹوڈیو چلا جاتا۔ رات کو عین ٹائم پر واپس آجاتا وہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ضرورت کے بغیر سیما سے بات بھی نہیں کرتا۔ اگر بات کرتا تو نظر ملا کر نہ کرتا۔ کیا وہ شرمندہ ہے۔ کیا اسے احساس ہو رہا ہے کہ وہ کتنا غلط تھا۔ یا پھر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ سیما کی بے کلی بڑھ گئی۔ اس کے دل کا حال نہ جاننا تکلیف دہ تھا۔

اس روز رات کو اس کے سامنے ڈنر رکھ کر اپنا ٹرکی سینڈوچ بنا کر لائی تو ثاقب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر سوال تھا۔ سیما نے سر جھکا لیا۔ وہ اس دن جو آپ گروسری لائے تھے ختم ہو گئی ہے بس پہلے والی چیزیں تھیں۔

تو مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"میں نے سوچا آپ مائنڈ نہ کریں۔"

"میں یہ مائنڈ کرتا ہوں سیما جو تم میرے ساتھ کرتی ہو۔ میرے لیے علیحدہ سے کھانا لاتی ہو جس کو تم ہاتھ نہیں لگاتی ہو اور مجھے احساس دلاتی ہو جیسے میں اچھوت ہوں مجھے اپنی پلیٹ میں موجود چیزیں کھانے کو دوڑتی ہیں یوں لگتا ہے جیسے کوئی زہریلی چیز ہو۔"

وہ بہت ہرٹ لگ رہا تھا۔ پلیٹ کو پرے کھسکا دیا۔

"لے جاؤ اسے مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں میں اذیت کے آثار تھے تمہیں اگر اتنے اونچے سنگھاسن پر بیٹھنے کا شوق ہے تو میرے ساتھ بیٹھ کر مت کھایا کرو۔"

"پلیز برا مت مانیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کے لیے بھی ایسا ہی سینڈوچ بنا دوں۔ اگر آپ اسے اس قابل سمجھیں تو۔"

وہ کچھ نہ بولا بس خاموشی سے آزردہ سا بیٹھا رہا سیما جلدی سے اٹھی اور اس کے لیے بھی سینڈوچ بنا کر لے آئی کچھ پس و پیش کے بعد روکھی ہوئی خاموش اور سنجیدہ شکل سے اسے کھانے لگا۔ سیما نے خدا کا شکر ادا کیا سیما کے جسم کا رواں رواں کہہ رہا تھا کہ وہ بدل رہا ہے بہت آہستہ رفتار سے سہی لیکن اس میں تبدیلی آرہی تھی۔

اگلی صبح چھ بجے اس کی آنکھ کھلی رات سر میں شدید درد تھا نیند بہت دیر سے آئی سات بجے وہ اس کے کمرے میں موجود تھا۔

"سیما" اس نے اسے بازو سے ہلایا۔ "آج تم اٹھی نہیں"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ٹائم ہو گیا؟"

سات بج گئے ہیں۔ روزانہ تمہاری تلاوت کی آواز سن کر اٹھ جاتا تھا۔ اور لیٹے لیٹے سنتا رہتا تھا آج تلاوت تو نہیں تھی لیکن اس وقت پہ آنکھ کھلنے کی عادت سی ہو گئی تھی تمہاری آواز نہ آئی تو میں ڈر گیا کہ تمہاری طبیعت خراب نہ ہو۔"

ثاقب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں تو بخار ہے سیما وہ پریشان ہو گیا میں تھرمامیٹر لے کر آؤں تم آرام سے لیٹی رہو۔ وہ اس کے لیے پریشان تھا یہ خیال ہی اسے خوش کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ تھرمامیٹر لے کر آیا تو وہ وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کر چکی تھی۔ وہ بیڈ کے کونے پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھتا رہا سر پہ بڑا سا دوپٹہ اوڑھے نظریں جھکائے اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات تھی کہ وہ بت بنا اس کی طرف متوجہ رہا دل جو اتنے دنوں سے آہستہ آہستہ بدل رہا تھا۔ ایک لمحہ میں پلٹا کھا گیا اور جب سیما سجدے میں جا کر زار و قطار ہچکیوں سے

Digitized by Google

دعا مانگ رہی تھی تو جانے کیوں ثاقب کے جسم پر لرزہ سا طاری ہوگیا۔

وہ ایک دم اٹھا اور سحر زدہ سا باہر نکل گیا۔ کتنی ہی دیر بے حس و حرکت صوفے پر بیٹھا رہا اس کی نظریں کسی غیر مرئی نکتے پر مرکوز تھیں لیکن وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے سیما کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ تھا۔

ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ بے ریا اور شفاف پاکیزہ اور وفادار..... بے غرض اور مضبوط۔ بااعتماد اور پریقین۔

ایسی عورتوں کے لیے مجھ جیسے مرد تو نہیں ہونے چاہییں۔

ایسی مومن عورتوں کے لیے مومن مرد ہونے چاہییں۔

اور خدا تعالیٰ نے یہی تو اپنے کلام پاک میں کہا تھا

کہ مومن عورتوں کے لیے مومن مرد اور بر کردار عورتوں کے لیے بد کردار مرد۔

تو پھر مرا اور سیما کا کیا جوڑ ہے۔

میرا جوڑ تو اسی کے ساتھ تھا اس بد کردار عورت کے ساتھ۔

لیکن میں اس وقت تو بد کردار نہیں تھا۔ میں تو معصوم تھا۔ اسی نے مجھے ان راستوں پر دھکیلا تھا۔

لیکن پھر بھی قصور تو میرا تھا۔

اس نے زبردستی تو نہیں کی تھی۔

میں اپنی مرضی سے وہ راستہ چن بیٹھا تھا اس سے بدلہ لینے کے لیے لیکن اس کا کیا بگڑا۔ تباہ تو میری زندگی میرا مستقبل ہوا ہے مجھے کسی پاک مومن عورت کے قابل نہیں چھوڑا اس نے۔

سیما آہستہ آہستہ باہر آئی۔ تو ثاقب نے چونک کر سر اٹھایا سیما کا چہرہ بخار سے سرخ ہو رہا تھا وہ جلدی سے اسے سہارا دینے کے لیے بڑھا لیکن سیما نے اس کا سہارا نہیں لیا۔ وہ شرمندہ سا ادھر ہی کھڑا رہا۔ سیما کو فوراً احساس ہوگیا اپنی غلطی کا۔

''ثاقب پلیز مجھے ایک کپ چائے بنا دیں۔ اس نے لجاجت سے کہا تو ثاقب کا چہرہ کھل اٹھا۔

''تم یہاں آرام سے صوفے پر بیٹھو۔ میں تمہارے لیے ناشتہ بناتا ہوں''

''نہیں صرف چائے۔ مجھے بھوک نہیں ہے''

''نہیں سیما خالی پیٹ دوا نہیں لینی چاہیے۔ میں تمہیں بخار اتارنے والی دوا دے رہا ہوں۔''

''جیسی آپ کی مرضی'' وہ مسکرا دی۔ ثاقب دس منٹ میں دونوں کے لیے ناشتہ بنا لایا۔

''یہ لو گرما گرم آملیٹ۔'' یہ ثاقب کا اسپیشل آملیٹ ہے تمہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ملے گا۔''

''پھر تو بہت مزے کا ہوگا'' سیما نے دلچسپی ظاہر کی ٹوسٹ اچھی طرح سنکے ہوئے تھے اور ساتھ بھاپ اڑاتی مزیدار کافی۔ ڈھیر ساری کریم اور شوگر کے ساتھ۔

''واہ آپ تو چھپے رستم نکلے۔''

''ہمارے ساتھ رہو گی تو عیش کرو'' ثاقب نے کہا تو جانے کیا سوچ کر سیما کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

ثاقب کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اس کے چہرے پہ عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ خود سے ناراض ہو۔ سیما نے جھجک کر اسے دیکھا۔

''ثاقب ایک بات پوچھوں؟ برا تو نہیں مانیں گے؟''

''میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات برا ماننے کی حدود سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اب تو بات بری بھی لگے تو خاموشی سے سہنی پڑتی ہے۔''

Digitized by Google

''آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ میرا مطلب ہے صرف جمعہ کو مسجد میں جاتے ہیں اور بس۔''

''وقت ہی نہیں ملتا'' اس نے نظریں چرائیں

''نماز کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔''

''کیا کہوں..... نماز میں کبھی دل ہی نہیں لگا۔ وہاں اسٹوڈیو میں ہر وقت لوگ آئے رہتے ہیں اور تمہیں تو پتہ ہے حالات کس قدر خراب ہیں لوگ مسلمانوں کے خلاف ہیں۔''

''کوئی بھی بات نماز نہ پڑھنے کے لیے مناسب بہانہ نہیں ہوسکتی ثاقب باقی سب باتوں کو نظرانداز کردیں لیکن نماز کو نظرانداز نہ کریں۔''

''اب تم کہتی ہو تو کوشش کروں گا۔''

''میری وجہ سے نہیں اپنی وجہ سے پڑھیں۔ اپنے سکون کی خاطر۔ خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر۔''

''ثاقب خاموشی بیٹھا رہا وہ ارادہ کرچکا تھا خود کو بدلنے کا۔ مومن مرد بننے کا۔ سیما کے لیے خود کو سیما کے قابل بنانے کا۔ ماں باپ کی کی گئی تربیت اور ان کی دعائیں اس کے اندر سوئے ہوئے اچھے پاکباز مرد کو جگانے میں کامیاب ہوگئی تھیں ان کوششوں اور دعاؤں کو کامیاب کرنے کا سہرا سیما کے سر بھی جاتا تھا

☆.....☆

اس دن کے بعد سے ثاقب ایک سنجیدہ اور ذمے دار انسان کے روپ میں سامنے آیا۔ زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ اپنی فوٹو لیب سے آنے کے بعد زیادہ تر کمپیوٹر پر کام کرتا رہتا۔ چہرے پر اکثر گہری سوچ چھائی ہوتی تھی۔ سیما کے اطمینان کا باعث یہ بھی تھا کہ اس نے اب نماز پڑھنا شروع کردی تھی اب بھی ساری نمازیں تو نہیں پڑھتا تھا لیکن سیما کو یقین تھا کہ اسی طرح جاری رہا تو وہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنا بھی شروع کردے گا۔ سیما کی تلاوت وہ روزانہ ضرور سنتا تھا۔ پھر سیما نے قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھنا شروع کردیا تاکہ جن آیات کی وہ تلاوت کرتی ہے ثاقب ان کا مطلب سمجھ سکے اس روز کے بعد اس جان لیوا موضوع پر کبھی بھی بات نہیں ہوئی اگر کبھی سیما نعیم اور نوشین کے بارے میں کچھ پوچھنے کی کوشش کرتی تو ثاقب کا موڈ خراب ہوجاتا جیسے اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہو یا پندار کو ٹھیس لگی ہو۔ آج کل وہ بہت محنت کررہا تھا دوجگہ اوور ٹائم بھی کرتا تھا جس کی وجہ سے دیر سے گھر آتا تھا۔

ایک دو بار سیما کو رقم بھی لاکر دی اور سیما کچھ پوچھنے کی جرات نہ کرسکی اسے پکا یقین تھا کہ یہ اس کی محنت کی کمائی سے ہیں خوشی سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

پھر سیما کی طبیعت خراب رہنا شروع ہوگئی پہلے تو وہ سمجھی شاید یہ اسٹریس کی وجہ سے ہے کہ اس کا معدہ اپ سیٹ رہتا ہے لیکن چند ہفتوں بعد اسے احساس ہوا یہ تو کوئی اور ہی چکر ہے اس کے اندر ایک نئی زندگی کی شروعات تھیں اس کے احساسات عجیب ہوگئے سمجھ میں نہ آیا خوش ہو یا رونا شروع کردے کیا ان حالات میں جب اس کا اپنا مستقبل ابھی واضح نہ تھا وہ ایک نئی زندگی ہینڈل کرسکتی ہے اور پھر ثاقب پتہ نہیں اس بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں وہ ابھی باپ بننا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔ اب سیما کو یہ شکایت نہیں رہی تھی کہ اس کا وقت گزرنا مشکل ہے اسے سوچنے کے لیے نیا موضوع مل گیا تھا اس نے فیصلہ کرلیا کہ ابھی وہ ثاقب کو نہیں بتائے گی جب تک اس کی سوچیں کلیر نہیں ہوجاتیں وہ ثاقب کو اس راز میں شریک نہیں کرے گی وہ گم سم اور کھوئی کھوئی رہنا شروع ہوگئی کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا۔ کھانا پکانے سے بھی طبیعت خراب ہوتی تھی۔ اس لیے کچن میں جانے سے گریز کرتی۔ ثاقب کو اکثر سینڈوچز یا

Digitized by Google

ریڈی میڈ فوڈ مائیکرو ویو میں گرم کر کے دے دیتی۔ اس نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ کھانے سے اسے رغبت نہیں رہی تھی۔ حالانکہ وہ اچھا خاصا خوش خوراک انسان تھا۔ ہاں کافی کے بغیر اس کا گزارا نہیں تھا کم کھانے کی وجہ سے ثاقب کا وزن کم ہونے لگا اور سیما تو یوں بھی آج کل کچھ کھا نہیں سکتی تھی۔ رنگ زرد سا ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے دونوں نے ڈائٹنگ شروع کر رکھی ہو ایک دن ثاقب نے غور سے اس کی طرف دیکھا ورنہ عام طور پر وہ اس سے نظریں ملا کر بات نہیں کرتا تھا۔ وہ کافی کمزور لگی تو پوچھ بیٹھا۔

''تم ڈائٹ کر رہی ہو۔''

''نہیں تو'' اس نے چور نظروں سے اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔

''پھر اتنی دبلی کیوں ہو رہی ہو؟''

''آپ بھی تو پہلے سے کمزور ہو گئے ہیں'' سیما نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تو ثاقب نے نظریں پھیر لیں۔

''ثاقب'' سیما ڈرتے ڈرتے بولی۔ کیا آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟''

''بکواس بند کرو۔'' وہ جانے کیا سمجھ کر چلایا ''اور آئندہ یہ ذکر مت کرنا میرے سامنے''

وہ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ سیما کے چہرے پر افسردہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اگلے دن رات کو وہ گھر آیا تو اس کے سر پر پٹی بندھی تھی۔ سیما گھبرا کر دوڑی آئی۔

''یہ کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' ثاقب نے اسے نرمی سے پرے کیا اور بیڈ روم میں آ کر لیٹ گیا اور اپنی آنکھوں کو بازو سے ڈھانپ لیا۔

ثاقب یہ چوٹ کیسے لگی؟

''میں نے کہا نا کچھ نہیں ہوا۔ وہ چیخ پڑا۔ زیادہ تنگ مت کرو مجھے۔''

''کھانا لاؤں؟'' وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ تم کھا لو اور سو جاؤ جا کر''

اس کا مطلب تھا کہ وہ اسے کمرے سے جانے کو کہہ رہا تھا سیما کا دل ایک دم بھر آیا اور دو موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک آئے ثاقب چند ثانیے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کیوں رو رہی ہو؟''

''آپ مجھے ہر وقت اگنور کیوں کرتے ہیں مجھ سے بات بھی کم کرتے ہیں اس کا مطلب ہے آپ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے۔ معاف نہیں کیا ہے مجھے''

''تم بار بار مجھے اس بات کا حوالہ کیوں دیتی ہو؟'' وہ پوری قوت سے چیخ پڑا ''میں جس قدر جان لیوا ذکر کو بھولنا چاہتا ہوں۔ تم اتنا زیادہ ذکر کرتی ہو میرے دل و دماغ پہ ہتھوڑے برساتی ہو۔ کیا میں اس شرمندگی ندامت اور افسوس سے مر جاؤں گا تو تمہیں چین آئے گا۔'' اس کے لیے یہ تکلیف دہ ذکر اتنا ناقابل برداشت ہو گیا تھا سیما دم بخود رہ گئی اور کچھ کہنے کے بجائے کمرے سے نکل گئی۔

صبح نوشین کا فون آ گیا۔

رات کو نعیم اور ثاقب میں ہاتھا پائی ہوئی ہے نعیم نے ثاقب کو زخمی کر دیا۔

وہ دھک سے رہ گئی۔ لیکن کیوں؟

''تمہاری وجہ سے'' ثاقب نعیم کا تھوڑا سا مقروض ہے۔ قرض ادا کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ حالا قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے اور ثاقب کے لیے خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ سیما فکر مند ہو گئی۔ ثاقب رات کو آیا تو وہ اس کے سر ہو گئی۔

''ثاقب یہ فلیٹ بیچ دیں پلیز۔ اور اس رقم سے

Digitized by Google

اپنا قرض ادا کردیں"

"تمہیں قرضے کے بارے میں کہاں سے علم ہوا؟" وہ کھاتے کھاتے رک گیا۔

"نوشین نے بتایا تھا"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس سے نہیں ملنا جلنا" ثاقب تنبیہی انداز میں بولا۔

"اس نے فون کیا تھا۔ میں تو نہیں ملی اس سے" وہ خاموش ہوگیا۔

"اپنی وتے میں کوشش کررہا ہوں ایک پراپرٹی ڈیلر کو کہہ رکھا ہے اور ایک دو گاہک بھی موجود ہیں لیکن اسے بیچنے کے بعد چھوٹی جگہ پر رہنا پڑے گا۔"

"میری فکر نہ کریں۔ میں خراب حالات میں بھی گزارہ کرسکتی ہوں"

"خیر اب اتنے حالات بھی خراب نہیں ہوں گے میں نے شروع شروع میں دن رات محنت سے کمایا تھا فوٹو اسٹوڈیو خریدنے کے باوجود کچھ رقم بچ گئی تھی۔ وہ ہمارے لیے کافی ہوگی۔"

دو ہفتے گزر گئے۔ ایک رات آنے سے پہلے ثاقب کی کال آئی

"تمہارے لیے سرپرائز ہے تیار رہنا"

وہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوگئی۔ ثاقب آئے تو اسے ساتھ لے کر باہر نکل گئے تھوڑی ڈرائیو کے بعد ایک بڑی سی رہائشی عمارت کے باہر گاڑی روکی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے اور ایک دروازہ کھول کر دونوں اندر آئے یہ ایک بڑا سا اسٹوڈیو تھا اسٹوڈیو ایک وسیع ہال ہوتا ہے جس کے اندر ایک سائیڈ پر کچن ہوتا ہے اور ایک سائیڈ پر باتھ روم۔ باقی پوری جگہ کو اپنی مرضی کے مطابق بیڈ ڈائننگ ٹیبل وغیرہ رکھ کر ارینج کرتے ہیں ایک طرف بڑا سا سیٹنگ ایریا تھا جہاں صوفے اور سنٹرل ٹیبل تھا۔

"یہ ہمارا نیا گھر ہے اور یہ میری حلال کمائی سے خریدا گیا ہے تمہیں مبارک ہو سیما" ثاقب کی آنکھوں میں خلوص اور محبت کی جگمگاہٹ تھی۔

تو اس کا مطلب ہے فلیٹ بک گیا؟

ہاں میں نے نعیم کو رقم ادا کر کے باقی ایک چیرٹی آرگنائزیشن کو دے دی ہے۔

"اوہ ثاقب۔ وہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ پھر جھینپ کر علیحدہ ہوگئی۔ چہرہ گلابی ہوگیا۔ ثاقب کا چہرہ بھی جانے کیا سوچ کر سرخ ہوگیا۔

"ہم دو روز میں یہاں شفٹ ہوجائیں گے اور فلیٹ سے صرف ذاتی اشیاء لائیں گے کیونکہ میں نے فلیٹ ساز و سامان سمیت بیچا ہے۔"

چند روز میں وہ وہاں شفٹ ہوگئے۔ دونوں نے مل کر سامان ارینج کیا سیما بہت خوش تھی

ثاقب سوچوں میں کھویا تھا بیقرار اور مضطرب سا یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو اور کہہ نہ پا رہا ہو۔ سیما کا دل بیٹھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ثاقب سے صبر نہ ہوسکا اس نے سیما کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر ایک صوفے پر بٹھایا اور خود دوزانو ہو کر اس کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گیا سیما کے دونوں ہاتھ ابھی تک اس کی گرفت میں تھے اور وہ بے چین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی سیما کہ میں کس طرح اور کس منہ سے تم سے معافی مانگوں۔" ثاقب کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ آج بھی نظر ملا کر اس سے بات نہیں کررہا تھا۔"

"میں نے تمہارے ساتھ جو بھی کرنے کا سوچا تھا میں اس کے لیے اتنا شرمندہ ہوں کہ تم سے نظر نہیں ملا سکتا میں نے تمہارے بارے میں ایسا سوچا بھی کیوں بعض اوقات دل چاہتا ہے کہ ایسا سوچنے پر بھی خود کو ایسی سزا دوں کہ رہتی دنیا تک ایک مثال بن جائے لیکن تمہاری اور میرے ماں باپ کی

Digitized by Google

دعائیں کام آئیں میں واپس لوٹ آیا ہوں لیکن میں بہت برا ہوں میں ہرگز تمہارے قابل نہ تھا تمہارے لیے تو کوئی پاکباز مومن مرد ہونا چاہیے تھا۔ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔''

''لیکن میرے خدا نے تو میرے لیے آپ کو ہی چنا ہے۔ اور میرے خدا کا فیصلہ غلط کیوں کر ہوسکتا ہے آپ میری خاطر پاکباز بن گئے ہیں میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔''

تب سیما نے فیصلہ کرلیا کہ اب وقت آ گیا ہے اسے بتانے کا کہ وہ باپ بننے والا ہے۔ یہ خبر اس کی اچھائی پر مہر ثابت کرے گی اسے اچھا بننے کے لیے ایک اور وجہ مل جائے گی۔

''آپ کے لیے ایک سرپرائز میرے پاس بھی ہے'' وہ شرمیلی مسکراہٹ سے اسے دیکھ کر بولی۔

''کیا.....؟'' ثاقب کا انداز والہانہ تھا۔

سیما صوفے سے اٹھی۔ ایک کاغذ پیڈ سے نکالا اس پر پین سے کچھ لکھا اور دوبارہ وہیں صوفے پر آ کر بیٹھ گئی جہاں ثاقب ابھی تک دوزانو بیٹھا گردن موڑ کر اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے وہ پیپر ثاقب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس کے لبوں سے مسکراہٹ چھلکی پڑ رہی تھی۔

ثاقب نے کاغذ ہاتھوں میں لے کر تحریر پر نظر دوڑائی۔ سیما اشتیاق سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی پہلے تو ثاقب کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔ اس نے کاغذ سے نظریں اٹھا کر سیما کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں کیا تھا سیما سمجھ ہی نہ سکی۔ کیسی منجمد آنکھیں تھیں کہ سیما کے حواس برف ہوگئے۔

''ثاقب.....'' اس نے پریشان ہوکر ثاقب کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔ کاغذ کو اپنی مٹھی میں مسل کر دور پھینکا۔ چند لمحے جلتی سلگتی نظروں سے اسے دیکھا اس کی طرف انگلی اٹھا کر نہ جانے کیا کہنا چاہتا تھا لیکن شاید زبان نے ساتھ نہ دیا تو سرخ چہرہ لیے مڑا اور اسٹوڈیو سے باہر نکل گیا۔ سیما ہکا بکا دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے آنکھوں میں اذیت کے آثار نمایاں ہوئے۔ یہ کیا ہوگیا تھا۔ کیا ثاقب خوش نہیں ہے کیا اسے بچہ نہیں چاہیے کیا وہ فی الحال آزاد رہنا چاہتا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے بچے اچھے نہ لگتے ہوں۔ لیکن کچھ بھی تھا اس طرح ریک ایکٹ کرنے کی کیا تک تھی۔ آرام سے بات کر کے کسی مسئلے کو ڈسکس کرنے کی بجائے راہ فرار اختیار کرنا اس کی سمجھ سے باہر تھا یا خدا کیا یہ ایک اور امتحان ہے۔ میری زندگی آخر کتنے امتحانوں سے عبارت ہے۔ وہ تھکے تھکے انداز سے اٹھی اور اس مڑے تڑے کاغذ کو اٹھا کر سیدھا کیا ''کانگریچولیشن ڈیڈی'' کے الفاظ اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

☆.....☆

رات کے اس آخری پہر چھوٹے سے پارک میں بنچ پر بیٹھ کر ثاقب نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ زندگی نے اس سے کیسے کیسے مذاق کیے تھے قدم قدم پر اس سے امتحان لیا تھا لیکن آج جو چرکہ زندگی نے اسے لگایا تھا وہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سیما کا سامنا نہ کرسکا۔ اسے حیران و پریشان اور کنفیوزڈ چھوڑ کر اسٹوڈیوز سے نکل آیا تھا۔ ورنہ اگر وہاں رہتا تو کچھ نہ کچھ ہوجاتا۔ سیارا وقت سڑکوں اور فٹ پاتھوں پہ چلتے چلتے اس کی ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔ لیکن اسے قطعاً اس بات کا احساس نہیں تھا کہ وہ کتنی زیادہ سڑکیں ناپ چکا ہے چلتے چلتے دھندلائی آنکھوں سے ایک سڑک کے کنارے گھاس کا چوکور قطع نظر آیا تو غیر اختیاری طور پر اس کے قدم اس بنچ کی طرف چل پڑے۔ جو اس کی

Digitized by Google

تھکن سے چور ٹانگوں اور ٹینشن سے شل دماغ کے لیے کوئی نعمت محسوس ہو رہا تھا وہ وہیں بیٹھ گیا۔

اس کا گھرانہ لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا جہاں دو وقت کی روٹی مشکل سے ملتی ہے چھوٹی چھوٹی خواہشات خواب بن کر رہ جاتی ہیں وہ چار بہن بھائی تھے وہ سب سے بڑا تھا اس سے چھوٹی دو بہنیں اور پھر ایک بھائی۔ زندگی کی گاڑی جیسے تیسے چل رہی تھی۔ والدین بہت شفیق اور دین دار تھے اور دین کے اصولوں پر چلتے تھے۔ اور اولاد کو بھی اس کا درس دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کی بہت اچھی تربیت کی تھی ان کو بھی وہ سبق پڑھاتے تھے جو ان کے والدین نے کبھی انہیں پڑھائے ہوں گے۔

ثاقب فطری طور پر اچھا لڑکا تھا لیکن اس کے خواب اونچے تھے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ساری عمر اسی طرح کھینچ تان کر زندگی نہیں گزارے گا بلکہ اپنے اور بہن بھائیوں کے مستقبل کو اچھا بنانے کے لیے خوب پیسے کمائے گا تاکہ وہ بھی آرام سے رہ سکیں یہی وجہ ہے کہ بی اے کرنے کے بعد اس نے اپنے باپ کو مجبور کیا کہ وہ اپنا واحد پلاٹ جو انہوں نے بیٹیوں کی شادی کے لیے رکھا ہوا تھا بیچ کر اسے ٹکٹ اور ویزے کے لیے پیسے مہیا کریں کیونکہ اسے ایک دوست کی وساطت سے باہر جانے کا موقع مل رہا تھا پہلے تو اس کے والد راضی نہ ہوئے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ شاید اس طرح ان کے حالات پھر جائیں اور وہ اپنی اولاد کو ان کی خواہشات کے مطابق زندگی دے سکیں اور اس طرح ثاقب کسی نہ کسی طرح امریکہ پہنچ گیا وہاں نعیم پہلے سے موجود تھا۔ اور لاس اینجلس میں ہوتا تھا۔ ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا جس میں کئی لڑکے ایک ساتھ رہتے تھے۔ اور بہت محنت کرتے تھے ثاقب کی یہ منزل نہیں تھی اس نے دن رات بیس گھنٹے کام کر کے اپنے لیے علیحدہ فلیٹ کا انتظام کر لیا یہاں کوئی رشتے دار یا کوئی اور نہیں تھا اس لیے وہ سارا وقت کام میں مصروف رہتا تھا آہستہ آہستہ اس نے کافی پیسے جمع کر لیے اور گھر میں ماہانہ اچھی خاصی رقم بھیجنا شروع کر دی اس کا اپنا خرچہ تو زیادہ نہیں تھا ان پانچ سالوں میں اس نے بینک میں کافی رقم جمع کر لی اور پھر ایک دن اس کی ملاقات ثانیہ سے ہوئی۔ وہ پارک میں ایک بینچ پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی اور پہلی نظر میں ہی ثانیہ کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل دھڑک اٹھا۔ ثاقب نے اسے تسلی دی اور ثانیہ سے کہا جس شخص کو اس کی پرواہ نہیں ہے ثانیہ کو بھی اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور بھول جانا چاہیے اسے۔

ثانیہ نے بتایا کہ وہ پاکستان سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ آئی ہے۔ وہ یتیم ہے اور اس کی ماں نے بڑی مشکل سے زیور بیچ کر اسے یہاں بھیجا ہے پھر ان دونوں نے آپس میں ملنا شروع کر دیا اور وہ ہفتوں میں ہی ثاقب کو احساس ہوا کہ وہ ثانیہ کی محبت میں ڈوب چکا ہے۔ جیسے ہی یہ احساس ہوا اس نے ثانیہ کو شادی کی پیش کش کر دی اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے فوراً ہی اس کی پیش کش قبول کر لی پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔ نعیم اور چند دوستوں نے اس کا انتظام کیا تھا ثانیہ اس کے فلیٹ میں منتقل ہو گئی۔ صبح ثاقب اپنے جاب کے لیے گھر سے نکلتا تو ثانیہ یونیورسٹی جانے کے لیے اپنی گاڑی میں نکل جاتی۔ دونوں بے حد خوش تھے ابھی شادی کو چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن ثانیہ نے ثاقب کے سینے سے لگتے ہوئے بڑے پیار سے کہا

ثاقب تمہیں پتہ ہے مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔

ہاں تو مجھے بھی اچھے لگتے ہیں۔

لیکن ابھی تک ہمارے آنگن میں پھول کھلنے کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ وہ مایوس نظر آ رہی تھی

Digitized by Google

ارے میری جان ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ چند ماہ تو ہوئے ہیں شادی کو۔

لیکن مجھے جلدی بچہ چاہیے ثاقب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔

تو کیا کریں؟

ہم کسی ڈاکٹر سے چیک اپ نہ کروالیں۔ دونوں۔

لیکن اتنی جلدی.....

دیکھو اگر ہم دونوں میں سے کسی میں خرابی ہوئی تو جتنی جلدی معلوم ہوگا اتنی ہی جلدی علاج شروع ہو جائے گا اگر ہم دیر سے جائیں گے تو پھر اور بھی دیر ہو جائے گی۔

ٹھیک ہے چلیں گے کسی دن.....

اگلے ہفتے ہی ثانیہ نے ایک لفافہ اس کے ہاتھ میں دیا

''میں نے ڈاکٹر ساجد سے سے ٹیسٹ کرایا ہے ثاقب اور میری ساری رپورٹس کلیئر ہیں اور تمہیں آج ہی میرے ساتھ ان کی کلینک میں جانا ہے۔

کلینک میں ٹیسٹ ہو جائے گا؟

ڈاکٹر ساجد بڑے ہسپتال سے منسلک ہیں اور ساری چیزیں وہیں لیبارٹری میں دیتے ہیں۔

اور پھر کئی دنوں کے بعد ایک دن ثانیہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو بے حد افسردہ تھی آنکھوں میں آنسو تھے اس کے ہاتھ میں ثاقب کی رپورٹس تھیں۔

ثاقب پریشان ہو گیا۔ کیا بات ہے ثانیہ؟

یہ تمہاری رپورٹس ہیں ثاقب.....اور تم اس کے مطابق باپ نہیں بن سکتے۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ مجھے تم سے محبت ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے ہم کوئی بچہ ایڈاپٹ کر لیں گے۔''

لیکن ثاقب کا دل ہی ٹوٹ گیا۔ وہ گم سم ہو گیا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا کی ساری رونق ختم ہو گئی ہو ایک دن وہ ثانیہ سے بولا۔

''ثانیہ ایک ہی ہسپتال سے ٹیسٹ کرانے والے غلطی بھی کر سکتے ہیں ہمیں کسی دوسرے ہسپتال سے بھی ٹیسٹ کروالینا چاہیے تاکہ دوسری رائے بھی مل جائے۔''

ثانیہ نے نظریں جھکالیں۔

''ثاقب مجھے اس بات کا پتہ تھا اسی لیے ڈاکٹر صاحب نے دو مختلف لیبارٹریز سے چیک کروایا تھا دونوں جگہ سے ایک ہی جیسے رزلٹ ملے تھے لیکن تم فکر کیوں کرتے ہو۔ میں ہوں نا تمہارے پاس ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے بہت ہیں۔''

ثاقب خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا تھا جسے اتنی اچھی بیوی ملی تھی۔ اس نے اپنے ماں باپ کو شادی کے بارے میں نہیں بتایا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ان کو ثانیہ سے متعارف کروائے گا اور بتائے گا کہ ان کی بہو کتنی اچھی تھی اور اس کے لیے کتنی بڑی قربانی دے رہی تھی۔

دونوں کی زندگی نارمل طریقے سے گزر رہی تھی دو ماہ اور گزر گئے تھے ثاقب کو اپنے ٹیسٹ کے بارے میں رپورٹ ملے ایک دن وہ رات کو ڈنر سے واپس آ رہے تھے جب ان کا ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا ثانیہ کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی ثاقب اسے جلدی سے قریبی ہسپتال لے گیا اسے کچھ خاص چوٹ نہیں آئی تھی لیکن وہ ثانیہ کی وجہ سے پریشان تھا۔ ثانیہ ہوش میں آئی تو ڈاکٹر نے اسے اندر بلایا۔

''آپ کو ایسی حالت میں احتیاط سے گاڑی چلانی چاہیے مسٹر.....اگر آپ کی بیوی اور بچے کو کوئی نقصان ہو جاتا تو.....ثاقب نے کنفیوز ہو کر ثانیہ کی طرف دیکھا۔

Digitized by Google

''بچہ.....؟''

''ہاں مسٹر..... تمہاری بیوی ماں بننے والی ہے'' وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تو ثاقب ثانیہ کے قریب آیا۔

''ثانیہ..... یہ ڈاکٹر کیا کہہ رہا تھا'' ثانیہ کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے ثاقب کے ہاتھ پکڑ لیے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مجھے معاف کر دو ثاقب میں نے تمہارے ساتھ بیوفائی کی لیکن میں بھی کیا کرتی۔ میں ایک عورت ہوں اور عورت کی سب سے بڑی خواہش ماں بننا ہوتا ہے۔ اپنے بچے کی ماں۔ بچہ ایڈاپٹ کرنے سے میری ممتا سیراب نہیں ہو سکتی تھی اور تم باپ نہیں بن سکتے تھے۔ تو پھر میں کیا کرتی؟'' ثانیہ نے خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

ثاقب کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ آنکھیں سرخ اور چہرہ پتھر بنا ہوا تھا وہ ایک لمحہ بھی وہاں نہ ٹھہر سکا اور اسے اسی طرح چھوڑ کر ہسپتال سے نکل گیا۔ سارا دن جاب پر رہا۔ ساری رات تو وہ پہلے ہی سڑکیں ناپتا رہتا تھا جاب کے بعد بھی گھر جانے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ ثانیہ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ بچے کی خاطر اگر وہ اس سے علیحدگی اختیار کر کے دوسری شادی کرنا چاہتی تھی تو اسے اتنا صدمہ نہیں پہنچتا جتنا اس وقت پہنچا تھا اس کی مردانگی کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی ماں باپ نے بچپن میں جو اخلاقیات کے درس دیے تھے ثانیہ کے اس قدم سے سب کہانیاں معلوم ہو رہے تھے..... یہ پاکیزگی..... ایمانداری۔ اخلاقی قدریں سب بیکار ہیں۔ جانے کن لوگوں نے اپنے خاندانوں کے لیے یہ اصول بنائے ہوئے ہیں۔

گھر تو آخر جانا ہی تھا۔ گھر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ وہ دھیرے سے بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر گیا تو وہاں بھی ثانیہ نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ جانے کیوں دو آنسو نکل کر اس کے تکیے میں جذب ہو گئے اس نے ثانیہ سے محبت کی تھی۔ اپنی زندگی کی پہلی محبت۔ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس کی خاطر خوشی سے اس کو چھوڑ سکتا تھا لیکن اس نے اس کی پیٹھ پیچھے جو کھیل کھیلا تھا اس نے ثاقب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اس کی ساری زندگی سیکھے ہوئے اخلاقی اسباق پرزہ پرزہ کر کے بکھیر دیے تھے۔ وہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا اور ٹانگیں نیچے کر لیں۔ تبھی سائیڈ ٹیبل پر پیپر ویٹ کے نیچے دبے کاغذ نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

ثاقب

میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں لیکن مجھے پچھتاوا نہیں ہے۔ مجھے ایک بچہ چاہیے تھا اپنے لیے میں نے وہ حاصل کر لیا مجھے معلوم ہے اب تم مجھے برداشت نہیں کرو گے اس لیے تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔

ثاقب کا دل غم و غصہ سے بھر گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس وقت ثانیہ سامنے آئے تو اسے اتنا مارے کہ وہ لہولہان ہو کر مر جائے۔ اسی وقت نعیم آ گیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گیا نعیم نے تھوڑی سی ہمدردی دکھائی تو وہ اس کے سامنے پگھل گیا اور سب کچھ اسے بتا دیا۔

''یہ عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں ثاقب۔ ان پر بھروسہ تو بے وقوف لوگ کرتے ہیں۔ یہ سکون نہیں دے سکتیں بلکہ زندگی سے سکون چھین لیتی ہیں۔ ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جو میں کرتا ہوں یہ اسی قابل ہیں۔''

ثاقب نے حیران ہو کر نعیم کی طرف دیکھا۔ اس بات سے اس کا کیا مطلب تھا ثاقب کی سمجھ میں نہ آیا اور جب نعیم نے اسے سمجھایا تو وہ حیران رہ گیا

Digitized by Google

نوشین بھابی کی وہ دل سے عزت کرتا تھا اور اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح کی زندگی گزارتی ہوں گی۔ وہ گم سم ہو گیا لیکن ثانیہ کی بے وفائی اور توہین نے اس کے خون میں جو زہر بھر دیا تھا اس نے اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اسے بھول گیا کہ یہ برائی بدترین مثال ہے۔ وہ بھول گیا کہ وہ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے والدین نے اسے کیا تربیت دی تھی اور اگر اس کے والدین کو پتہ چلا کہ وہ کیا کر رہا ہے تو ان کا کیا حال ہوگا کہاں تو وہ ڈر رہا تھا کہ ثانیہ سے شادی ماں باپ سے پوچھے بغیر اور بتائے بغیر کر لی ہے اور جانے وہ کتنے ناراض ہوں گے اور کہاں ہر بات کا ڈر اور ہر چیز کا خوف دل سے نکل گیا۔ دل میں اگر کچھ باقی رہا تو انتقام کی آگ..... عورت ذات سے نفرت۔ اس سے بدلہ لینے کی روز بروز بڑھتی حسرت اور پیاس۔ تب وہ نعیم کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا پھر چونکہ وہ وہاں بہت مضطرب رہتا تھا کہ کہیں ثانیہ سے سامنا نہ ہو جائے اور نعیم بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ مکمل طور پر اس سے دور ہو جائے..... وہ دونوں کسی اور شہر منتقل ہو گئے یہاں آ کر اس نے اپنی جمع شدہ پونجی سے اسٹوڈیو خریدا۔ شروع میں نعیم کے ساتھ ہی رہا اور یہ نعیم ہی کی تجویز تھی کیونکہ وہ اسے مکمل اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا۔ اسے قدرتی طور پر خوف تھا کہ اس کی نظروں سے دور رہ کر کوئی چیز اس کی بہتری کا سامان پیدا نہ کر دے۔ یوں نعیم کی سنگت میں رہ کر اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ وہ کتنا برا کر رہا ہے۔ نعیم نے اسے ایک دو جگہ سیٹ کیا مگر چونکہ وہ گھاگ اور پیشہ ور نہیں تھا اس لیے کسی کو سنبھال نہ سکا۔ چنانچہ اس کے دونوں شکار ایک ایک کر کے کسی اور بڑے شکار کے لیے سے چھوڑ گئے۔ لیکن اس عرصے میں اتنا پیسہ تو اس نے کما ہی لیا تھا کہ فلیٹ خرید کر اسے آراستہ کیا اور ماں باپ کو بھاری رقم بھجوا دی۔ وہ دونوں کے اس طرح بھاگ جانے پر دل برداشتہ ہو گیا تب اسے ماں باپ کی یاد ستانے لگی۔ تو اس نے سوچا کہ پاکستان کا چکر لگا لے۔ نعیم نے بھی اس کا ساتھ دیا وہ چاہتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کو دل بہلا آئے فریش ہو جائے تو پھر نئے سرے سے اسے سیٹ کرے گا نعیم نے اپنے پاس سے ایک بڑی رقم اسے تحفے تحائف خریدنے کے لیے دی جس سے وہ بہت اس کا بہت مشکور ہوا اس کا زیر سر کچھ اور جھک گیا۔

والدین اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بہن بھائی خوشی سے بے حال ہو گئے یہ وہ بھائی تھا جس نے ان کو خوشحالی سے روشناس کرایا تھا بھی اسے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا تھا کہ ماں باپ نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا اس کے دل میں ناگواری کے احساسات پیدا ہوئے ایسے لگ رہا تھا لہو زہر بن گیا ہو۔ وہ تو شادی کا نام نہیں سننا چاہتا تھا۔ ثانیہ کا چہرہ ایک بار پھر پوری شدت سے یاد آیا اور ساتھ ہی وہ ساری جان لیوا یادیں جو اس کے ساتھ جڑی تھیں اس نے صاف کہہ دیا کہ بہنوں کی شادی سے پہلے وہ اپنی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ایک دن ریستوران میں لنچ کے دوران اس کی نظر سیما پر پڑی وہ وہیں ٹھٹک گیا کوئی بات تھی اس میں کہ ثاقب کی نظر اس کے چہرے پر رک گئی۔ اس نے روز وہاں آنا شروع کر دیا اور بغور ان کی گفتگو سننی شروع کر دی تب اسے پتہ چلا کہ وہ بھی لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے دل میں ایک خیال ابھرا کہ یہ اس کے لیے اچھا شکار ثابت ہو سکتی ہے محدود وسائل اور پیسے کی کمی کی وجہ سے ایسی لڑکیاں کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں ماں باپ بھی اپنی کمزور حیثیت کی وجہ سے زیادہ دباؤ نہیں

Digitized by Google

ڈال سکتے تب اس نے سیما کو شیشے میں اتارنا شروع کر دیا محبت کا ڈرامہ اس کے لیے مشکل نہ تھا۔ وہ اس میدان کا گھاگ نہ سہی تھوڑا بہت تجربہ تو اسے ہو ہی گیا تھا۔ دو ہفتے گزرے تو اسے احساس ہوا کہ وہ اتنا آسان شکار بھی نہیں ہے جتنا اس نے سمجھا تھا۔ پھر اس نے اپنا سب سے بڑا پتہ پھینکا۔ ماں باپ کو اس کا رشتہ لینے بھیج دیا وہ تو خوش تھے کہ چلو بیٹا راضی تو ہوا۔ اپنے اچھے اخلاق اور خوش گفتاری سے اس نے اس کے والدین کو متاثر کر لیا بہن بھائی بھی اس کے گرویدہ ہو گئے پھر اس نے جہیز اور تحائف نہ لینے کی ضد کر کے سب کے دل جیت لیے سیما بھی اس کے دام میں آ ہی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار شادی ہو جائے اور وہ امریکہ پہنچ جائے تو اسے رام کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اس کے خاندان کی ضروریات ہی اتنی تھیں کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔

یوں ان کی شادی ہو گئی۔

☆.....☆

سیما نے تنکا تنکا کر کے اپنا گھونسلہ دوبارہ تعمیر کیا تھا کہ اس پر ایک بار پھر بجلی آن گری اور اس بار لگتا تھا کہ وہ اپنے حواس مجتمع نہیں رکھ سکے گی۔ وہ اس حالت میں تھی کہ اس کو بیحد سکون اور بے پناہ محبت کی ضرورت تھی لیکن اسے تو نت نئے مسائل کی بارش مل رہی تھی آخر یہ ثاقب کس قسم کی گتھی ہے کہ سلجھنے کے قریب ہوتا ہے تو کوئی دھاگا کھنچ جاتا ہے اور پھر الجھ جاتا ہے۔ پورے دس گھنٹے ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے اور اسے اس طرح نڈھال اپنی ہی لاش اپنے کندھے پر اٹھائے رات تمام کرتے ہوئے۔ اور اب اور کچھ سوچنے کی سکت اس میں نہیں تھی۔ اس نے اٹھ کر اپنے لیے دودھ گرم کیا اور دو ٹوسٹ لے کر اس میں بھگو کر کھانے لگی۔ کھانے کے بعد ادھر ادھر دیکھا تو کونے میں کاغذات کا پلندہ نظر آیا جب سے وہ شفٹ ہوئے تھے وہ ڈھیر سارے کاغذات یونہی بکھرے تھے اسے فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ انہیں دیکھ کر الماری میں ترتیب سے رکھ سکتی۔ اور آج تو وقت ہی وقت تھا۔ وہ بے دلی سے اٹھی اور ان کاغذات کو دیکھنے لگی۔ آدھے کاغذات الماری میں رکھنے کے بعد اسے پلاسٹک کے باریک سے فولڈر میں چند رنگین کاغذ نظر آئے۔ وہ بے اختیار انہیں کھول کر دیکھنے لگی۔ یہ چند خطوط تھے اور ساتھ میں چند ایک رجسٹرڈ لیٹر بھی تھا جو ابھی تک سربمہر ہی پڑا تھا۔ وہ حیران ہو گئی۔ اسے ابھی تک کھولا کیوں نہیں گیا الٹ پلٹ کر دیکھا تو تین سال پہلے کی تاریخ درج تھی ٹکٹوں پر۔ وہ اور زیادہ حیران ہوئی ثاقب کا ایڈریس بھی لکھا تھا۔ بیک پہ دیکھا تو ثانیہ کا نام تھا۔ اس کا رواں رواں زندہ ہو گیا ثانیہ کا خط تھا ثاقب نے پڑھا کیوں نہیں؟

دوسرے خط ثانیہ کے نام تھے ثاقب کی طرف سے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سیما پڑھنے پر مجبور ہو گئی۔

جان سے پیاری ثانیہ

تم کیا جانو تم سے ایک دن کی جدائی بھی میرے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے دل چاہتا ہے کہ تم سامنے ہوتی تو تمہیں اپنے سینے سے لگا لیتا اور.....

سیما کا رنگ اڑ گیا۔ اس سے آگے ایک لفظ نہ پڑھا گیا ثانیہ کے لیے ثاقب کی بے قراریوں کا حال وہ کس دل سے پڑھتی۔ اس نے دوسرا خط کھولا۔

میری سانسوں سے بھی زیادہ قریب ثانیہ

تمہاری خوشبو ابھی تک میری سانسوں میں رچی ہے۔ اور میں اسی کے سہارے یہ چند گھنٹے گزار رہا ہوں ورنہ تو میرا دم نکل جاتا۔ پتہ نہیں مردوں کو کام کرنے کے لیے دوسرے شہر کیوں جانا پڑتا ہے

سیما نے بیقرار ہو کر اسے اپنے ہاتھوں سے چر مر کر دیا۔ آنسو بے اختیار ڈھلک کر گالوں پہ

Digitized by Google

آ گرے۔ ثاقب اس طرح کی محبت بھری باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ اور ثانی..... کتنی خوش قسمت تھی ثانیہ جو ثاقب اس سے اس قدر والہانہ پیار کرتے تھے آخر وہ اس کی قدر کیوں نہ کر سکی اور میں۔ میں کیا ہوں ثاقب کے لیے۔ میرا کیا درجہ ہے۔ کیا مقام ہے ان کی زندگی میں میری کتنی اہمیت ہے۔

ہونہہ..... وہ زہر خند مسکراہٹ سے بولی۔ میری اہمیت تو ظاہر ہے پوری طرح میرے اوپر۔ میں کس بھول میں ہوں۔ میں تو بس ہتھیار تھی ان کے لیے اور اب بھی ہتھیار ہوں جو بندہ اتنی خوبصورت خبر پر اس طرح ری ایکٹ کرتا ہوا گھر سے نکل جائے اپنی بیوی کے احساسات کی ذرا پرواہ نہ ہو اس کی کیا اہمیت کے لیے تم اب بھی کسی شک میں مبتلا ہو۔ تمہاری کوئی اہمیت نہیں ہے سب کچھ ثانیہ ہی تھی اور وہی رہے گی۔ وہ لاکھ بے وفا سہی لیکن ابھی تک ان کے دل میں وہی براجمان ہے۔ اور شاید قیامت تک وہی رہے۔ اسے ثانیہ سے بے تحاشہ رقابت محسوس ہو رہی تھی اس نے جلدی سے تمام کاغذات سمیٹے وہ سر بمہر لفافہ بھی احتیاط سے رکھ دیا جسے ثاقب نے اب تک کھولا نہیں تھا..... اور سیما حیران تھی کہ آخر وہ خط ثاقب نے کیوں نہیں کھولا وہ واحد خط تھا جو ثانیہ کی طرف سے تھا اور کھولا نہیں گیا تھا۔

ابھی وہ سمیٹ کر فارغ ہوئی تھی کہ باہر کا دروازہ کھلا۔ ثاقب سر جھکائے اندر داخل ہو رہا تھا آتے ہی اس نے بیڈ کے کونے پر پریشانی اور فکر و غم سے بے حال سیما پر سرسری نظر ڈالی۔ نظر تو اس کی اس سوٹ کیس پر بھی پڑ گئی تھی جو اس کے پاس کھلا پڑا تھا لیکن وہ اس وقت اپنے آپ میں کب تھا کہ اسے کسی چیز کا ادراک ہوتا وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھا۔ وہ سیما کی نظروں سے غائب ہو جانا چاہتا تھا۔ وہ شاکڈ تھا۔ بے انتہا کنفیوز تھا۔ اپنے آپ سے بے خبر۔ اپنی سوچ سے بے خبر خود سے مکمل طور پر اجنبی اسے دنیا میں کچھ بھی حقیقت نہیں لگ رہا تھا یہ سب ایک خواب تھا ایک سراب تھا اور اس کی کشتی اس وقت بیچ منجدھار میں بری طرح ہچکولے کھا رہی تھی اور وہ کسی طرح خود پر قابو پانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے واش بیسن پر ہاتھ ٹکا کر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ اسے یہ نہیں لگ رہا تھا کہ یہ وہی ہے۔ ثاقب جو صبح تک کتنا خوش تھا ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ لیکن سیما کے ایک ہی جملے نے اسے عرش سے فرش پر لا پھینکا تھا۔ اور وہ اتنی زور سے گرا تھا کہ سب کچھ چکنا چور ہو گیا ہو۔ اس کا وجود بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہو۔ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ درد کی شدت سے بے حال ہوتے ہوئے بھی وہ سوچنے لگا۔

اس کی زندگی میں دو عورتیں آئیں۔ ثانیہ جو عورت کہلانے کی حقدار ہرگز نہیں تھی۔ بد کردار۔ دھوکے باز مطلب پرست۔ اس نے عورت ذات سے اس کا اعتماد اور بھروسہ توڑ پھوڑ کر اس کی ذات کو بکھیر دیا تھا۔ ایسے کہ وہ خود کو اب تک سمیٹ نہیں پایا تھا۔ اور سیما..... سیما کے بارے میں وہ کیا سوچے؟ اس نے تو سمجھا تھا کہ سیما اس کے بکھرے وجود کو سمیٹ رہی ہے بڑی مہارت سے اس کی ٹوٹی کرچیاں جوڑ کر اسے آہستہ آہستہ مکمل کر رہی ہے لیکن سیما کے بارے میں وہ کنفیوز ہو رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں ایک فلم سی چلنے لگی وہ جب پہلی بار اس سے ملا تھا پھر آہستہ آہستہ سارے واقعات دل و دماغ میں یکے بعد دیگرے آتے چلے گئے اس کی معصومیت پاکیزگی مضبوطی راست بازی سچائی اور عزت و آبرو کے راستے پر ڈٹے رہنا لیکن سیما نے آخری جملے نے اس سے جیسے اس کی روح کھینچ لی تھی اسے زمین پر قدم جما کر کھڑے ہونے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن کیا وجہ تھی کہ پھر بھی اسے سیما پر

Digitized by Google

اعتماد تھا بھروسہ تھا۔ وہ اسے ابھی بھی معصوم اور پاکیزہ ہی سمجھتا تھا ہاں۔ اس نے زور سے دیوار پر مکہ مارا..... سیما ایسی نہیں ہے۔ وہ ایسی نہیں ہوسکتی اس نے اسے کتنا عرصہ دیکھا ہے۔ اس کے کردار کو پرکھا ہے۔ اس کی شخصیت کو جانچا ہے سیما ایسی ہو ہی نہیں سکتی اس گورکھ دھندے کا تانا بانا غلط بنا گیا ہے۔ یا اسے غلط تصویر کا بالکل غلط رخ دکھایا گیا ہے۔ اس کی الجھن کی سلجھن کچھ اور ہے اسے صحیح طریقے سے اس گتھی کو سلجھانا ہے لیکن سیما کی اتنی بڑی خوشی پر اس نے جو بے ہودگی سیما کو جو دکھ پہنچایا اس کا کیا ہوگا وہ اس کا سامنا کیسے کرے گا۔ اس نے منہ پر پانی کے بے شمار چھینٹے مارے تولیے سے صاف کیا اور بوجھل قدموں سے باہر آیا۔ وہ ابھی تک بیٹھی تھی۔ اب اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ ثاقب کے دل پر چوٹ سی پڑی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا اور فرش پر دوزانو بیٹھ گیا سیما نے جھکا ہوا سر نہیں اٹھایا۔ دو تین آنسو ثاقب کے ہاتھ پر گرے تو اس نے بے اختیار سیما کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا پھر اس کی نظر سوٹ کیس پر پڑی۔

''یہ سوٹ کیس؟'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''سامان پیک کررہی ہوں۔ مجھے یہاں سے جانا ہوگا'' وہ اتنی آہستہ بولی کہ وہ بمشکل سن سکا۔

''مجھے چھوڑ کر'' وہ اس قدر ہی کہہ سکا۔

''آپ کون ہیں میرے؟'' اس نے پہلی بار ثاقب کی طرف دیکھا۔ اس کی خالی نظریں بالکل سپاٹ تھیں ان میں کوئی تاثر کوئی جذبہ نہیں تھا۔

''نہیں سیما تم مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جاسکتیں'' ثاقب کی گرفت ہاتھ پر مضبوط ہوگئی۔

''پلیز ثاقب'' اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا میں اور میری انا روز روز عزت افزائی کے متحمل نہیں ہوسکتے' آپ کو شاید عادت ہوچکی ہے آپ کے خدشات اور شکوک وشبہات شاید آپ کے قد سے بہت زیادہ اونچے ہیں آپ تو ان ہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ آپ کو کسی زندہ انسان کی ضرورت نہیں ہے اور مجھے اپنی عزت نفس بہت عزیز ہے میں اسے کسی قیمت پر قربان نہیں کرسکتی۔'' وہ اس ہارے ہوئے انسان کی طرح بول رہی تھی جس کا سب کچھ لٹ چکا ہو جینے کے لیے کوئی آس کوئی امید نہ ہو اس نے دونوں ہاتھوں سے رگڑ کر اپنے آنسو صاف کیے

''میں معذرت خواہ ہوں ثاقب۔ میں خود پر قابو نہ رکھ سکی اور کمزور اور قصور وار عورتوں کی طرح رونا شروع کردیا لیکن کیا کروں عورتوں کے آنسو بہت جلد نکل آتے ہیں نا اور جب شیشہ ٹوٹ کر چکنا چور ہوتا ہے تو آواز تو آتی ہے..... تو مجھے معاف کردیجیے پلیز'' ثاقب نے دوبارہ اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''سیما میں مجرم سہی لیکن مجھے وضاحت کا موقع تو دو مجرم کو بھی اپنی صفائی کے لیے کچھ کہنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ میں کیا اتنا حق بھی نہیں رکھتا؟'' وہ بیحد سنجیدہ اور شرمندہ تھا۔

''آپ کا ایکشن سب کچھ واضح کرچکا ہے ثاقب۔ مجھے مزید صفائی کی ضرورت نہیں ہے'' وہ اس سے نظر نہیں ملا رہی تھی۔

''تمہیں نہیں ہوگی سیما لیکن مجھے کچھ حقائق واضح کرنے کی اشد ضرورت ہے ہماری زندگی کا انحصار اس پر..... ہماری آنے والی خوشیوں.....

''پلیز ثاقب'' وہ سختی سے بولی'' میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہتی اور نہ ہی اب ہمارے لیے کوئی زندگی رہ گئی ہے ہمارے راستے الگ ہیں۔ الگ ہی رکھیں تو اچھا ہے۔''

''نہیں۔'' ثاقب کی آواز میں بے پناہ استحکام تھا۔ ثابت قدمی تھی۔ نہ ہمارے راستے الگ ہیں

Digitized by Google

اور نہ ہی ہماری زندگی ختم ہوئی ہے اور تم میری بات سنے بغیر کہیں نہیں جاؤ گی۔ میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا جب تک تم وہ ہر لفظ نہ سن لو جو میں کہنا چاہتا ہوں۔'' ثاقب نے سیما کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی ثانیہ کی اور اپنی داستان کا آغاز کر دیا وہ اتنا شرمندہ دل گرفتہ اور بے بس لگ رہا تھا کہ سچائی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی پہلے وہ لاپرواہی کا اظہار کرتے ہوئے سنتی رہی لیکن جوں جوں اس کی کہانی آگے بڑھ رہی تھی سیما کی حیرت اور بے یقینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جب ثاقب نے اپنی کہانی ختم کی تو وہ دکھی ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ کنفیوز بھی تھی۔ اگر ثاقب صحیح کہہ رہا ہے تو پھر..... تو پھر..... لیکن اسے تو پتہ تھا۔ اسے تو یقین تھا کہ ثاقب کی داستان کا جو بھی مطلب ہے وہ سچی ہے وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ وہ ایک باحیا اور باکردار لڑکی ہے۔

''تو اس لیے آپ نے اس طرح ری ایکٹ کیا'' آخر کار کتنی دیر بعد وہ بولی..... لیکن

'' مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے تمہاری معصومیت اور پاکیزگی کی میں قسم کھا سکتا ہوں۔ بات جو بھی ہے اس کی کوئی ایکسپلانیشن ہو سکتی ہے لیکن تم سمجھ سکتی ہو میں جو برسوں سے ایک بات کو حقیقت سمجھ بیٹھا تھا۔ تمہارے منہ سے یہ سب سن کر مجھے کتنا بڑا شاک لگا ہوگا۔'' ثاقب کا چہرہ سرخ ہو گیا تمہارے انکشاف نے میرے جسم کے ساتھ ساتھ میرے سارے احساسات کو منجمد کر دیا تھا۔ ماضی کی بھول بھلیوں میں دبے کتنے ہی ناگ شک کے پھن پھیلائے میری طرف اس تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ پہلے تو میں خوف سے ہل نہ سکا پھر ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔

''تو مجھے اس جان کنی کی حالت میں چھوڑ کر ساری رات کہاں رہے آپ؟''

''بھٹکتا رہا ماضی کی بھول بھلیوں میں..... اور صبح تھک ہار کر پناہ لینے تمہارے ہی پاس پہنچ گیا۔ تم تو میرا وہ روشن ستارہ ہو جو مجھے سیدھے راستے پر لے آیا تم ہی مجھے بھٹکنے سے بچا سکتی ہو۔ تم ہی مجھے سچائی کا نشان بتا سکتی ہو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں کہاں جاؤں؟ کوئی منصوبہ ہے تمہارے پاس؟'' سیما جس کے دل کو کچھ قرار نصیب ہوا تھا۔ پرسوچ انداز میں بولی۔

''منصوبہ تو سوچنا پڑے گا۔ بہت کچھ داؤ پر لگا ہے ثاقب۔ میری عزت اور اس بچے کی عزت۔ ان سب کی خاطر لیکن پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔ کل سے بھوکی ہوں۔ دماغ کام نہیں کر رہا اور آپ نے بھی تو کچھ نہیں کھایا کب سے'' وہ اٹھنے لگی تو ثاقب نے کندھوں سے پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔ ''تم آرام کرو میں کچھ بناتا ہوں'' وہ کچن کی طرف گیا تو وہ اسے کام کرتا دیکھتی رہی۔ دل میں جو شکوے تھے وہ دور ہو گئے مگر سوالات ابھی بھی تنگ کر رہے تھے۔

''آپ جانتے ہیں ایک غلطی ہوگئی مجھ سے'' وہ دھیرے سے بولی۔ ثاقب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے آپ کے نام ثانیہ کے خط پڑھ لیے ہیں۔ اتنے روٹین تو آپ کبھی مجھ سے بھی نہیں ہوئے۔''

''یہ خط کہاں سے ملے آپ کو'' وہ چونکا۔ سیما نے تھوڑی سی خفت سے اس کی طرف دیکھا۔

آپ کے جانے کے بعد غم کی شدت سے کچھ دیر تو ہل نہ سکی پھر اٹھ کر اسٹوڈیو میں بھٹکتی رہی۔ آپ کی میز کے دراز سے بیشمار کاغذات اور خطوط دیکھے تو وقت گزاری کو پڑھنے بیٹھ گئی..... وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو ثاقب کھانے کی ٹرے لے کر وہیں آ گیا۔ ٹرے رکھی اور ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔ وہ جانتا تھا کہ اس انداز میں لکھے گئے خطوط

Digitized by Google

سے سیما کے دل کو ٹھیس پہنچنا لازمی تھی۔ اس کا ہاتھ گرمجوشی سے دبا کر آنکھوں سے لگالیا۔

وہ سب میرے بدقسمت ماضی کا حصہ ہے اب سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے خود پر کہ مرد ہو کر کیسے ایک لڑکی کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ وہ تمام جذبات ٹھنڈے ہو کر راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں''

''آپ کو واپس لاس اینجلس جانا چاہیے اسی ہاسپٹل سے معلومات حاصل کرنی چاہئیں'' سیما سینڈوچ کھاتے ہوئے بولی

''میرا بھی یہی خیال ہے'' ثاقب پرسوچ انداز میں بولا۔ اچانک سیما کو کچھ یاد آیا

''پتہ ہے آپ کے خطوط میں ایک سربمہر لفافہ بھی تھا موٹا سا..... جسے آپ نے کھولا بھی نہیں۔ کیوں ثاقب کیوں نہیں کھولا؟''

''بس'' وہ چپ سا ہو گیا اور پھر بیزاری سے بولا ''مجھے ہر چیز سے نفرت ہو گئی تھی اور مجھے کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا''

لیکن وہ ثانیہ کا خط تھا ثانیہ کا آخری خط۔ وہ تو پڑھ لیتے ہو سکتا ہے اس میں''

''نہیں'' ثاقب سختی سے بولا ''میں اس کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتا اور اس کا خط پڑھنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بس ہم کل ہی لاس اینجلز جا رہے ہیں''

''ٹھیک ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں پڑھ لوں''

''کیوں خود کو تکلیف دیتی ہو سیما۔'' ثاقب محبت سے بولا۔ سیما مسکرائی خط کھولا اور پڑھنے لگی۔ کچھ دیر چہرہ تاثرات سے عاری رہا لیکن پھر آہستہ آہستہ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئیں۔ خط ختم ہوا تو وہ گم سم تھی۔ خط ثاقب کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ تو آپ کو پڑھنا ہوگا سب سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ ثاقب نے کاغذ پر نظر ڈالی

ڈیئر ثاقب

سب سے پہلے تو میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں کہ میں نے تمہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور چھوڑ دیا مجھے تم سے کبھی بھی محبت نہیں تھی پھر بھی میں نے ڈرامہ کیا کیوں؟ اس کے لیے تمہیں میری کہانی شروع سے سننا ہوگی۔ ہم دس بہن بھائی تھے بے انتہا غریب خاندان سے تعلق تھا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے لوگوں کو دھوکا دے کر چیزیں بٹورنا بچپن سے سیکھ لیا تھا۔ میں سب سے بڑی تھی اور ان کاموں میں سب سے تیز بھی۔ ہمارے ماں باپ کو پیسوں کے جوڑ توڑ نے کبھی ہماری طرف دیکھنے کی مہلت نہ دی باپ تو نشہ بھی کرتا تھا اور ماں کو مار پیٹ کر اس سے روپے بھی ہتھیا لیتا تھا ماں نئے سرے سے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے گلیوں میں کام کرنے کے لیے منتیں کرتی پھرتی تھی۔ ایسے حالات میں ہم بہن بھائیوں کو اخلاقی اقدار سے روشناس کرانے والا کوئی نہ تھا ہم اسی طرح توڑ توڑ کر کے اور نئے نئے منصوبوں سے لوگوں کو لوٹتے لوٹتے بڑے ہو گئے ساجد میری خالہ کا بیٹا تھا خالہ کے صرف تین بچے تھے اور ان کی مالی حالت بھی ہم سے اچھی تھی کبھی کبھی وہ ترس کھا کر میری ماں کی مدد بھی کر دیتی تھی لیکن چونکہ باپ اس سے سب ہتھیا لیتا تھا اس لیے اس نے وہ مدد بھی ختم کر دی پھر پتہ نہیں کب میں ساجد کے عشق میں سر سے پاؤں تک غرق ہو گئی۔ اور اسی طرح اپنی چالاکیوں سے مختلف ہتھکنڈے استعمال کر کے خالہ کو اتنا تنگ کیا کہ ہم دونوں نے کہ وہ میری منگنی کرنے پر رضامند ہو گئی اور جب ساجد

Digitized by Google

ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جانے لگا تو ہم دونوں نے ایسا منصوبہ بنایا کہ خالہ ہم دونوں کی شادی پر مجبور ہوگئیں ساجد بھی میری طرح جوڑ توڑ کا ماہر تھا ان دنوں امریکہ جانا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا آجکل ہے ساجد کو ریذیڈنسی مل گئی تو اس نے کسی طرح مجھے بھی وہاں داخلہ دلوادیا تاکہ میں اسٹوڈنٹ ویزے پر اس کے ساتھ جاسکوں ٹکٹ اور باقی اخراجات کے لیے ایک دوست سے قرض لے لیا اور اس طرح ہم امریکہ آگئے۔ مجھے بچوں کا بہت شوق تھا اور کم از کم ایک بچہ تو میں فوری طور پر چاہتی تھی پڑھنے کا مجھے کوئی خاص شوق نہ تھا بس یونہی کلاسز اٹینڈ کرتی تھی اکثر چھوڑ بھی دیتی۔ ساجد کی ٹریننگ مکمل ہوئی تو اسے وہیں جاب مل گئی اور ساتھ ہی امیگریشن بھی۔ ٹیسٹ کروانے پر میرا ٹیسٹ تو کلیئر تھا لیکن ساجد باپ نہیں بن سکتا تھا۔ میرے ارمانوں پر اوس پڑ گئی میں بہت دل گرفتہ تھی اس روز جب تم نے مجھے بچے پہ روتے دیکھا یہ وہی دن تھا جب مجھے ساجد کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ باپ نہیں بن سکتا تم سے دو تین ملاقاتوں کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگے ہو تب میں نے سوچ لیا کہ یہ بچہ میں تم سے حاصل کروں گی اخلاقی قدروں کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی مجھے ہر قیمت پر بچہ چاہیے تھا میں نے ساجد کو بھی اپنے منصوبے میں شامل کرلیا اس کی اخلاقیات بھی مجھ سے مختلف نہ تھیں وہ بھی میرے ساتھ شامل ہوگیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے پھر تم نے مجھے شادی کی پیش کش کی جو میں نے فوراً قبول کرلی حالانکہ میں ساجد کی بیوی تھی اور تم سے شادی جائز نہیں تھی لیکن میں نے ساری زندگی جائز اور ناجائز کے چکر میں پڑنا بیکار ہی تصور کیا ہے تو اب کیسے سوچتی جبکہ میری ایک بہت بڑی خواہش داؤ پر لگی تھی لیکن میں چاہتی تھی کہ جو بھی بچہ مجھے ملے وہ میرا اور ساجد کا بچہ کہلائے۔ اور جب مجھے پتہ چلا کہ میرے اندر ایک نئی زندگی آچکی ہے تو میں نے اپنے منصوبے پر عمل کرنا شروع کردیا تمہیں اس بچے کی موجودگی سے لاعلم رکھتے ہوئے زور دیا کہ مجھے جلد بچہ چاہیے اس لیے تم اپنا چیک اپ کراؤ۔ اپنا ٹیسٹ کلیئر ہونے کا پیپر میں نے تمہیں ساجد سے بنوا کر دکھادیا اور تمہیں بھی مجبور کیا کہ تم ڈاکٹر ساجد سے چیک اپ کراؤ ساجد ہسپتال میں کام کرتا تھا اس کی لیبارٹری اور کمپیوٹر تک پہنچ تھی اس لیے تمہارا رزلٹ تبدیل کرنا اس کے لیے مشکل نہ تھا مجھے شک تھا کہ تم صرف ایک لیبارٹری سے ٹیسٹ کو کافی نہیں سمجھو گے اس لیے میں نے اس کا بھی ساجد سے انتظام کروادیا میں نے پورا انتظام کروایا کہ تم یہی سمجھو کہ تم باپ نہیں بن سکتے تاکہ جب تمہیں پتہ چلے کہ میں ماں بننے والی ہوں تو تمہارے دل میں شک بھی پیدا نہ ہو کہ یہ تمہارا بچہ ہوسکتا ہے تم میرے پیچھے نہ آؤ اور ساری دنیا یہی سمجھے کہ یہ میرا اور ساجد کا بچہ ہے میں اس طرح خوش ہوسکتی تھی اس لیے تو جب تم نے مجھے بے وفا جانا اور تمہیں میرے کسی اور سے افیئر کا علم ہوا اور اس کے نتیجے میں میرے ماں بننے کا علم ہوا تو مجھے تمہارے غموں سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ مجھے ذرا سا بھی افسوس نہیں تھا کہ تم مجھے برا سمجھ رہے ہو مجھے جو چاہیے تھا وہ تو حاصل

Digitized by Google

ہوگیا تھا اور میں تمہارے ہر قسم کے دباؤ سے بھی آزاد تھی میں بہت خوش تھی کہ ایک بار پھر میں کامیاب رہی ہوں ایک بار پھر کسی کو دھوکا دے کر اپنا مطلب نکالنے میں کامیب ہوگئی ہوں اور کسی کو شک بھی نہیں ہوا لیکن خدا نے میری رسی کو جو ڈھیل دے رکھی تھی اسے ختم کرنے کا یکبارگی فیصلہ کرلیا تھا ایک روز میں خوشی خوشی شاپنگ کے لیے گھر سے نکلی اپنی خوشیوں میں مگن سامنے سے آنے والے ٹرک کو نہ دیکھ سکی اسٹیرنگ کو ادھر ادھر گھما کر بچنے کی کوشش میں زور سے ایک پول سے جا ٹکرائی اور بے ہوش ہوگئی کسی نے اسپتال پہنچا دیا اور جب ہوش میں آئی تو میرا بچہ مر چکا تھا۔ میرے لیے تو سب کچھ ختم ہوگیا میری کایا ہی پلٹ گئی اس وقت مجھے خدا یاد آیا۔ سارے گناہ یاد آئے۔ تم یاد آئے۔ تمہارے ساتھ جو گھناؤنا کھیل کھیلا تھا وہ یاد آیا میری حالت ذرا سنبھلی تو میں نے نرس سے کاغذ اور قلم منگوایا میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا میں سب کچھ لکھ کر تمہیں بتا دینا چاہتی تھی تم سے معافی مانگنا چاہتی تھی تمہارا نیا ایڈریس میں نے ایک بار نعیم سے حاصل کیا تھا کیونکہ اس بچے کی وجہ سے کبھی بھی تمہاری ضرورت پڑ سکتی تھی کیونکہ اصل باپ تو تم ہی تھے نرس سے منت کر کے خط پوسٹ کرا رہی ہوں ساجد کے آنے سے پہلے یہ کام کرنا چاہتی ہوں کیونکہ وہ کبھی اجازت نہیں دے گا وہ اس جرم میں شریک تھا تمہاری رپورٹس لیبارٹری میں ثبوت کے طور پر موجود ہیں وہ جیل کبھی نہیں جانا چاہے گا میں بھی ایسا نہیں چاہتی پلیز پولیس کو کچھ نہ بتانا ساجد کو چھوڑ دینا اس خوشی کے بدلے جو مرتے مرے میں تمہیں دے رہی ہوں تم باپ بن سکتے ہو کسی اچھی لڑکی سے شادی کرلینا مگر ساجد کو معاف کر دینا میں اس سے اب بھی محبت کرتی ہوں۔

بدنصیب: ثانیہ

دونوں گم سم تھے۔ اخلاقی اقدار کو کوئی ایسے بھی پامال کرتا ہے کہ اپنی خواہش کے لیے پاتال میں جا گرے کسی دوسرے انسان کو تباہ و برباد کر دے اسے تمام عمر کسی پر بھروسہ کرنے کے قابل نہ چھوڑے ثاقب اٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ہوگیا اتنا بڑا صدمہ پہنچا تھا برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

اسے بچہ چاہیے تھا مگر وہ چاہتی تھی مجھے پتہ نہ چلے لوگ سمجھیں وہ ساجد اور اس کا بچہ ہے اس کے لیے اتنا بڑا ڈرامہ۔ اتنی سبودہ پلاننگ۔ سیما نے اس کے کندے پر ہاتھ رکھا۔

''وہ اپنی پوزیشن مضبوط رکھنا چاہتی تھی اور ساجد کی عزت بھی قائم رکھنا چاہتی تھی بہت محبت کرتی تھی ساجد سے مرتے ہوئے بھی اسی کا خیال تھا کہ آپ اسے جیل نہ پہنچا دیں۔'' سیما آہستہ سے بولی۔

''نہیں سیما یہ محبت نہیں ہے جو کسی کو تکلیف دے جو خود غرضی پر مبنی ہو دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے صرف اپنی آسودگی اور غرض کا خیال رکھے وہ محبت نہیں ہوسکتی۔''

''اصل میں یہ اس کی بچپن کی محرومیوں اور تربیت کا نتیجہ تھا ثاقب'' سیما دکھی ہوگئی۔

''تمہارا دل بہت اچھا ہے۔ ابھی بھی اس کے لیے تاویلیں ڈھونڈ رہا ہے'' ثاقب نے مڑ کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''تم میرے لیے قدرت کا سب سے حسین انعام ہو میرے والدین کی دعاؤں کا ثمر''

سیما نے آسودگی سے ثاقب کے سینے میں منہ

Digitized by Google

چھپالیا۔قدرت نے اتنی بڑی خوشی عطا کی تھی۔ایسے میں جانے کیوں نوشین کا خیال آ گیا کاش وہ کسی طرح اس دلدل سے نکل سکے ۔ رات اس نے پورے خشوع خضوع سے مالک حقیقی سے اس کے لیے دعا مانگی لیکن صبح اٹھی تو علم ہوا کہ دعائیں ایسی صورت میں بھی پوری ہوتی ہیں

نوشین تمام روپیہ اور زیورات لے کر اپنے نئے خیر خواہ کے بھاگتے ہوئے نعیم کی گولی کا شکار ہو کر موقع پر ہی ہلاک ہوگئی۔ پولیس دونوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔ سیما پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ثاقب نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''رومت میری جان..... اس میں خدا کی کوئی مصلحت ہوگی۔ کیا پتہ اس کا نیا دوست اسے اپنے ہی مقصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہو..... قدرت نے اسے ایک اور دکھ سے بچانے کے لیے اس دکھ بھری قید سے آزاد کر دیا۔''

''شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں'' سیما روتے ہوئے اس کے سینے سے لگ گئی۔ آپ میرے لیے راستہ دکھانے والا ستارہ ہیں۔ جگنو ہیں میرے۔ آپ نے ہمیشہ سیدھے رستے پر رہنا ہے اور ہمارے بچوں کو بھی سیدھے راستے پر رکھنا ہے۔ آپ میری قوت ہیں۔ آپ..... آپ۔

''ٹھیک ہے بھئی میں تمہارا کوہ ہمالیہ ہوں۔'' ثاقب ہنس کر بولے ''بس اب رونا دھونا بند کرو آج سے نئی زندگی شروع.....''

''پہلے وعدہ کریں.....'' سیما نے سینے سے سر اٹھا کر ثاقب کی طرف دیکھا..... ثاقب نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر دوبارہ سینے سے لگالیا اور اس کے بالوں میں اپنی تھوڑی ٹکا دی۔

''ایسا ہی ہوگا سیما جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا میں وعدہ کرتا ہوں!'' ☆☆

غزل

ظفر محمد خان ظفر

بادِ سموم ہو کہ وہ بادِ شمال ہو
یارب! کبھی نہ گُل مری شمعِ خیال ہو

اُس وقت سے خُدا ہمیں رکھے پناہ میں
دستار اپنی جبکہ بچانا مُحال ہو

تیرا خیال معرکۂ زیست میں صنم
لگتا ہے یُوں کہ جیسے مرے دِل کی ڈھال ہو

ہنگامِ جنگ اور یہ ماحولِ سازگار!
دشمن نے آس پاس بچھایا نہ جال ہو

جب تک نہ بے نقاب ہو ہر فقہ گالمسٹ
ماحولِ امن و آشتی کیوں کر بحال ہو

مضبوط ارادے جس کے ہیں فولاد کی طرح
ممکن ہے آدمی وُہی نازُک خیال ہو

انسان جو نہ ہو مری نظروں میں ہیچ ہے
کتنا ہی آدمی وہ ظفر باکمال ہو

☆

URDU TUBE
www.urdutube.com

Digitized by Google

ناول

سعدی سیٹھی

میں ہاری سیّاں

وہ شہزادے کی راہ تک رہی تھی جو پہاڑوں سے، جنگلوں سے ہوتا ہوا آتا اور اُسے لے جاتا..... محبوب تو پاس ہی تھا مگر.....

بیگم اکبر نے کمرہ میں قدم رکھتے ہی اسے یوں کرسی پر نڈھال پڑے دیکھا اور اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں پر نظر گئی تو چند لمحوں کو ان کا چہرہ زرد ہوگیا اور زبان گنگ ہونے لگی پھر ایک ساتھ اُن کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی اور بڑھ کر انہوں نے بیٹی کی گردن میں بازو ڈال دیے۔

''ارے یہ سہیلی کی جدائی کا غم ہے اتنا؟ سب ہی لڑکیاں ایک دن اسی طرح چلی جاتی ہیں تم بھی تو چلی جاؤ گی نا؟'' بیگم اکبر نے سدرا کے بکھرے ہوئے بال اپنے ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے اُس کی پیشانی چوم لی۔

ماں کے بازوؤں میں آتے ہی ضبط کا وہ بند ٹوٹ گیا جسے 'مس سدرا اکبر' کی خود اعتمادی اور پندار نے جانے کیا کیا جتن کر کے لگایا تھا۔ بیگم اکبر کے سینے سے لگ کر وہ ننھے بچے کی طرح سسکیاں لینے لگی۔

''ارے ارے.....!'' بیگم اکبر نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

''اس میں بھلا رنج کی کیا بات ہے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تمہاری سہیلی بڑی خوش قسمت ہے حیات بڑا قدر دان لڑکا ہے۔ دونوں بہت خوش رہیں گے، کیوں ہے نا؟''

سدرا نے روتے روتے ماں کے اس سوال پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بس تو پھر؟'' بیگم اکبر نے اپنی سفید ساڑھی کے پلو سے اُس کی آنکھیں خشک کر دیں۔

''اب بھلا یہ غم کیسا؟ آج تو نوری کو سنورتا دیکھ کر میرا جی تمہیں بھی دلہن بنانے کو مچلنے لگا..... سچ مچ کیسی پیاری لگ رہی تھی خوش رہے..... بڑی نیک طینت بھی ہے۔'' سدرا نے دفعتہً ماں کے سینے سے سر اٹھا کر انہیں شاکی اور معترض نگاہوں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

''ممی آپ تو ہمیشہ سے یہی کہتی آئی ہیں کہ نوری بڑی نیک طینت ہے اس کا دل کس قدر وسیع ہے، وہ کسی کا دل نہیں توڑتی، مگر آپ کو کیا پتہ کہ نوری نے میری کوئی شرارت نہیں بھلائی تھی میری

Digitized by Google


URDU TUBE

کسی زیادتی کو دل سے معاف نہیں کیا تھا اور آج اس نے مجھ سے جی بھر کے سب بدلہ لے لیا ہے۔ ایسی معصومیت اور خاموشی سے اس نے پچھلے پندرہ سال کے واقعات کا حساب چکایا ہے کہ جیسے خود اسے بھی اپنے کاری حربہ کی خوں ریزی کا احساس نہیں..... ہاں وہ اپنے سرخ جوڑے میں بہت اچھی لگ رہی تھی اور میرے ہاتھ سے جو اس کے ماتھے پر چوٹ آئی تھی اور زخم کا نشان بھی ٹیکے سے چھپ گیا تھا۔ پر ممی آپ کو خبر نہیں کہ نوری کے ہاتھوں جو چوٹ مجھے لگی ہے وہ شادی کے ٹیکے سے نہیں مٹ سکتی۔ اب میں سرخ جوڑا پہن کر بھی نوری کی طرح نہیں سنور سکوں گی.....'' اس نے لب نہیں کھولے اور بیگم اکبر کی ساڑھی میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

اس نے پندرہ سال کے بکھرے ہوئے دنوں میں کتنی مرتبہ نوری کو رلایا تھا اور بیدردی سے ہنسی تھی۔ یہ اسے اچھی طرح یاد نہ تھا مگر ہاں نوری کی وہ کامران اور شرگیں مسکراہٹ جو سرخ ٹشو کے دوپٹے سے جھلک رہی تھی اسے زندگی بھر رلانے کو کافی تھی۔ کیسی سنگدل ہے نوری خود اس نے اپنی ساری بے بسی اور لاچاری کا انتقام لے ہی لیا اور سب کہہ رہے ہیں نوری کس قدر صلح جو ہے کیسی نیک خو ہے.....اور میں تو ہمیشہ سے ظالم اور سنگدل ہوں.....

ممی بھی یہی کہتی ہیں اور..... حیات بھی تو یہی کہہ رہا تھا۔

سنگدل اور ظالم کا خطاب اسے پہلی مرتبہ اسی دن ملا جب اس نے پہلی مرتبہ نوری کو دیکھا تھا۔ یہ آج سے بہت برس پہلے کی بات ہے جب نوری نے اسکول آ کر نرسری کلاس میں داخلہ لیا تھا' اسے ایک سے دس تک گنتی بھی نہ آتی تھی مگر شاید اسی دن سے وہ سدرا کی ساری زیادتیوں اور شرارتوں کا حساب رکھ رہی تھی۔ حالانکہ سارے اسکول کی استانیوں اور ساتھ پڑھنے والی بچیاں ہی نہیں خود بیگم اکبر نے ہمیشہ یہی کہا کہ نوری کا دل بھی کس قدر شفاف ہے وہ کسی کا کھوٹ نہیں رکھتی۔

وہ نیم کا درخت آج بھی اسکول کے احاطہ میں پھاٹک سے چند قدم کے فاصلے پر جیسے کا تیسا موجود ہے اور اب بھی اس میں ہر سال اسی طرح لد کر نمکولیاں آتے ہیں جیسے اس سال آئے تھے جب وہ نوری کو مخاطب کر کے استفسار کرنے سے باز نہ رہ سکی تھی اور نوری کو مخاطب کرنے کا سدرا کے پاس اور دوسرا ذریعہ ہی کیا تھا اسے اس ننھی گول مٹول لڑکی کا نام بھی معلوم نہ تھا۔ اور پھر اس میں شک بھی کیا ہے کہ اپنا نشانہ آزمانے کے ایسے موقع بھی زندگی میں کم آتے ہیں۔

اور سب لڑکیاں تو اسے اچھی طرح جانتی تھیں اس کی نشانہ بازی اور زبان درازی سے بھی واقف تھیں پھر آئے دن خواہ مخواہ ہی استانیوں تک اس کی شکایت پہنچانا سب کا دلچسپ مشغلہ تھا مگر یہ نئی لڑکی.....اور اس سے یہ عجیب و غریب تعارف کس قدر ڈرامائی اور مرعوب کرنے والا ہوگا' سدرا نے ہاتھ میں پکڑے بال کو ایک مرتبہ ہوا میں اچھال کر تولا پھر بازو پھیلا کر نوری کے سر کا نشانہ لگایا اور کلائی کے خفیف جھٹکے سے ہوا میں تیر کی طرح سنسناتا ہوا بال پلک جھپکتے سدرا کے ہاتھ اور نوری کی پیشانی کا فاصلہ طے کر گیا.....نوری ایک دلدوز چیخ مار کے وہیں زمین پر ڈھیر ہو گئی اور سدرا نے کسمسا کر اپنی نشست پر پہلو بدلا۔

'' یہ کم بخت کا حلق ہے کہ یورینوسٹی کا سائرن۔'' سدرا نے سوچا۔

''اب ضرور یہ چیخ سن کر اِدھر اُدھر سے کوئی نہ

Digitized by Google

کوئی نازل ہوجائے گا۔'' اور اس کا ڈر بے جا نہ تھا لمحوں میں اچھا خاصا مجمع ہوگیا۔ پھاٹک سے آنے والی لڑکیاں ہی نہیں بلکہ آس پاس کے کمروں سے وہ استانیاں بھی نکل آئیں جو ابھی کلاس لینے نہیں گئی تھیں پھر برابر کے دفتر سے منشی چوکیدار اور چپڑاسی آتے دیر ہی کیا لگتی تھی۔

''ہائے ہائے بچی کا سر پھٹ گیا۔''

''ارے کس غضب کا خون بہہ رہا ہے۔''

''آخر یہ ایسی سخت چوٹ کیسے لگی؟'' اور ان گنت مستفسرانہ نظروں میں سے چند نظریں اس ٹیپ لگی بال پر بھی جا پڑیں جو غریب بچی کا سر پھاڑ کر بھی کس سے مس نہ ہوا تھا۔ اب کیا معاملہ کی تہہ تک پہنچنا مشکل تھا۔ یکبارگی سب نے سر اٹھا کر درخت کی سرسبز شاخوں میں منہ چھپائے اور گھٹنوں میں سر دیے سدرا کو بھی دیکھ لیا۔

''کون ہے یہ؟'' سدرا کے کانوں میں ان گنت آوازیں سوئیوں کی طرح چبھیں۔

''ہوتا کون' وہی سدرا ہے۔'' رضیہ آپا کی آواز کو سدرا خوب پہچانتی تھی۔

''سب اسی کمبخت کے کرتوت ہیں۔''

''افوہ! یہ چڑیل اپنی حرکتوں سے حشر تک باز نہیں آئے گی۔'' کسی اور استانی نے پیش گوئی کی تھی۔

سدرا کو سخت حیرت ہوئی اور بے حد غصہ آیا۔ حیرانی کی بات تو یہ تھی کہ اس نے فراک کے دامن میں اچھی طرح منہ ہاتھ چھپا لیے تھے پھر بھی اس کی جھلک دیکھتے ہی یہ کہنا کسی کے لیے مشکل نہ ہوا کہ یہ سدرا ہے۔'' سدرا اکبر جو اسکول کی حدود میں شیطان کی خالہ کہی جاتی تھی۔ اور غصہ کی بات یہ تھی کہ مس ناصرہ اسے جب نہ تب چڑیل ہی کہتی تھیں حالانکہ صورت شکل و رنگ و روغن کسی اعتبار سے مس ناصرہ خود قطعی چڑیل تھیں اور سدرا..... وہ تو بقول ممی کہانیوں والی پریوں کی شہزادی تھی۔

خیر وہ لڑکی جسے سدرا نے اس قدر اچھوتے طریقہ سے مخاطب کر کے نام پتہ پوچھنا چاہا تھا اب ہاتھوں ہاتھ بورڈنگ کے اسپتال میں مرہم پٹی کے لیے پہنچائی جا چکی تھی۔ مگر پیڑ کے نیچے جوں کے توں لڑکیوں' استانیوں اور تماش بینوں کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ اب سدرا سے نیچے اترنے کے لیے استدعا کی جارہی تھی۔

''اب نیچے اترنا مراد۔'' رضیہ آپا نے ہاتھ نچا کر کہا۔

''یا وہیں ٹنگی رہے گی۔'' سدرا کو رضیہ آپا کے ہاتھ نچانے کی عادت سے انتہائی نفرت تھی اور یہی ہاتھ نچانے کی عادت کا سبب تھا کہ خود رضیہ آپا کو سدرا سے قلبی نفرت ہوگئی رضیہ آپا پہلی سے پانچویں کلاس تک حساب پڑھاتی تھیں جب تک سدرا پہلی کلاس میں رہی وہ سنجیدگی سے رضیہ آپا کی ہاتھ چلانے والی قبیح عادت کو دور کرنے کی تجاویز پر غور کرتی رہی اور جیسے ہی گرمیوں کی تعطیل کے بعد وہ دوسری میں آئی اس نے رضیہ آپا کے گستاخ ہاتھوں کا بندوبست کر دیا جب حساب میں غلطی ہوئی رضیہ آپا لڑکی کو بلا کر اپنی کرسی کے پاس کھڑا کر لیتیں اور پھر چیخ چیخ کر اپنی لمبی سخت انگلیاں اس لڑکی کی آنکھوں گالوں اور ناک پر نچاتیں۔

''کیوں سترہ میں سے آٹھ گئے تو کیا بچا؟'' یا تیرہ اور پانچ بیس کیسے ہوئے جیسے مہمل سوالات کی تکرار کے ساتھ وہ غریب بچی کا سارا منہ کھسوٹ کر رکھ دیتیں۔

سدرا اکثر رضیہ آپا کی مشق ستم کا نشانہ بنتی تقریباً روز ہی اس کا حساب غلط سلط ہوتا تھا اور پانچ دس منٹ اس کو رضیہ آپا کی کرسی سے لگ کر دل ہی دل

Digitized by Google

میں ان کی انگلیوں پر فالج گرنے کی دعا مانگنی پڑتی تھی وہ سدرا کی حرکتوں سے خصوصیت سے بیزار تھیں۔ اور سدرا کو یقین تھا کہ وہ بغیر خطا بھی سزا کے بہانے ڈھونڈا کرتی ہیں بس ایک دن یونہی دستور کے مطابق رضیہ آپا اس کی کاپی دیکھتے ہی بھڑک گئیں اور اس کو پاس بلا کر کھڑا کرلیا۔ رضیہ آپا کی نگاہیں تو کاپی پر تھیں مگر ہاتھ سدرا کے رخساروں پر ناک اور ہونٹوں پر ناچ رہا تھا وہ اس وقت بالکل ہی آپے سے باہر ہو رہی تھیں۔

''اونا شدنی پھر وہی حرکت' بتا یہ سوال گھٹانے کا تھا یا جمع کا۔'' اور پھر انہوں نے اپنی لمبوتری انگلیاں چلا چلا کر 'بتا' کی اس قدر تکرار کی کہ جواب دینے کے لیے سدرا کو منہ کھولنا ہی پڑا..... اب رضیہ آپا خواہ کچھ کہیں مگر سدرا تو ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ اس نے بولنے کو منہ کھولا تھا اور رضیہ آپا کی انگلی کاٹنے کا مقصد ہرگز نہ تھا۔ اصلیت جو بھی ہو مگر اس میں شک نہیں کہ رضیہ آپا تڑپ گئیں اور سدرا کے دانتوں سے اپنی انگلی آزاد کرانے کو انہیں کافی زور لگانا پڑا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تو قابل ذکر نہیں۔ مگر ہاں رضیہ آپا اور سدرا کے درمیانی عداوت اور بھی ترقی پذیر ہوگئی۔ اور رضیہ آپا بقول سدرا اس کے خون کی پیاسی رہنے لگیں۔

سدرا کو معلوم تھا کہ بس پیڑ کی شاخوں تک ہی خیریت ہے اس کا زمین پر قدم پڑا تو شامت آئی..... نیچے اترنے کی بات اَن سنی کر کے وہ اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''ارے دیکھا اس حرافہ کو؟'' مس فیروزہ گالیوں کی ڈکشنری تھی۔

''کیا اطمینان سے بیٹھی ہے۔''

پھر سب نے ایک ساتھ مل کر سخت کھولانے والے جملوں کے ساتھ اسے اترنے کی ہدایت دینی شروع کی۔ سدرا نے دانت کچکچا کر اپنے چاروں طرف دیکھا اور دفعتاً اس کے دماغ میں یہ لاجواب تجویز آئی کہ کیوں نہ کسی کی نہ سنی جائے اور یہیں بیٹھی رہوں۔

ابھی وہ نظر گھما ہی رہی تھی کہ مس ناصرہ ایک نیا حکم صادر کیا۔

''ارے کم بخت اس طرح نہیں اترے گی بندو چوکیدار سے کہو اوپر چڑھ کے اس منحوس کو گھسیٹ لائے۔''

بندو چوکیدار موقع پر موجود تھے اور شلوار اڑس کر چلے سدرا کو گھسیٹنے سدرا کو بندو چوکیدار ہمیشہ سے پسند تھا وہ کچے آموں کے ساتھ کھانے کو پسا ہوا نمک بھی مہیا کرتا تھا اور پھر جو دلچسپ چیزیں اسکول کے احاطے میں دستیاب نہ ہوتیں مثلاً کٹارے اور جھربیری کے بیر وغیرہ وہ بھی کہیں نہ کہیں سے کھوج لانا اسی کے ذمہ تھا۔ سبھی لڑکیاں بندو چوکیدار کو پسند کرتیں اور سدرا کی بہت سی شرارتوں کی وہ پردہ پوشی کر چکا تھا۔ ایک لمحہ کو سدرا نے سب سے پہلے کیت سے بندو چوکیدار کے گنجے سر کو آزمانے کی ٹھانی..... پھر ارادہ بدل دیا۔

''بندو اچھا آدمی ہے..... اور راز دار بھی ہے۔''

''ہم خود اتر آئیں گے۔'' اس نے تلخی آواز میں بندو چوکیدار کو مخاطب کیا۔

''اچھا اتر آیئے۔'' بندو رک گیا۔

سدرا نے اول سر اٹھا کر گردو پیش ناقدانہ نظریں ڈالیں حالات انتہائی خطرناک تھے مگر اب کیا چارہ ہے..... پھر وہ بزدل نہ تھی۔ آخر اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں سے کیا ڈرنا۔''

دوسرے لمحے پیڑ کا گھیرا ڈال کر کھڑی ہوئی

Digitized by Google

استانیوں اور لڑکیوں کی متحیر نگاہوں کے سامنے سدرا نے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چھلانگ لگائی اور لچکیلی ڈالیوں کا سہارا لیتی ہوئی نیچے آئی اور آس پاس کھڑی ہونے والیاں بھی سٹپٹا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

زمین پر قدم رکھتے ہی سدرا نے سب سے بے نیاز ہو کر پہلے داد طلب نظروں سے حمیدہ اور صالحہ کی طرف دیکھا۔

وہ دونوں سب سے الگ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں۔ اور کچھ بوکھلائی ہوئی سی نظر آرہی تھیں۔ دونوں نے اس وقت کوئی اظہار خیال نہ کیا۔

اس سے قبل کہ سدرا پھاٹک سے نکل کر سڑک پر پہنچنے کے ارادہ پر عمل پیرا ہو سکے اس کا ایک کان مس فیروزہ نے پکڑا تو دوسرا مس ناصرہ کے ہاتھ میں آیا..... رضیہ آپا اس جلوس کو اپنی رہنمائی میں لے کر ہیڈ مسٹریس کے دفتر کی طرف چلیں۔

ہیڈ مسٹریس کو نوری کے زخمی ہونے کی اطلاع ہو چکی تھی اور ملزم کی پیشی کا وہ غالباً انتظار ہی کر رہی تھی۔

''یہ لڑکی پیڑ پر کیسے چڑھی؟'' انہوں نے رضیہ آپا کو جلوس کا لیڈر دیکھ کر انہی سے پوچھا۔

''جی مجھے کیا معلوم؟'' اور وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ مس ناصرہ آگے بڑھ آئیں۔

''اجی یہ چڑیل تو سارا دن اسی پیڑ پر چڑھی رہتی ہے آپ ذرا پوچھیے تو سب سے اس نے لنگوروں کو مات کر دیا ہے اس کا بس چلے تو آسمان پر تھگلی لگا دے..... آپ کے پاس تو ابھی تک کوئی شکایت نہیں لایا۔ کئی بار اس نے دیگر بچیوں کو بھی مارا ہے۔ آج اس غریب بچی کو بری طرح زخمی کر دیا..... اس چڑیل سے کوئی پھل تو اسکول کے احاطے میں نہیں بچا۔''

''یہ لڑکی اس پیڑ پر کیوں چڑھتی ہے؟'' ہیڈ مسٹریس کو سب ہی نکمی سمجھتے تھے۔ اور ایسے مواقعہ پر سب کو ان کی کم فہمی پر انتہائی رحم آتا..... اب بھلا اسکول کی استانیاں بچوں کی شرارت کا 'انسائیکلوپیڈیا' تو نہیں ہوتیں جو کھٹ سے ایسے سوالات کا جواب دے سکیں۔

مس فیروزہ کی عقل کام دے گئی وہ سدرا سے ہی مخاطب ہو گئیں۔

''چلو جواب دو تم اس پیڑ پر کیوں چڑھتی ہو؟''

سدرا نے تعجب اور خفگی سے باری باری مس فیروزہ اور ہیڈ مسٹریس کی طرف دیکھا۔ ملاحظہ ہو کہ یہ استانیاں کلاس میں بچوں سے' محیر العقول سوالات پوچھتی ہیں کہ جن میں سے اکثر کے تو دراصل جوابات ہی نہیں ہوتے اور ہوتے بھی ہیں تو سخت نامعقول ہوتے ہیں..... اس پر قیامت ہے کہ ان بر سمجھدار خواتین کو اس قدر پتہ نہیں کہ آخر پیڑ پر کیوں چڑھا جاتا ہے۔''

''نظر رکھنے کے لیے۔'' اس نے فوراً بتایا۔

''کیوں'' ہیڈ مسٹریس نے زور سے میز پر ہاتھ مارا۔ تمہیں معلوم ہے کہ پیڑ پر چڑھنا منع ہے۔ اور اسکول کے احاطے میں پھل توڑنے کی سخت ممانعت ہے جواب دو۔'' سدرا نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا تھا مگر دفعتاً اس کی نگاہیں اسکول کے احاطے میں برآمدے کی طرف گئیں دروازے کے قریب حمیدہ اور صالحہ اسی طرح ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کھڑی تھیں اور اب اُن کی نگاہوں میں کس قدر وحشت کتنا خوف اور کیسی التجا تھی۔ وہ خاموش رہی۔

پھر بولو اور جواب دو۔ جواب اس کی خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔

Digitized by Google

آخر سدرا کے لیے سزا تجویز کر کے ہیڈ مسٹریس مسز اکبر کے نام سدرا کی شکایت کا خط لکھوانے بیٹھ گئیں۔ اور سدرا کو سب استانیوں کی معیت میں قتل گاہ پہنچا دیا گیا۔

شام کو اسکول کا وقت ختم ہوا تو وہ بھی آزاد ہو کے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی پھاٹک کی طرف چلی گھنٹوں بینچ پر کھڑے رہنے سے اس کے پیر سُن ہو گئے تھے۔ رولر کی مار سے دونوں ہاتھ پھوڑے کی طرح دکھ رہے تھے۔ اور دن بھر قسم قسم کی گالیوں نے خون علیحدہ کھولا رکھا تھا۔ آئندہ اسکول نہ آنے کے منصوبے باندھتی وہ بورڈنگ ہاؤس کے نزدیک پہنچی ہی تھی کہ صالحہ اور حمیدہ دوڑ کر اس کے پاس آ گئیں۔ اپنا سارا دکھ بھول کر اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے کھل گئے۔

''میری اچھی گڑیا۔'' صالحہ نے اسے بازوؤں میں گھیر لیا۔

''ظالموں نے تجھ پر کیا ستم ڈھائے۔''

''ہائے تیری ستاروں جیسی آنکھیں رو رو کر سوجھ گئیں۔'' حمیدہ نے بڑے درد سے کہا۔ سدرا کو معلوم تھا کہ یہ بات جھوٹ ہے رونا کیا معنی اس کی آنکھوں میں نمی تو آئی نہ تھی وہ رونے کی بالکل قائل نہ تھی۔

''نہیں تو حمیدہ آپا..... ہم تو بالکل نہیں روئے۔'' اس نے فخر سے سر ہلا کر کہا۔

''تو غالباً یہ غصے کا اثر ہوگا۔'' حمیدہ نے جلدی سے بات کاٹ کر درست کی اور اس میں شک نہیں کہ اسے انتہائی غصہ آ رہا تھا اس کا بس چلتا تو.....''

''آج واقعی تم نے ثابت کر دیا کہ تم اس اسکول میں پڑھنے والی عام لڑکیوں سے کس قدر بلند و بالا ہے۔ تو کس قدر بہادر اور نڈر ہے۔ میرا تو خون خشک ہو گیا تھا کہ.....''

''ارے تو آپ سمجھیں کہ ہم آپ دونوں کا نام لیں گے؟'' وہ زور سے ہنسی۔

''نہیں نہیں۔'' صالحہ گھبرا گئی۔

''مجھے معلوم تھا کہ سدرا حشر تک ایسی بات نہیں کہے گی۔ بھلا ہماری سدرا کہیں اور بزدل لڑکیوں جیسی ہو سکتی ہے۔''

''ہوں اب سدرا ذرا اٹھلائی۔ پہلے بھی تو ہم نے اس خط والے قصے پر آپ کا نام نہیں بتایا تھا۔''

''ہاں ہاں.....'' دونوں نے تائید میں سر ہلائے۔

''ہمیں کیا یاد نہیں۔'' سدرا سے باتیں کرتیں وہ دونوں پھاٹک کے نزدیک آ گئیں باہر سدرا کی گاڑی کھڑی تھی۔

''میں کل سے اسکول نہیں آؤں گی۔'' سدرا کو اپنا عہد یاد آ گیا۔

''اب میں پڑھنا چھوڑ دوں گی۔''

''ارے نہیں۔'' صالحہ اور حمیدہ کو جیسے عمر میں اس سے بڑا صدمہ کبھی نہ پہنچا تھا۔

پھر ہم لوگ یہاں کیسے رہیں گے۔ اچھی سدرا ہماری خاطر تم اسکول مت چھوڑنا..... ہمیں معلوم ہے کہ تم جیسی لڑکی کے لیے یہ اسکول بے کار ہے۔ دراصل تمہیں خدا نے پڑھنے کے لیے بنایا ہی نہیں ہے تم تو جنگل کی شہزادی ہو تم جیسی بہادر لڑکی کے لیے تو کچھ اور ہی زندگی ہوتی ہے جہاں تم ان لال پیلے فراکوں کی جگہ چیتے کی کھال والا خوبصورت لباس پہن سکو۔''

''جیسا سنیما میں دیکھا تھا؟'' سدرا نے ٹانگ پر اچھلتے ہوئے شوق سے پوچھا۔

''ہاں ہاں بالکل ایسا ہی سہی..... اور ایسا ضرور ہوگا۔ تو مت گھبرا پیاری سدرا ایک دن وہ وقت ضرور آئے گا۔ ہم تیری قسمت جانتے ہیں ایک دن

Digitized by Google

انہی پیپل، نیم اور جامن کے پیڑوں پر چھلانگیں لگاتا ہوا تیرا ٹارزن نیم کے اس درخت تک آ پہنچے گا اور اپنی شہزادی کو جنگلوں پر راج کرانے لے جائے گا۔ کیوں سدرا تو اسکول آنا تو نہیں چھوڑے گی۔''

''نہیں۔'' اس نے کسی دور دراز کی فکر میں کھوئے ہوئے آہستہ سے جواب دیا اور گاڑی کی طرف بڑھنے لگی۔ صالحہ نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے کان پر منہ رکھ کر سرگوشی کی۔

''اچھی سدرا اگر آج بھی نکڑ پر احمد ملیں تو کہہ دینا کہ مجھے سنیما جانے کی اجازت نہیں ملی ہے اور.....'' اور انہوں نے اس بارے میں مگر لکھا ہے یا ابھی نہیں لکھا۔''

''اچھا اچھا.....'' کہہ کر وہ بھاگی اور اس سے قبل کہ ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھولے وہ کھولے ہوئے شیشے میں سے کود کر گاڑی میں داخل ہوگئی اور بڑے فخر سے ہاتھ ہلاتی ہوئی صالحہ اور حمیدہ کا منہ چڑا کر سڑک کے موڑ پر اوجھل ہوگئی۔

سدرا کو یقین تھا کہ ممی آج بھی ہمیشہ کی طرح کچھ نہیں کہیں گی بلکہ جب وہ ممی کو بتائے گی کہ اسے مختلف قسم کی خوفناک سزاؤں کے علاوہ پورے وقت سنگدل، بے رحم اور قاتلہ جیسے عجیب و غریب خطابوں سے نوازا گیا ہے تو کیا پتہ وہ ہیڈ مسٹریس کو فون کر کے استانیوں کی شکایت کر دیں۔

ممی لان میں گلاب کے پودوں کی روش پر ٹہل رہی تھیں حالانکہ یہ وقت اُن کے چائے پینے کا تھا سدرا کو دیکھ کر وہ بڑے پنے تلے قدموں سے پلٹیں اور روز کی طرح اسے گلے لگا کر چومنے کی بجائے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور لاؤنج میں چلی گئیں سدرا کا دل بیٹھنے لگا۔

آج نئی بات کیا ہے؟'' اسکول سے کوئی پہلی رپورٹ تو اس کے خلاف نہیں آئی تھی ایسا تو اکثر ہوتا تھا مگر ممی کے تیور اس طرح کبھی نہیں بدلے تھے ڈرتی ڈرتی وہ کمرے میں پہنچی، چائے ابھی یوں ہی رکھی تھی۔ ممی کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر خلاء میں کچھ دیکھ رہی تھیں۔ ان کی پنک ساڑھی کا پلو شانے سے پھسل کر قالین پر لہرا رہا تھا بالوں کا جوڑا گردن پر ڈھلکا ہوا تھا۔ ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور ممی کا گورا رنگ آج دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔

سدرا کو آج پھر وہ باغ میں رکھے ہوئے سنگ مرمر کے مجسمے جیسی لگ رہی تھیں وہ جانتی تھی کہ جب کبھی وہ غمگین ہوتیں تو اسی طرح سنگ مرمر کے مجسمے جیسی سفید اور بے حس اور سرد ہو جاتیں، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ایسے موقع پر ممی کو واپس لوٹانے کی ترکیب کیا تھی اگر وہ ممی سے لپٹ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اُن کا چہرہ تھام لے اور 'میری ممی' میری اچھی ممی' کہتے ہوئے انہیں چوم لے تو ان کی آنکھوں کے بجھے ہوئے چراغ جل جاتے سفید رخساروں میں خون کی سرخی جھلکنے لگتی۔ اور بھنچے ہوئے لب مسکرا اٹھتے۔

سدرا نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور مسز اکبر کی طرف دوڑی اس سے قبل کہ وہ ممی کی کمر کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا ڈالے مسز اکبر نے ہاتھ اُٹھا کر اسے جواب دیا۔

''سدرا مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔''

سدرا کے قدم زمین پر جم گئے ممی کی آواز کس قدر اجنبی لگ رہی تھی۔

''تمہارے اسکول سے اطلاع ملی ہے کہ تم نے آج ایک لڑکی کو بال مار کر زخمی کر دیا سنا ہے تمہاری اس حرکت سے اس بچی کے ماتھے پر گہرا زخم آیا ہے اور بہت خون نکلا ہے۔''

بیگم اکبر نے دفعتاً مڑ کر سدرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں آج ان کی نگاہوں میں ایک

Digitized by Google

انجانا دکھ تھا۔

''تم شریر ہو اور مجھے تمہاری شرارت سے پیار ہے مگر مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ تم اس قدر بے رحم اور سنگدل بھی ہو سکتی ہو۔''

''ممی'' سدرا زور سے چیخی۔ یہ آج ممی کیا کہہ رہی ہیں۔

''مجھے بتاؤ تم نے اس بچی سے کس بات کا بدلہ لیا ہے۔ اگر اس کی کسی بات سے تمہیں غصہ آیا تھا تو کیا تم نے ایسی بے دردی سے اس کو سزا دی۔''

''نہیں ممی'' سدرا نے احتجاج کے طور پر دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''میں اس لڑکی کو نہیں جانتی۔''

''تو کیا تم کہنا چاہتی ہو کہ تم نے اس بچی کو نہیں مارا؟'' بیگم اکبر کو خوف ہوا کہ آج ان کی بچی جھوٹ بولنے پر آمادہ ہے ان کے ہونٹ اور بھی سکڑ گئے اور آنکھوں میں راکھ کی تہہ اور گہری ہو گئی۔

''مارا تو میں نے ضرور ہے۔' سدرا نے ملزمانہ انداز میں گردن جھکا لی۔

''مگر میں اسے جانتی نہیں۔''

''تو پھر تم نے اسے کیوں مارا؟'' حیرت سے مسز اکبر کی پتلیاں پھیلنے لگیں۔

''ممی میں تو پیڑ پر بیٹھی تھی..... پہلے میں نے اس لڑکی کو دیکھ کر سوچا کہ اسے آواز دوں پر اس کا نام تو مجھے معلوم نہیں تھا..... پھر میں نے سوچا کہ میں بال سے نشانہ لگاؤں اگر نشانہ اس کے لگا تو وہ میری طرف ضرور دیکھے گی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ اس کا سر پھٹ جائے گا۔''

''اوہ تو کیا تم نے محض اس کو مخاطب کرنے کے لیے بال سے نشانہ نہ لگایا تھا' مارنے کا مقصد نہ تھا۔''

سدرا نے سر ہلا کر اقرار کیا کہ یہی بات ہے۔

''حد کر دی۔'' مسز اکبر پتھر کے مجسمے سے نکل کر ماں کے روپ میں آ گئیں۔ ساڑھی کا گرا ہوا پلو سنبھال کر انہوں نے اُس کو پیار سے قریب کھینچ لیا۔

''میری جان تم کتنی ناسمجھ ہو' مجھے بڑی مسرت ہے کہ تم نے جان بوجھ کر کسی پر ظلم نہیں کیا۔ کل ہم اس لڑکی کے گھر جا کر اس سے غلطی کی معافی مانگیں گے۔ اور سنو سدرا کیا تمہیں نشانہ بازی کا شوق ہے۔''

''بہت شوق ہے۔'' سدرا نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اچھا تو میں آئندہ..... تمہاری سالگرہ پر تمہیں ایئر گن خرید دوں گی۔''

''جیسی حیات کے پاس ہے..... مگر سنو انسانوں پر نشانہ نہیں آزماتے تم باغ میں چڑیاں مارنا..... میں چاہتی ہوں کہ تم بندوق چلانا سیکھو' تمہارے ڈیڈی کا نشانہ کس قدر اچھا تھا..... وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ.....'' مسز اکبر کی آواز رندھ گئی اور انہوں نے سر جھکا کر اپنا چہرہ سدرا کے بکھرے بالوں میں چھپا لیا۔

جان پہچان والوں میں سبھی جگہ یہ مشہور تھا کہ مسز اکبر سدرا کو تباہ کر رہی ہیں ان کے بے جا لاڈ پیار نے بچی کو انتہائی بدتمیز اور ڈھیٹ بنا دیا ہے اسکول کی استانیاں تو روز ہی اس بات پر تبادلہ خیال کیا کرتی تھیں کبھی اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ غریب بیوہ کا تنہا سہارا ہے تو مس ناصرہ اور رضیہ آپا جیسی دشمن جاں استانیاں جاموں سے باہر ہونے لگتیں۔

''واہ اکلوتی ہے تو اسے ڈاکو بنائیں گی۔'' اکبر صاحب اگر زندہ ہوتے تو کیا اپنی بیٹی کو بے نکیل کا اونٹ دیکھ کر خوش ہوتے۔''

خیر مرنے والوں کی خوشی اور خفگی کا پتہ کس طرح چلتا ہے مگر مسز اکبر کو پورا یقین تھا کہ انہوں نے

Digitized by Google

مرحوم شوہر کی روح کو سکون پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ جب سے اکبر صاحب نے انہیں اس بیگانوں کی دنیا میں تنہا چھوڑا انہوں نے خود کو جیتے جی مردہ تصور کرلیا تھا۔ اگر یہ ننھی سدرا ان کو اس طرح پکڑ کر نہ رکھتی تو جانے وہ کب کی اکبر صاحب کے پہلو میں جا سوئی ہوتیں۔ انہوں نے سہاگ کے پانچ سال دیکھے تھے اور اب چھ سال سے وہ باغ میں رکھے ہوئے سنگ مرمر کے مجسمے کی طرح سرد اور بے جان ہو کر زندگی گزار رہی تھیں سدرا اکثر ان کے سینے سے لگ کر ان کے مردہ وجود میں زندگی اور احساس لے آتی ان کی آنکھوں میں چمک آجاتی اور ہونٹوں پر کھوئی ہوئی مسکراہٹ کی پرچھائیں ناچنے لگتی اکبر صاحب کو اپنی بچی سے دیوانہ وار عشق تھا جب کبھی مسز اکبر بچی کی کسی شرارت سے جھنجلا کر اسے ڈانٹنے یا مارنے اٹھیں تو اکبر صاحب دوڑ کر آگے آجاتے وہ کہتے تھے۔

''خدا کے لیے اس کو شرارت اور شوخی سے روک کر اس کی روح کو نہ کچلو تم اسے ہر وقت کی سختی سے بزدل بنا دو گی..... دیکھو تم نے اسے رلا دیا..... اگر ہمارے جیتے جی اس کی آنکھوں میں آنسو آئیں تو ہمارے ہونے کا کیا فائدہ.....''

اکبر صاحب زندہ نہ تھے مگر مسز اکبر بچی کو اس کمی کا احساس دلانا نہیں چاہتی تھیں..... چھ سال میں جانے کتنی راتیں انہوں نے خود آنسو بہا کر بتائی تھیں مگر سدرا کی آنکھوں میں ایک دن بھی نمی نہ آنے دی ان کے جسم پر ہمیشہ ہلکے رنگوں کی ساڑھی ہی نظر آتی' مگر ہر برسات کے بعد وہ الماریوں میں سے اپنی رنگ برنگی ساڑھیوں کو نکال کر دھوپ لگانا نہیں بھولتی تھیں۔ ان کی ویران سنگھار میز پر اب صرف کنگھا برش ہی باقی رہ گیا تھا مگر وہ مقفل درازوں میں زیبائش کا سارا سامان خوب سینت سینت کر رکھ رہی تھیں روز رات کو سونے سے پہلے وہ سدرا کو کہانیاں سناتیں' طرح طرح کی کہانیاں اور قصے ہوتے مگر ان سب میں ایک ہی طرح کے آدمی کا ذکر آتا..... ایک بلند و بالا نوجوان کا جو شہسوار تھا اور جس کی بندوق کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا..... ایک بہادر نوجوان جس نے کسی کے آگے سر نہیں جھکایا اور زندگی میں موت کے سوا کسی سے کبھی شکست نہیں کھائی تھی۔

ڈیڈی کے دونوں گھوڑے اصطبل میں بڑی دیکھ بھال سے رکھے جاتے تھے۔ ان کے دانہ پانی پر ممی خود نظر رکھتی تھیں اور نوکر کو حکم تھا کہ چاہے جو کام پڑا رہ جائے مگر ہر مہینہ صاحب کی بندوق' رائفل نکال کر اس کی صفائی ضرور ہوتی رہے وہ سدرا سے کہتیں۔

''میں نے ان ہتھیاروں کا لائسنس اپنے نام کرالیا ہے تم بڑی ہو جاؤ تو مجھ سے لے لینا۔''

اکبر صاحب کی جانشینی کا احساس مسز اکبر نے سدرا کی رگ رگ میں اس طرح بھرا تھا کہ اب وہ کسی سے ڈرنے' جھجکنے یا ہار ماننے کو انتہائی ذلیل سمجھتی تھی اور اسی لیے ڈھیٹ مشہور تھی۔

دوسرے دن ہی شام کو مسز اکبر سدرا کو اپنے ساتھ ریاض صاحب کے ہاں لے گئیں اور اُن کی بیوی سے اس کا یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہی وہ لڑکی ہے جس کے ہاتھوں آپ کی بچی کو چوٹ آئی اب یہ آپ سے اور بچی سے معافی کی خواستگار ہے۔''

نوری کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور اس کے سفید دانت جھلکنے لگے وہ سدرا سے مطلق خفا نہ تھی۔

مسز اکبر نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''نوری تم بہت بہادر اور اعلیٰ کردار ہو مجھے امید ہے کہ تم اور سدرا آئندہ بہترین دوست ثابت ہوگی۔''

Digitized by Google

مسز اکبر نوری کی ماں کے ساتھ باہر چلی گئیں تو نوری نے اشارہ کر کے سدرا کو اپنے پاس پلنگ پر بٹھالیا۔

''تم ہمارے گھر پہلے کیوں نہیں آئیں۔''

''ارے واہ.....'' سدرا نے تعجب سے سر ہلایا۔

''چوٹ تمہارے کل لگی ہے اور میں پہلے سے افسوس کرنے آجاتی یہ کیسی بات ہوئی؟'' نوری کو خاموش ہونا پڑا پھر اس نے پوچھا۔

''تم نے ہمارا کتا دیکھا ہے اس کا نام پرنس ہے۔''

''ہوگا.....'' سدرا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''مجھے کتے پسند نہیں ہیں' میں تو بلی پالتی ہوں۔''

''تمہیں کتے اچھے نہیں لگتے؟'' نوری کو حیرت ہوئی۔

''نہیں بالکل بیکار ہوتے ہیں پیڑ پر بھی نہیں چڑھ سکتے' اور بلی پیڑ پر خوب چڑھتی ہے۔'' نوری کو خاموش ہونا پڑا۔

غریب نوری کو ماتھے کی چوٹ بہت زیادہ بھگتنا پڑی۔ زخم پک گیا اور کئی دن بخار بھی آیا۔ سدرا کئی مرتبہ مسز اکبر کے ساتھ مزاج پرسی کو آئی اور ہر مرتبہ اس کے آنے سے نوری کا آدھا دکھ دور ہوجاتا نوری بہت ہی صلح جو تھی اور سدرا کی توقع کے مطابق بال کے ذریعہ جو تعارف ہوا تھا وہ حد درجہ مرعوبانہ ثابت ہو رہا تھا۔

خدا خدا کر کے نوری اچھی ہوئی مگر اس کا سانولا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور بہت دبلی بھی ہوگئی تھی سب سے بڑا دکھ تھا کہ ماتھے کی چوٹ ہمیشہ کے لیے زخم کا نشان چھوڑ گئی تھی۔

سدرا کی سالگرہ پر نوری پہلی مرتبہ اس کے گھر آئی دروازے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کمرے میں گھسیٹ لائی اور زور سے چیخی۔

''حیات دیکھو یہی وہ لڑکی ہے جسے میں نے زخمی کر دیا تھا۔'' نوری نے حیات کو دیکھا وہ سدرا سے بھی کچھ بڑا تھا قالین پر دونوں ہاتھ پھیلائے وہ سدرا کی ایئر گن کا معائنہ کر رہا تھا۔ جو ممی نے سالگرہ پر بطور تحفہ دی تھی۔

''اچھا.....'' کہہ کر اس نے بہت غور سے نوری کو دیکھا پھر بندوق رکھ کر ان دونوں کے پاس آ گیا۔

''دکھانا.....'' کہتے ہوئے اس نے نوری کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور چوٹ کا نشان دیکھنے لگا۔

''کیوں ڈاکٹر نے تمہارے ٹانکے تو لگائے ہوں گے؟ مطلب یہ کہ زخم کو سیا تو ہوگا؟''

نوری نے حیات کے سوال پر نفی میں سر ہلا دیا۔ اور کچھ گھبرا سی گئی۔

''اوہ.....'' وہ نوری کو چھوڑ کر کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔

''تب تو یہ گہرا زخم نہیں ہوسکتا۔'' بڑے وثوق سے حیات نے اظہار خیال کیا پھر دفعتاً واپس مڑ کر اپنا کان نوری کے سامنے کر دیا۔

''یہ کٹی پر نشان دیکھتی ہو۔'' نوری کو پلک جھپکنے کے باوجود کچھ نظر نہ آیا۔ یہاں چار ٹانکے آئے تھے۔ پھر اس نے پتلون اونچا کر کے گھٹنا دکھا دیا۔

''اور سات ٹانکے یہاں آئے تھے۔''

نوری کی متحیر آنکھوں کے سامنے حیات نے اپنے سیدھے بازو کی آستین چڑھائی اور ایک مرتبہ پیڑ سے گر کر میرا ہاتھ بھی ٹوٹ چکا ہے۔''

نوری پلک جھپکائے بغیر اپنی ننھی منی آنکھیں

Digitized by Google

حیرت سے پھاڑے حیات کو دیکھ رہی تھی۔
اور اب سدرا آگے آئی۔
''اور یہ میری انگلی بجلی کے چلتے پنکھے کو روکنے سے کٹ گئی تھی۔ اور مجھے تو یاد نہیں۔ ممی بتاتی ہیں ایک دفعہ میں کھڑکی سے کودی تو میرے ٹخنے کی ہڈی اتر گئی' بہت دن پلنگ پر لیٹنا پڑا۔''
نوری نے ان دونوں کے درمیان اپنی کم مائیگی کا احساس کیا اور لاجواب ہو کے اپنے ہاتھ میں پڑی ہوئی کانچ کی چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔
''ارے تم چوڑیاں پہنتی ہو؟'' سدرا نے حیرت سے کہا۔
''میں نے تو نہیں دیکھا تھا۔''
''ہاں امی نے آج صبح پہنا دی ہیں۔'' نوری نے کسی قدر خائف ہو کر جواب دیا۔
سدرا نے حقارت سے منہ بنایا۔
''میں کبھی چوڑی نہیں پہنتی ہوں' میری امی بھی نہیں پہنتی ہیں تم بھی مت پہنا کرو۔'' نوری نے فوراً اس مشورے کو تسلیم کرلیا۔ مسز اکبر کی خواہش کے مطابق سدرا اور نوری بہترین دوست ثابت ہو رہی تھیں۔ کم از کم نوری نے تو اپنی طرف سے کوئی گنجائش نہیں اٹھا رکھی تھی۔ سدرا کو یوں تو نوری سے کچھ دیر کو سخت نفرت ہوگئی تھی جب وہ ماتھے پر بال لگتے ہی دھاڑیں مار کر زمین پر گری تھی مگر دوسرے دن ہی سدرا کو دیکھ کر نوری نے اپنی حد درجہ معصوم مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا۔ تو وہ نفرت عجیب سے تحیر آمیز پیار سے بدل گئی ہر چند کہ سدرا کے معیار پر نوری کسی عنوان پوری نہ اترتی تھی مگر اس میں شک نہیں کہ اگر سدرا کی کسی سے دوستی ہو سکتی ہے تو وہ نوری ہے۔ اس میں سدرا کے سلوک سے کہیں زیادہ نوری کے مصمم ارادہ کو دخل تھا۔ وہ پہلے دن ہی سدرا کی نشانہ بازی دیکھ کر اس کی برتری مان چکی تھی اور سدرا وہ اگر کسی سے متاثر ہوئی تو حیات سے جس کے ہاتھ پیروں پر چوٹوں اور زخموں کے متعدد نشان تھے اور پیڑوں پر گلہری کی پھرتی سے چڑھتا تھا۔
سدرا نے اپنی اکلوتی سہیلی کو سنوارنے کی لاکھ کوشش کی۔ اول اول اس کو باغ میں چھوٹے چھوٹے پیڑوں پر چڑھنے کی مشق کرائی گئی نوری نے لاکھ کوشش کی مگر یہ فن اس کو کسی طرح نہ آتا تھا ایک آدھ مرتبہ سیڑھی کی مدد سے اس کو پیڑ پر چڑھایا بھی گیا تو اوپر پہنچتے ہی نیچے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو جاتے اور وہ اترنے پر آمادہ ہو جاتی تھی سدرا نے بزدل اور نکمی کہہ کر اسے بخش دیا۔
پھر اسے نشانہ بازی سکھائی گئی پھاٹک کے ستونوں سے چھپ کر راہ گیروں پر کنکر مارنے سے شروعات ہوئی مگر یہ بات مسز اکبر تک پہنچی اور انہوں نے اس خیال کی سخت مخالفت کی' اس مقصد کے لیے لان کے بیچ میں خاص طور سے ایک تختہ لگایا گیا مگر اس فٹ بھر چوڑے تختے پر کیا معنی نوری کا نشانہ اس تختے کے گزوں آس پاس نہ پڑتا تھا سدرا نے اسے بیکار اور کوڑھ مغز کہا نوری نے اس حقیقت کو مان لیا مگر مشکل حل نہ ہو سکی۔
آخر سدرا اور نوری کی مشترکہ دلچسپی یہ رہ گئی کہ سدرا اس کو عجیب و غریب نئی نئی باتیں سناتی اور نوری منہ پھاڑے آنکھیں کھولے چپ چاپ سنا کرتی' سدرا نے اس کو افریقہ کے جنگلوں' ہاتھیوں اور ریچھوں کے قصے سنائے بڑے بڑے خونخوار شیروں کی باتیں بتائیں اور پھر اس کا تعارف سنیما والے ٹارزن سے کرایا' جب نوری یہ حالات سمجھ گئی تو سدرا نے اس کو اپنی زندگی کے سب سے اہم راز سے آگاہ کر دیا۔
نوری تم صالحہ اور حمیدہ کو جانتی ہو نا ارے وہی

Digitized by Google

جو اپنے اسکول کے بورڈنگ میں رہتی ہیں اری پگلی میری کلاس میں نہیں' وہ تو بہت بڑی ہیں بی اے میں پڑھتی ہیں۔

ہاں ہاں وہی جنہوں نے مجھے چاکلیٹ دیے تھے تو سنو وہ دونوں قسمت کا حال جانتی ہیں ہاتھ دیکھ کر سب بتاتی ہیں کہ اب کیا ہوگا انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ رضیہ آپا اسکول میں دو سال سے زیادہ نہیں رہیں گی' ان کو نکال دیا جائے گا اور یہ بھی پتہ ہے کہ عابدہ بیگم ہیڈ مسٹریس ہو جائیں گی' اری ابھی نہیں جب بیگم خیری مر جائیں گی تب' خیر تو حمیدہ اور صالحہ نے میرا ہاتھ بھی دیکھا تھا۔ اور مجھے سب بتا دیا سب....."

"کیا؟" نوری فرطِ اشتیاق سے کھسک کر سدرا کے اور قریب آ گئی۔

"کیا بتایا ہے؟"

"اوہ..... بہت سی باتیں ہیں..... بڑی اچھی باتیں۔" سدرا اٹھلائی تو نوری کا اصرار اور بھی بڑھ گیا۔

"اچھا اچھا..... بتاتی ہوں مگر دیکھ کسی سے کہنا نہیں صالحہ اور عابدہ نے منع کر دیا ہے سن وہ کہہ رہی تھیں کہ فرشتوں کی غلطی سے میں یہاں آ گئی ورنہ میری قسمت میں تو جنگل کی شہزادی ہونا لکھا ہے۔ دیکھو یہ اس ہاتھ کی لکیریں ہاں مگر تو کیا سمجھے گی۔"

"شہزادی سدرا....." نوری کا منہ گول دائرہ کی شکل میں کھل گیا۔

"ہاں ہاں شہزادی' وہ کہانی والی شہزادی نہیں جو دن بھر گوٹے کے کپڑے پہن کر پان کھایا کرتی تھی جنگل کی شہزادی ممی تو مجھے پریوں کی شہزادی کہتی ہیں مگر یہ بات غلط ہے بھلا کہیں میرے پر ہیں؟ میں تو جنگل کی شہزادی بنوں گی جیسی میں نے سنیما میں دیکھی تھی ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر یوں جاتی تھی۔"

"پھر' پھر کیا ہوگا؟" نوری کا سانس رکا ہوا تھا۔

"پھر میں جنگل میں چلی جاؤں گی اور بہت دور پہاڑوں کے پرلی طرف۔"

"ارے نہیں' نوری نے گھبرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جنگل میں کیوں چلی جاؤ گی۔"

واہ پگلی اور کیا جنگل کی شہزادی یہیں رہے گی ان کمروں میں ایسے کپڑے پہن کر' میں وہاں چلی جاؤں گی جہاں بڑے بڑے ہاتھی رہتے ہیں شیر اور ریچھ۔"

"ہائے" نوری اس سے لپٹ گئی وہ تجھے کھا جائیں گے۔"

سدرا نے سر پیٹ لیا۔

"تم تو بالکل دیوانی ہو بھلا وہ اپنی شہزادی کو کھا سکتے ہیں۔" کاش تم نے وہ فلم دیکھی ہوتی وہ سب تو مجھ سے ڈریں گے اور میں ڈیڈی کی بندوق بھی تو لے جاؤں گی اگر کسی نے گڑبڑ کی تو بس....."

"اور تمہیں اکیلے ڈر نہیں لگے گا؟"

"ڈر؟ لاحول ولاقوۃ میں شہزادی ہو کر ڈروں گی' اور اکیلی نہیں ہوں گی وہ شہزادہ بھی تو ہوگا جنگل کا شہزادہ....."

"شہزادہ....."

"اور نہیں تو کیا تم نے کوئی ایسی کہانی سنی ہے جس میں شہزادی تو ہو مگر شہزادہ نہ ہو حمیدہ اور صالحہ کہہ رہی تھیں کہ پڑھنا لکھنا میرے لیے بیکار ہے مجھے تو بس نشانہ لگانا اور پیڑ پر چڑھنا سیکھنا چاہیے اور ایک دن انہی اونچے اونچے پیڑوں اور ہوسٹل کی چھتوں پر کودتا پھلانگتا ہوا جنگل کا شہزادہ مجھے لینے آ جائے گا۔ میں تو تم کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی مگر تجھے تو کوئی کام نہیں آتا بس بالکل بیکار ہے خیر میں کبھی کبھی ممی سے اور تم سے ملنے ضرور آیا کروں

Digitized by Google

گی۔"

نوری نے سدرا کی ہدایت کے مطابق اس کا راز اپنے دل میں چھپا کر تو رکھ لیا۔ مگر ہول کے مارے اس کا خون خشک رہنے لگا اگر سدرا کو کبھی اسکول سے آنے میں ذرا بھی دیر ہو جاتی تو نوری بوکھلائی پھرتی ایسا نہ ہو جو کہیں جنگل کا شہزادہ اسے لے گیا ہو۔"

جنگل کا شہزادہ نہ جانے کب اپنا تیر کمان سنبھالے فرشتوں کی غلطی سے کھوئی ہوئی شہزادی کو کھوجنے آئے گا۔ دن گزرتے گئے۔

چار سال بیت گئے۔ بیگم خیری زندہ تھیں اور ہیڈ مسٹریس کے فرائض بخوبی ادا کر رہی تھیں رضیہ آپا بدستور اسکول میں حساب پڑھاتی تھیں اور پانچویں کلاس میں آجانے کے باوجود سدرا کا ان کی نوکیلی انگلیوں سے چھٹکارا نہ ہو سکا ایک بات البتہ ایسی ضرور تھی کہ جس نے سدرا اور اسکول کا رہا سہا واسطہ بھی ختم کر دیا۔

حمیدہ اور صالحہ کالج سے جا چکی تھیں انہوں نے رخصت ہوتے وقت پھر ایک بار اس کا ہاتھ دیکھ کر اپنی پیش گوئی کا یقین دلایا تھا اور مایوس نہ ہونے کی ہدایت کی تھی۔ مگر اب درخت پر چڑھ کر راستہ تکنا کس قدر مشکل اور بے کیف تھا۔

اپنی بچی کی بے کیفی کا احساس سب سے پہلے مسز اکبر کو ہوا اسکول سے شکایت کی اطلاع آنا ایک مستقل سلسلہ تھا جسے مسز اکبر صبر کے ساتھ سن لیتی تھیں مگر سدرا کی پڑھائی سے بے فکری ان کو پریشان کرتی تھی' انہوں نے بڑی سنجیدگی سے بیٹی کو مرحوم باپ کی خواہش سے آگاہ کیا۔

"ممی میں یہاں نہیں پڑھ سکتی' سب استانیاں میری دشمن ہیں مجھے خواہ مخواہ برا بھلا کہتی ہیں۔ نوری کے سوا سب لڑکیاں مجھے گلہری کہتی ہیں۔"

"اچھا تو پھر کہاں پڑھو گی کسی اور سکول میں بھجوا دوں۔"

"کسی اور اسکول میں....." سدرا چلائی۔

"ہاں کسی کانونٹ میں؟ مری جاؤ گی؟"

"مری وہی مری ممی جہاں ایک دفعہ گرمیوں میں حیات بھی گیا تھا۔ اور بتا رہا تھا کہ اونچے اونچے پہاڑ اور لمبے لمبے سرو کے درخت ہوتے ہیں۔"

"ہاں وہی مری....."

"بھجوا دیجیے..... اچھی ممی ضرور بھجوا دیجیے۔ بس میں وہیں جانا چاہتی ہوں۔"

سدرا سے جدائی کا خیال مسز اکبر کے لیے موت سے بڑھ کر جانکاہ تھا مگر اپنی زندگی کی مسرت اور ہنسی سب انہوں نے سدرا میں سمو دی تھی پھر ایک بار انہیں زندگی اور تنہا زندگی کا بوجھ سہارنا پڑا۔

سدرا کا داخلہ سینٹ میری کونونٹ' میں ہو گیا وہ یہاں سے پانچویں کر کے گئی تھی اور وہاں تیسری میں لی گئی مسز اکبر اس سے بہت گھبرائیں مگر وہ تو کسی طرح بھی کراچی رہنے پر رضامند نہ تھی اونچے اونچے پہاڑ اور تناور سرو کے درخت اسے زندگی کا نیا موڑ دکھا رہے تھے۔ اور وہ چلی گئی۔

اسکول کی جن استانیوں کا اس نے ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ انہوں نے سدرا کے جانے پر شکر ادا کیا جو لڑکیاں اس سے پٹ پٹ کر عاجز آ چکی تھیں انہوں نے خوشیاں منائیں اور اسکول کے دیگر اسٹاف نے اسے کوسنے دینے کا خیال ترک کر دیا' جہاں یہ سب تھا وہیں مسز اکبر کا کھانا پینا بھی چھوٹ گیا' راتوں کو سدرا کے پلنگ کا طواف کرنے لگیں اور دن بھر ان کے ویران نینوں میں آنسو امنڈتے رہے اور سدرا کی اکلوتی سہیلی جسے سدرا نے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور کبھی بیکار کے سوا کسی مصرف کی چیز نہ سمجھا اب لگتا تھا کہ سدرا کی جدائی پر جان دے

Digitized by Google

دے گی۔ سدرا کی بے حد خواہش تھی کہ نوری بھی اس کے ساتھ مری چلی جائے مگر نوری کے گھر والوں نے کسی طرح نہ مانا وہ اسکول میں اچھی طرح پڑھ رہی تھی ساری لڑکیاں اس کی صلح جوئی سے خوش تھیں اور سب استانیاں اس کی سعادت مندی سے متاثر تھیں پھر کیا کسی کا سر پھرا تھا کہ اسے دور بھیج دے۔

''میں تم سے اور ممی سے ملنے آیا کروں گی نا۔'' سدرا نے پھر اسے یقین دلایا سوگواروں میں حیات بھی شامل تھا اس لیے نہیں کہ سدرا اس کی چچازاد بہن تھی ایسی تو چچا تایا کی ان گنت لڑکیاں خاندان میں بھری پڑی تھیں اور وہ لڑکیوں سے خاصا بیزار رہتا تھا مگر سدرا سے اسے ایک خاص لگاؤ تھا اس نے نوری کی موجودگی میں ہزار بار سدرا سے کہا تھا میں جانتا ہوں تم اور لڑکیوں جیسی مڑچڑی اور ڈرپوک نہیں ہو اور اسی لیے چھٹی کے دنوں میں وہ اپنی ایئر گن' نئی سائیکل مختلف سائز کی گیندیں لے کر سدرا کے گھر آجاتا تھا۔ باغ میں گھنٹوں وہ سدرا کو نت نئی کرتب دکھاتا اور سدرا یقیناً اس کی ہونہار شاگرد ہی نہیں بلکہ کبھی کبھار قابل استاد بھی ثابت ہوتی تھی نوری کو البتہ دونوں نے 'بودم' قرار دیا تھا۔ مگر اس نے کبھی اس بات کا برا نہیں مانا یہی کیا کم ہے کہ سدرا اور حیات اسے اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔

سدرا چلی گئی اور اس نے پہلا فون نوری کو یہ کیا۔

''مری بڑی پیاری جگہ ہے بالکل ایسی جیسے کہ ٹارزن کی فلموں میں نظر آتی ہے۔ مگر میں یہاں بھی پابند ہوں' یہاں کی سب استانیاں سسٹر کہلاتی ہیں۔ یہ سب نن ہیں (نن کیا چیز ہوتی ہے یہ نہ تمہیں معلوم ہوگا نہ ابھی مجھے پتہ ہے) اور ایسے عجیب لباس پہنتی ہیں جن کا حلیہ Monsters سے ملتا ہے۔ ان ٹیچرز کو دیکھ کر مجھے فوراً ہی اس دن کا خیال آیا جب تمہاری مزاج پرسی کو میں پہلے دن تمہارے گھر گئی تھی اور ان سفید پٹیوں میں تم بالکل ایسی لگتی تھیں جیسی یہ ننیں لگتی ہیں۔

دوسری کال میں قابل ذکر بات یہ تھی یہاں ایسے عجیب لمبے اور چکنے درخت ہوتے ہیں کہ ٹارزن صاحب بھی آئیں تو پچاس پٹخیاں لگیں میری ساری مشق یہاں بیکار ثابت ہوئی ان پیڑوں پر چڑھنے کے لیے سب از سر نو سیکھنا ہے خوبانی اور ناشپاتی کے پیڑ البتہ اچھے خاصے ہیں اور نیم کے درخت تو بالکل نہیں ہوتے پیڑ پر چڑھنا یہاں بھی منع ہے مگر جو اصولوں کو مان لے وہ نوری ہی ہو سکتی ہے سدرا نہیں۔''

نوری کے لیے اب یہ کالز ہی مایہ تسکین تھے۔ جب کبھی کال آنے میں دیر ہو جاتی تو نوری کو طرح طرح کے ہول اٹھتے کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ وہ جنگل کا شہزادہ اسے کسی چکنے اور لمبے سرو کے درخت پر چڑھنے کے بہانے اپنے ساتھ لے گیا ہو' پھر کال آجاتی کہ یہاں کی پابندی نے تو اپنے چاردیواری والے قید خانے جیسے اسکول کو بھی مات کر دیا ہے جنگل کا شہزادہ تو پھر آدمی ہوگا یہاں تو پریوں کے شہزادے کا بھی ذکر نہیں۔

نو مہینے کے بعد سدرا سردیوں کی چھٹیوں میں گھر آئی تو نوری نے محسوس کیا کہ اس کی رہی سہی آدمیت بھی ختم ہو چکی تھی اسکرٹ اور بلاؤز پہنے وہ جنگلی بلی کی طرح دن بھر اِدھر اُدھر قلانچیں لگایا کرتی امریکن لہجے میں انگریزی بولتی اور نوری کو اب کوڑھ مغز اور کاہل کے بجائے ڈل اور ایڈیٹ کہا کرتی۔

پھر یہ آنے جانے کا چکر چلتا رہا سدرا ہر نو ماہ کے بعد نیا روپ دھارتی رہی اور بقول نوری بد سے

Digitized by Google

بدتر ہوتی گئی جوں جوں وہ بڑی ہورہی تھی اسکرٹ میں سے نکلتی ہوئی ٹانگیں' گردن تک کٹے ہوئے بال دیکھ کر بیگم اکبر کو خفقان ہونے لگتا۔

اب بھی سدرا گھر آتی تو حیات ان کے یہاں آجاتا تھا۔ ہر نیا سال ان سب کے لیے تبدیلیاں لاتا' حیات کتنا سنجیدہ ہوگیا تھا اور ایئر گن کے بجائے اس کے پاس بارہ بور کی دونالی تھی اکثر اس کا سدرا سے نشانہ کا مقابلہ ہوتا اور ہر مرتبہ سدرا کو ہار کے اسکول رہ کر آؤٹ آف پریکٹس ہونے کا غم کرنا پڑتا نوری یوں تو سدرا کے خیال میں ہمیشہ کی طرح ایڈیٹ تھی مگر اب اسکول کی آرٹ کی نمائش میں وہ پہلا انعام حاصل کرچکی تھی اور ہر سال اطمینان سے اپنی کلاس میں اول آتی تھی سدرا بہت کچھ بدل گئی تھی ایک مرتبہ اس نے اپنے طویل کال میں نوری کو بتایا۔

''لو اور مزے کی بات سنو..... کل کراچی سے ہوتا ہوا صالحہ کا خط یہاں پہنچا بھئی وہی صالحہ جس نے میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھی تھیں جانتی ہو یہ خط کہاں سے آیا ہے؟ ٹرکی سے' صالحہ کی انہی احمد صاحب سے شادی ہوگئی ہے جن کو میرے ذریعے پیغامات دیے جاتے تھے۔ اب وہ ستاروں کی گردش کا حال جاننے والی صالحہ احمد صاحب کی قمیضوں میں بٹن ٹانکتی اور اپنے تین چار بچوں کو پیٹتی رہتی ہوگی مجھ سے پوچھتی ہے' مجھے یقین ہے کہ اب تک میری پیش گوئیاں پوری ہونے لگی ہوں گی' کیا پتہ یہ خط تم کو ملے یا نہیں غالباً اب تک تم اپنے ٹارزن کے ساتھ گھنے جنگلوں اور خونخوار درندوں پر راج کرنے جاچکی ہوگی۔''

''نوری صالحہ کا خط پڑھ کر میں کل سے کھوسی رہی ہوں اب اپنے بچپن کی باتوں کا خیال آتا ہے۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ صالحہ اور حمیدہ مجھ سے اپنا الو سیدھا کرتی تھیں مگر شاید ان کو خود بھی پتہ نہ ہو کہ میرے مستقبل پر ان باتوں سے کیا اثر پڑے گا۔ صالحہ کی پیش گوئی کا حال تم جانتی ہو' عابدہ بیگم مرگئیں اور بیگم خیری اسی طرح ہیڈ مسٹریس کا عہدہ سنبھالے بیٹھی ہیں مجھے اسکول چھوڑنا پڑا مگر رضیہ آپا' اسی طرح لڑکیوں کی جان پر عذاب بن کے مسلط ہیں رہا میرا ٹارزن تو اب میں نہیں جانتی مجھے کب تک اس کا انتظار کرنا ہے' جنگل کی شہزادی کو ابھی تک قواعد اور اصولوں کی بیڑیوں نے جکڑ رکھا ہے۔ مگر یہ زندگی میری نہیں جوں جوں دن گزرتے ہیں مجھے اس ماحول سے بیگانگی کا احساس بڑھتا جاتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر جنگل کا شہزادہ مجھے لینے نہ آیا تو کہیں میں اکیلی ہی اپنی راہ پر نہ چل پڑوں۔''

اس بار نوری بھی کھوگئی۔

''ہائے یہ لڑکی پاگل ہوتی جارہی ہے۔ اللہ مسز اکبر پہ رحم کر بھلا کہیں جنگل میں شہزادہ یا شہزادی ہوتے ہوں گے۔''

کوئٹہ میں سدرا کا آخری سال تھا تو مسز اکبر اپنے معمول کے مطابق گرمیاں گزارنے مری جانے لگیں' سدرا نے انہیں بڑے اصرار سے لکھا تھا کہ نوری کو ضرور ساتھ لے آئیں نوری کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ یہ کم بخت امتحان بھی عجب بلا ہے ایف اے کا آخری سال تھا اور امتحان سر پر آچکے تھے۔ بیچاری صبر کرکے رہ گئی' حیات ایل ایل بی کا امتحان دے کر یونہی موٹر سائیکل پر من من بھر کی کتابیں لادے کورٹ کے چکر لگایا کرتا تھا۔ مسز اکبر اسے اپنے ساتھ پکڑ کر لے گئیں۔

رات گئے جب نوری اپنی خشک اور پیچیدہ کتابوں سے اُکتا جاتی تو کرسی پر نیم دراز ہوکے وہ سدرا کی باتوں کو سوچنے لگتی۔

''اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کیا ہوگی کہ تم

Digitized by Google

میرے پاس نہیں آسکتیں' یہاں دس سال رہ کر بھی میں اپنے گردو پیش کے انسانوں سے اس قدر انجان رہی ہوں کہ اس وقت مجھے تمہاری حد سے زیادہ ضرورت تھی تم جو مجھے نہیں سمجھ سکیں مگر میرے ان جذبات سے آگاہ ہو جنہیں تم نے دیوانگی کا نام دے رکھا ہے میری یہ دیوانگی اب آخری سرے کو چھو رہی ہے کسی ایسے انسان سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے جو میری ایک نہ سمجھے اور بیوقوفوں کی طرح منہ کھولے سنتا جائے' نوری وہ تمہارے سوا کون ہوسکتا ہے۔

''ممی نے کمال کیا جو حیات کو گھسیٹ لائیں۔ مجھے حیات ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔ اور اب وہ دیکھنے میں کس قدر شاندار انسان ہوگیا ہے اس کی جسامت دیکھ کر تو اس کہانیوں والے دیو کا خیال آتا ہے جو کسی پری کو اپنی مٹھی میں دبا کر لے بھاگا تھا بچپن ہی سے میں یہ سمجھتی تھی کہ حیات عام انسانوں سے مختلف ثابت ہوگا مگر میرے یہ خیالات سچے نہ تھے' ذہنیت اس کی بھی وہی ہے جو تمہاری اور ان بہت سے انسانوں کی جو اس دنیا میں بستے ہیں تمہیں میں نے اپنی راہ پر لانا چاہا' حیات سے کچھ توقعات تھیں تو وہ بھی ایل ایل بی کر کے اب وکالت کرنے کی باتیں سوچتا ہے۔ نہیں تم میں سے کوئی بھی مرا ہم سفر نہیں ہوسکتا۔ مجھے شاید اپنی راہ اکیلے ہی جانا ہوگا۔''

کچھ دن بعد سدرا کا فون آیا۔

''نوری بار بار سوچتی ہوں کہ کاش تم یہاں ہوتیں تو ہم ان دنوں کی یادگار مناتے جو ہم تینوں نے مل کر بتائے تھے یہ پہلا موقع ہے کہ میں کچھ دن کے لیے اپنی زندگی سے اس قدر بیزار نہیں' جیسی گزشتہ نو دس ماہ سے ہوگئی تھی' مجھے یقین ہے کہ اگر میں یہاں نہ آجاتی تو حیات اس طرح 'غلط ملط' سا انسان نہ بنا یہ غلط ملط کا لفظ میں نے سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔ ہر لمحہ وہ ذہن و دماغ کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔ غالباً یہ ہم ایک دوسرے کے برعکس لڑکیوں کے ساتھ رہنے کا نتیجہ ہے کہ وہ نہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا.....

پرسوں اور کل ہفتہ اور اتوار کا دن میں نے ممی اور حیات کے ساتھ گزارا ممی نے محنت سے مجھے ساڑھی پہنائی پھر (اُن کے خیال میں جب میں بن سنور کے) زینہ سے اترنے لگی تو خیریت ہوئی کہ حیات میرے ساتھ تھا اور اس کے فولادی بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ اس نے مجھے ناگہانی موت سے بچالیا۔ اور میں ابھی تک صحیح سالم ہوں ورنہ پھسلنا میں آخری سیڑھی پر پہنچتے پہنچتے ناریل کی طرح بکھر گئی ہوتی۔

حیات اور میں گھنٹوں مری میں کشتی پر سوار رہے۔ اس سے قبل کئی مرتبہ مجھے اسکول والوں کے ساتھ کشتی کی سیر کو جانا پڑا' اللہ توبہ کیا بوریت ہے سسٹرز کے کفن نما سر سراتے ہوئے لباس اور لڑکیوں کی مسلسل بے معنی باتیں کیوٹکس اور لپ اسٹک کے شیڈز' بلاؤز اور فراک کے ڈیزائن اور پھر ان کے وہ لچر عشق جن میں ایک خودکشی پر آمادہ ہوتی ہے تو دوسری رات بھر رویا کرتی ہے میرا دل چاہتا کہ.....

نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

کے مصداق پانی میں چھلانگ لگادوں۔ حیات کے ساتھ یہی کشتی رانی بڑی کیف آور بن گئی ڈوبتے سورج کی شعاعوں نے جھیل کے نیلے پانی میں سنہرا روپہلا تانا بانا بن رکھا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں مندر کی طلائی کلسوں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اور مری کی عطر بز ہوا کی لہروں کے ساتھ دھیمے دھیمے بہہ رہا تھا۔ آہ نوری کراچی میں رہ کر تم مئی کے مہینے میں یا

Digitized by Google

تو پسینہ کی بات سمجھو گی یا پانی کی کمی کو) مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں اتنے برسوں سے مری میں ہوں اور حیات ایسی اچھی باتیں سنا رہا تھا کشمیر کی باتیں جہاں وہ گزشتہ کئی سال سے گرمیاں گزارنے جایا کرتا ہے اسے کشمیر کی سرزمین سے عشق ہے زعفران زاروں سے اور سرسبز وادیوں سے.....

پھر جانتی ہو نوری آخر میں کیا ہوا؟ سنو حیات کا وہ ہمزاد جاگ اٹھا جسے تمہاری اور تم جیسے اور سب انسانوں کی قربت نے جنم دیا ہے۔ اس نے کشمیر جا کر وکالت کرنے کا زریں خیال ظاہر کیا' مثلوں اور فائلوں کی باتیں کرنے لگا میری کوفت کا عالم نہ پوچھو گھر آتے آتے میری اس سے لڑائی ہوگئی اور میں نے اسے کہہ دیا کہ تم قطعی نامعقول ہو۔

کچھ دن بعد نوری کو اپنی بعید از فہم سہیلی کی ایک اور کال ریسیو ہوئی۔

''مجھے یوں لگتا ہے کہ آخر مجھے اپنی راہ مل گئی ہے۔ اور ایک دن منزل بھی مل جائے گی۔ یہی کیا کم ہے کہ اب میں ان بھول بھلیوں میں نہیں بھٹک رہی جن میں میری زندگی کا بیشتر حصہ گزرا تھا۔ اتنے برس کے بعد یہی مری میرے لیے ایک نئی اور پُرکشش جگہ بن گیا ہے جو چیزیں پہلے مردہ اور بے جان لگتی تھیں اب ان میں ایک اچھوتا حسن نظر آتا ہے پچھلے دنوں اسکول میں چھٹیاں تھیں اور میں کئی دن تک ممی کے ساتھ رہی' ممی تو جانتی ہو کہیں آتی جاتی نہیں ہیں اور حیات صبح سے شام تک مری کی دلکش راہوں پر چلتے رہے۔ ایک دن ہم دونوں مال روڈ گئے راستہ کے اتار چڑھاؤ کس قدر سحر آمیز ہیں ہم کچھ دیر تک ان قدم قدم پر آنے والے موڑوں پر ایک دوسرے کو کھوتے اور پاتے رہے اور پھر سڑک چھوڑ کر خاردار جھاڑیوں اور نیلی چٹانوں والے پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ افوہ کس قدر لطف آیا ہے میں نے حیات کو سچ مچ بوکھلا دیا وہ ہر بار مجھ سے پیچھے رہ جاتا تھا۔ غریب کا سانس پھول گیا پسینہ بہنے لگا اور قدم قدم بیٹھنا شروع کر دیا۔ تمہیں یاد ہوگا بچپن میں وہ کس قدر تیز طرار تھا۔ اس وکالت کی بیٹھکوں نے اسے تمہارے جیسا کاہل الوجود کر دیا ہے جب ہم چوٹی پر پہنچے تو حیات کا پسینے سے تر بتر سرخ چہرہ دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی لگتا تھا ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھا ہے۔ لیٹ کر ہانپنے لگا کشمیر پوائنٹ سے گردوپیش کا منظر اتنا حسین اور پُرکیف تھا کہ میں کچھ دیر کو بالکل کھو گئی لگتا تھا بچپن کے ان خوابوں کی تعبیر سامنے آ گئی۔ جنہیں میں نے اپنے کراچی والے اسکول میں نیم کے درخت پر بیٹھ کے دیکھنا شروع کیا تھا سامنے حد نظر تک وہی دنیا پھیلی ہوئی تھی جس کی کھوج میں پندرہ سولہ سال گزار کر میں اونچائی تک پہنچی ہوں وہ میرے تصورات کے گھنے جنگل' غار اور چٹانیں مجھے یقین ہے وہاں بدمست ہاتھی' جنگلی ریچھ اور خونخوار بھیڑیے بھی ضرور ہوں گے اور ان کا شہزادہ.....

خیر مجھے تو یہ بتانا ہے کہ حیات پر اس ماحول کا ردعمل کیونکر ہوا جب کچھ تھکن دور ہوئی تو اول اس نے کچھ دیر تک اپنے کشمیر کی باتیں کیں وہی نقری جھیل مخملیں سبزہ گنگناتے آبشار اور کیسر کے کھیت اس نے مجھے دعوت دی کہ آئندہ سال (جب میں اسکول کے زنداں سے آزاد ہوں گی) تو اس کے ساتھ کشمیر چلوں پھر میں کام پر جاؤں گا اور تم میرے لیے کھانا بنانا چائے ہم ساتھ پئیں گے۔'' وغیرہ وغیرہ میں نے کہا۔

''جناب مرزا حیات احمد بی اے ایل ایل بی نہ مجھے کشمیری چائے بنانا آتی ہے اور نہ حشر تک کھانا بنانا آئے اس کام کے لیے تو ہم نوری کو ساتھ لے چلیں گے۔ کہاں میں کہاں یہ بوریت' حیات نے

Digitized by Google

مجھے جنگلی کے خطاب سے نوازا میں اُس کی شکر گزار ہوں۔'' دوسرے ہفتے سدرا نے کال کی۔

''تم امتحان سے فارغ ہوگئیں چلو اچھا ہوا مگر سب کے لیے کیا جب تم یہاں آنے سے مجبور ہو تم کہتی ہو کہ تمہارے گھر والے تمہاری بابت بڑی سنجیدہ باتیں سوچنے لگے ہیں اور اب وہ اس بات پر آمادہ نہیں کہ تمہیں بی اے کرنے کو دو سال کی مہلت دیں۔ اور تم پریشان ہو' تمہیں رات کو نیند نہیں آتی دن بھر تمہارا جی ڈوبا رہتا ہے۔ مجھ سے مل کر کچھ باتیں کرنا چاہتی ہو ایسی باتیں جو تم کسی اور سے نہیں کہہ سکتیں۔''

نوری تم سن کر خفا ہو جاؤ گی مگر حقیقت یہ ہے کہ تمہارا غم پڑھ کر مجھے ہنسی آگئی اور مجھے تم سے مطلق ہمدردی نہیں ہے۔ بھلا بتاؤ اب بی اے کر کے کیا کرو گی اپنی زندگی کا لائحہ عمل تم نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ جب تمہیں زندگی اور متعلقات زندگی کو سمجھنے کا شعور آیا تھا' تمہارے پروگرام میں بی اے اور ایم اے کی یکساں وقعت ہے' (بشرطیکہ تم رضیہ آپا یا مس فیروزہ جیسی قابل رشک زندگی گزارنے پر آمادہ نہ ہو) مگر تمہاری فطرت ایسی نہیں کہ تم سخت گیر انسان بن کر ہی رہ سکو تم تو ایک فرمانبردار بیوی کفایت شعار گھر والی اور جاں نثار ماں بننے کے خواب دیکھ رہی ہو گی' پھر کیا بی اے اور کیا ایم اے؟ مجھے یقین ہے تم اپنا عہدہ ضرور اور بڑی خوشی سے سنبھالو گی لہٰذا بسم اللہ کر کے سینہ سپر ہو جاؤ' ابھی سے کیوں راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کرتی ہو' جب تم اپنے آدھے درجن بچوں کو بھگتو گی اور اپنے خاوند مجاز خدا کے نخرے اٹھاؤ گی تو یہ چیزیں تمہارے پاس خود ہی بھٹکیں گی خوب راتوں کو جی بھر کے سولو اور دن بھر قہقہے لگاؤ کہ یہ دن پھر نصیب نہیں ہوتے اور ہاں تم نے جو یہ کہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ دل کی باتیں کہنا چاہتی ہو تو وہ بات تمہارے عشق کی داستان نہیں ہو سکتی' بھلا ایسی جرأت رندانہ تم میں کہاں سے آئی تم شاید یہی کہو گی کہ جہیز کے جوڑوں پر کامدانی سے کارچوبی بہتر رہے گا۔ بنارسی ساڑھیوں سے زریں جارجٹ کی ساڑھیاں دیرپا ہوتی ہیں اور کانوں میں کرن پھول جھمکوں سے زیادہ خوشنما ہوتے ہیں (اگر یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں ہوتیں تو.....)

اچھی نوری بھلا یہ سب خرافات مجھ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے میرا تو خیال ہے کہ میرے گھر آنے تک تم تیاریاں کرلو تاکہ میں گھر آ کے تمہارے اس شاندار انجام پر خوب تالیاں بجا سکوں۔ بتاؤ تمہاری شادی کے لیے کیا تحفہ لاؤں؟''

اب تم میری سنو کل حیات اور میں پتریاٹا گئے۔ یہ بڑی عجیب اور خواب آگیں جگہ ہے' پہلو بہ پہلو اور یکے بعد دیگرے چلنے والے پہاڑوں کا سلسلہ جو چند قدم پہلے لامتناہی لگتا ہے ایک مخصوص مقام پر آ کر یوں دفعتاً ختم ہو جاتا جیسے جیسے (مجھے کوئی ڈھنگ کی مثال نہیں سوجھتی بس یوں سمجھ لو جیسے کوئی عجیب سا خواب دیکھتے دیکھتے ایک دم آنکھ کھل جائے)

ہزاروں فٹ نیچے ایک وسیع اور سرسبز و شاداب زندگی اور حسن سے بھرپور میں سوچ رہی تھی کہ وہاں زندگی کیسی ہوگی رنگین اور دلفریب ان فلک بوس پہاڑوں سے پرے دنیا میں کیا کیا ہوگا' میرے اچھوتے خوابوں کی طرح سحر آمیز پُرکشش اور جاوداں' میں ان پہاڑوں کے پرلی طرف جانا چاہتی ہوں میں اونچائی سے نظر آنے والے اس طویل و عریض سرسبز میدان سے گزر کر ان جنگلوں میں جانا چاہتی ہوں جہاں فطرت کی معصوم ادا سے مجھے پیار ہوگا اور جہاں کا ہر ذرہ میرے جذبات کو

Digitized by Google

سمجھے گا میں اس فضا اس ماحول میں سچ مچ مدغم ہو جاؤں گی۔''

میں نے حیات سے کہا کہ میرے ساتھ اس ڈھلوان سے اتر کر نیچے میدان میں چلو میرے اس خیال کو اس نے مجذوبہ کی بڑ قرار دیا غور کرو اس قابل انسان نے میری حسرت کے لیے کیسا دلچسپ نام پیدا کیا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ اگر تم میرا ساتھ نہیں دے سکتے تو تمہاری مرضی' تنہا سفر کٹھن سہی مگر ناممکن نہیں ہوتا' میں چکنے اور نوکیلے پتھروں پر قدم رکھتی ہزاروں فٹ نیچے والے میدان کی سمت اترنے لگی تو حیات اودھم مچا دیتا' اول وہ مجھے منع کرتا رہا پھر اس نے قسمیں اور واسطے دینے شروع کیے آخر کار وہ میرے پیچھے دوڑا' کس قیامت میں اس نے یہ چند گز کا فاصلہ طے کیا ہے اس کے بعد وہ مجھے باقاعدہ گھسیٹ کر لوٹا لایا۔ اس کا چہرہ سفید تھا اور ہاتھ پیر سرد ہو رہے تھے بزدل کہیں کا.....

حیات کہتا ہے کشمیر میں اس سے کہیں بڑھ کر دلکش جانفزا مناظر ہیں میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اس کے ساتھ کشمیر جاؤں گی مگر شرط وہی ہے اس کے طے کردہ (بقول اس کے مہذب دنیا میں ایک لمحے زندہ نہیں رہ سکتی جس تمنا کو اتنے سال اپنے خون سے پروان چڑھایا ہو اس کی جواں مرگی مجھ سے برداشت نہ ہوگی۔

کچھ ہی دن بعد سدرا نے پھر کال کی۔

''پرسوں عجب قصہ ہوا میں ہر بات کو زندگی میں اہمیت دینے کی قائل نہیں مگر یہ معمولی سی بات واقعی اہم بن گئی حیات مجھ سے سخت نالاں تھے۔

بات یہ ہوئی کہ میری کچھ ڈرائنگ تھیں جو میں حیات کو دکھانا چاہتی تھی میں نے اس سے کہا کہ تمہیں فرصت ملے تو جمعہ کی شام اسکول آ جانا میں تمہیں ٹینس گراؤنڈ کے پاس جو پہاڑی ہے وہاں ملوں گی۔ ہیڈ مسٹریس کو معلوم ہے حیات میرا رشتہ دار ہے اور مجھے اجازت تھی کہ چھٹی کے اوقات میں اس سے مل لوں وہ پہلے بھی کئی بار اسکول آیا تھا اور گھنٹوں ہم نے اس پہاڑی پر بیٹھ کر باتیں کی تھیں اتفاق کہو یا حماقت کہ اس دن شام کو میں یہ بات بھول گئی کہ میں نے حیات سے ایک وعدہ کیا تھا اور لائبریری میں بیٹھ کر شیر کے شکار سے متعلق ایک کتاب پڑھتی رہی۔

حیات چار بجے آیا اور آٹھ بجے تک میرا انتظار کرتا رہا پھر وہ اندھیری رات میں بھٹکتا ہوا واپس پہنچا تو ممی سے ایک ایک کی چار چار لائیں صبح کو ممی نے فون پر مجھے خوب لتاڑا اور کہا کہ شام کو ہفتہ کی چھٹی میں گھر آؤں تو حیات سے معافی مانگوں یہ معافی کا معاملہ گڑبڑ تھا معذرت کے لیے میں آمادہ تھی مگر اس سے نہ ممی کی تشفی ہوئی نہ حیات کی چڑھی ہوئی ناک اتری۔

اگر میں اس سے جھوٹ موٹ کہہ دیتی کہ مجھے جاڑے سے بخار چڑھا تھا ہیضہ ہو گیا تھا یا ٹانگ ٹوٹ گئی تھی تو وہ تہذیب و اخلاق کا متوالا بن جاتا مگر میں نے اصلی بات بتا دی' وہ جنگل کی کتاب بڑی دلچسپ تھی یہ سن کر حیات اور بھی بھڑک گیا۔ مجھے وہ سنا میں کہ میرا پیمانہ صبر چھلک گیا۔ جنگ کی نوبت آ گئی اس نے مجھ سے کہا کہ میں بے رحم اور سنگدل ہوں میں نے کہا تم خوشامد پسند اور خود فریبی کے عادی ہو معاملہ بڑھنے لگا تو ممی نے دخل دیا اور حیات کو پچکار کے ساتھ لے گئیں اور مجھ سے کہا کہ میں زندگی میں کسی کی محبت کی قدر نہیں کر سکتی۔

سوچو نوری محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہر لمحہ ہر قدم پر اس سے دکھاوا کیا جائے محبت کی قدر اس طرح ہوتی ہے کہ انسان اپنی وقعت خودداری اور

Digitized by Google

آزادی نفس کو تباہ کردے حیات بھی اور مردوں کی طرح پرستش کا شائق ہے۔ مجھے یہ ڈھنگ نہیں آتا' اب مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی اگر حیات خود میری راہ پر نہیں چل سکتا تو مجھ سے یہ توقع کیوں کرتا ہے۔''

کچھ دن کی خاموشی کے بعد حیات کے بارے میں سدرا نے آخری کال کی۔

نوری میں اپنے اوپر حیران ہوں معمولی سی بات نے مجھے خلجان میں مبتلا کردیا ہے میں تمہیں یہ ساری کہانی نہ بتاتی اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا کہ جب حیات تم سے ملے گا تو میری شکایت ضرور کرے گا اور میں نہیں چاہتی کہ تم جو اس دنیا میں میری تنہا دوست اور راز دار ہو مجھ سے بدگمان ہوجاؤ۔''

ممکن ہے حیات کی باتیں تمہیں بالکل مناسب اور فطری معلوم ہوں مگر میری بات کو میرے ہی زاویہ نظر سے پرکھنا اور پھر کہنا کہ جس نے ہوش سنبھال کر اب تک صرف وہی انسانوں کے ساتھ خیال وعمل کی آزادی محسوس کی ہو انہیں اپنا ہمعوانہ سہی اپنی فریاد سننے والا تصور کیا ہو اور ان کے ساتھ رہ کر اپنے لیے رنگ ماحول سے نجات پائی ہو۔ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی تکلیف دہ خودغرضی کس طرح برداشت کرسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر حیات کی جگہ یہی سلوک تم نے کیا ہوتا تو میرے جذبات یہی ہوتے بالکل جواب ہیں۔

بات بالکل ذرا سی تھی مگر حیات غالباً اسی دن سے بددل ہوگیا تھا جب اسے ایک شام تنہا بیٹھ کر میرا انتظار کرنا پڑا اور میں آنا بھول گئی تھی یوں بظاہر وہ خوش ہوگیا تھا اور کئی مرتبہ ہم دونوں کشتی کی سیر کو گئے اس نے مجھے اپنے کشمیر جنت نظیر کی کہانیاں سنائیں مجھ سے آئندہ سال کشمیر چلنے کے وعدے لیے سوئٹر موزے بننے اور کشمیری چائے بنانے کا مشورہ دیا جس کی بابت میں نے تمہاری خدمات کو تجویز کیا' اب سنومی کی یہاں سے واپسی کا وقت آگیا میں سوچ رہی تھی کہ اب دسمبر تک یہاں دن کس طرح گزریں گے دل چاہتا تھا پڑھائی پر لعنت بھیج کر می اور حیات کے ساتھ گھر چلی جاؤں مگر می کہاں چلنے دیتیں انہوں نے حیات سے بازار جاکر کچھ سامان لانے کو کہا میں بھی ساتھ گئی وہ بڑا بشاش تھا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کررہا تھا' مگر مجھے یقین ہے کہ وہ کسی دماغی کمزوری کا شکار ہے دفعتاً اُسے پھر کچھ دورہ پڑا اس نے ایک دکان سے کانچ کی سرخ چوڑیاں اور کچھ سبز چوڑیاں خریدیں اور مجھ سے پہننے کی فرمائش کی تم جانتی ہو میں نے کبھی چوڑیاں نہیں پہنیں میں نے کبھی می کو چوڑیاں پہنے نہیں دیکھا مجھے ان کے ہاتھ یونہی پسند ہیں میں نے انکار کردیا۔ اس نے اول مجھے مجبور کرنا چاہا اور پھر بگڑ بیٹھا دیکھنے کے قابل منظر تھا کہ وہ کس طرح منہ پھلائے پتلون کی جیبوں میں سرخ سبز چوڑیاں اور اپنے ہاتھ ٹھونسے بڑبڑاتا جارہا تھا۔ تم بداخلاق ہو تمہیں دوسرے کا دل توڑنا آتا ہے تم نے میرا تحفہ ٹھکرادیا۔''

میں نے کہا۔

''بھئی حیات میں ایسے بیکار تحفے کا کیا کروں جو میرے مصروف کی چیز نہیں۔'' کہنے لگا۔

''تم بلا سے انہیں ڈسٹ بن میں پھینک دیتیں مگر اس طرح تو میرا تحفہ رد نہ کیا ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''اچھا لاؤ کہاں ہیں چوڑیاں میں لیے لیتی ہوں۔'' اس نے خوش ہوکر جلدی سے چوڑیاں نکالیں اور مجھے تھما دیں اس کا شکریہ ادا کرکے وہ چوڑیاں میں نے ریلنگ کے پار بڑے سے کچرے

Digitized by Google

دان میں پھینک دیں۔

حیات کی شکل قابل دید تھی اس نے اس طرح منہ پھاڑ کر دیکھا جیسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ ہو کچھ دیر گم صم کھڑا رہا پھر خالص رضیہ آپا کے لہجے میں بولا۔

''تم کتنی سنگدل اور ظالم ہو۔'' مجھے رضیہ آپا کا خیال آتے ہی ہنسی آ گئی میری اس بے ساختہ ہنسی نے اسے اور بھی مشتعل کر دیا مجھ سے بولا۔

''کوئی اس طرح تمہارا دل توڑ دے تو پتہ چلے۔'' میں نے جواب دیا۔

''حیات صاحب میں ایسی کم ظرف نہیں جو کسی کا شکوہ زبان پر لاؤں یہ نمائش آپ ہی کو مبارک ہو۔''

پھر دو دن ہم لوگ ساتھ رہے اور وہ منہ لپیٹے پڑا رہا شاید اسے گمان تھا کہ میں اپنے عمل پر شرمندگی کا اظہار کروں گی مگر میں نے یہ سیکھا ہی نہیں اگر وہ خود اپنے رویہ پر متاسف ہو جاتا تو کیا حرج تھا۔ زیادتی اس کی تھی آخر جب میں اسکول جانے لگی تو میں بھی اسے خدا حافظ نہیں کہا۔ ممی سے مل کر آ گئی اس میں اس قدر دماغ ہے تو میں کیوں اپنا جی جلاؤں میں جانتی ہوں ایک دن وہ احساس کرے گا کہ غلطی اس کی تھی اور پھر متاسف بھی ہوگا' انتظار میں کیا حرج ہے تم سے یہی کہنا تھا کہ اگر وہ میری برائی کرے تو اس کی باتوں میں نہ آنا اور کہہ دینا کہ میں سدرا کو تم سے بہتر جانتی ہوں۔''

ہاں یہ بتاؤ تمہاری بارے میں کیا طے پایا؟ بھئی میری واپسی کا انتظار تو کرو گی نا؟ تم نے یہی گزشتہ کال میں مجھ سے کیا پوچھا تھا؟ مجھے تو ابھی تک اپنے ٹارزن کا انتظار ہے میری بات یونہی رہنے دو۔''

پھر سدرا نے بہت دن تک نوری کو کال نہیں کی وہ سینئر کیمبرج کے امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھی صبح شام کر کے دن اور مہینے بھاگتے جا رہے تھے۔ نومبر آ گیا اور سینٹ میری کو نونٹ کے در و دیوار پر امتحان کے خوفناک سائے لرزنے لگے سدرا کے تھکے ہوئے پژمردہ دماغ نے نوری کے ہاتھ کا لکھا اس ہوا دبیز لفافہ دیکھ کر جسم میں نئی جان محسوس کی مگر وہ خط یوں تھا۔

''سدرا بہت دن سے تمہیں ایک مفصل خط لکھنے کو تڑپ رہی ہوں مگر تمہیں تو معلوم ہے میں کتنی بزدل ہوں' بیسیوں بار قلم لے کر بیٹھی ہوں مگر دو چار سطر نہیں لکھ پاتی کہ ہاتھ رک جاتا ہے رات میں سوچتی رہی کہ میری خاموشی میرے ان جذبات پر داغ ہے جو تمہارے لیے میرے دل میں جاگزیں ہیں ہم دونوں نے کبھی ایک دوسرے سے کوئی بات راز نہیں رکھی پھر میری یہ جھجک کیا معنی' سدرا آج اس خط کو پڑھ کر میری ہمت کی داد دینی پڑے گی کہ یہ میں نے لکھا ہے۔

سنو سدرا میری شادی ہو رہی ہے مگر ٹھہرو مجھے تو شروع سے تمہیں سب بتانا پڑے گا میں نے تمہیں کئی بار لکھا کہ یہاں گھر والے اس موضوع پر بہت سنجیدہ ہو رہے ہیں اور اس سے قبل کہ میری زندگی کا فیصلہ ہو جائے میں تم سے کچھ اپنے دل کی بات کہنا چاہتی ہوں مجھے یقین تھا کہ تم صرف تم ہی میری مدد کر کے مجھے درد کے دائمی دور میں مبتلا ہونے سے بچا سکتی ہو مگر تم ہمیشہ کی طرح شریر اور ہر چیز کو ہنسی میں اڑانے والی تم نے کبھی مجھے بولنے کا موقع ہی نہ دیا تم یہ کہاں سمجھتیں کہ نوری کے ہاتھ کی لکیروں میں جنگل کی شہزادی ہونا نہیں لکھا اور اسے کوئی شہزادہ لینے نہیں آئے گا تاہم نوری کے پہلو میں ایک دل ہے اور اس میں کسی کا خیال بھی ہو سکتا ہے۔

Digitized by Google

تم نے بات مذاق میں ٹال دی اور تمہاری قسم میں کیسی پریشان رہی کہ اب تم سے کیا کہوں یہ خط پڑھ کر یونہی تم کو شرارت سوجھ رہی ہوگی۔

خیر تم نے میری مدد نہیں کی اور اچھا ہوا کہ میں نے تم سے کچھ نہیں کہا تم پتہ نہیں کیا کیا فقرے کستیں اُلجھن اس سے بہتر طریقہ سے حل ہوگئی۔

ہوا یوں کہ آج خالہ کو انفلوائنزا سے حرارت ہوگئی' میں انہیں دیکھنے تمہارے یہاں پہنچی تو حیات وہاں موجود تھے ہم دونوں ساتھ ہی لوٹے باغ میں پہنچ کر گلاب کے اس کنج میں جہاں ہم نے آنکھ مچولیاں کھیل کر بچپن کے حسین لمحے بتائے ہیں حیات دفعتاً رک گئے اور کہنے لگے۔

''نوری مجھے تم سے کچھ کہنا ہے مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنی عادت کے مطابق رحم اور ایثار نہ برتو بلکہ اس آزادی خیال سے کام لو جو سدرا نے تمہیں بچپن سے سکھائی ہے۔ یقین کرو اب میں کسی سے خفا نہیں ہوسکتا۔''

افواہ سدرا میں کس طرح سٹپٹائی ہوں حیات اس قدر سنجیدہ لگ رہے تھے کہ میرا جی بیٹھنے لگا اُن اک چہرہ زرد تھا اور آنکھیں پُرنم تھیں۔

تم نے ایک دفعہ ان کی یہی حالت مری میں دیکھی ہوگی جبکہ تم نے انہیں بزدل سمجھا تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ بزدل نہیں حساس کا لفظ بہتر رہے گا مگر تم سنگدل بھلا کسی کے نازک احساس کو کیا سمجھو۔

خیر تو وہ کہنے لگے' میری زندگی میں صرف دو لڑکیاں ہی ایسی آئیں کہ جن کے روبرو میں نے خود کو اجنبی محسوس نہیں کیا' جنہیں میرے دل نے ساتھی کہہ کر پکارنا چاہا سدرا اور تم سدرا مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ میں اس کے ساتھ چلنے کا اہل نہیں اب تم کہو زندگی کے سفر میں میرا ساتھ دو گی یا میں اکیلا ہی اپنی راہ چلتا چلا جاؤں گا۔''

بتاؤ سدرا میں کیا کہتی؟

میں نے بچپن سے ہمیشہ سے دنیا میں جن دو انسانوں کو چاہا (تم اس پر سٹش کہہ لو) ان میں سے ایک اور پہلی تم ہو' دوسرے کے بارے میں غالباً اب کہنے کی ضرورت نہیں۔

حیات بہت غمگین اور ملول نظر آرہے تھے اگر تم نے مجھے مری کے سارے واقعات نہ بتائے ہوتے تو یہ بات میرے لیے بھی پریشانی کا سبب بنتی مگر بھلا ہو تمہارا تم نے اپنی ساری شرارت مجھے لکھ بھیجی تھی اور مجھے ان کے غم کا حال معلوم تھا۔

میں نے پوچھا۔ کیا آپ سدرا کے مری والے رویہ سے دل برداشتہ ہیں۔''

کہنے لگے۔ ہاں اور مجھے یقین تھا کہ سدرا نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔''

میں بولی۔ تو میں بھی آپ کو بتادوں سدرا کی بات کا برا ماننا ایسا ہے جیسے آپ نے سدرا کو ابھی تک نہ دیکھا ہو' اگر آپ اسے جانتے ہیں تو اس کی باتوں سے رنجیدہ نہیں ہوسکتے' مجھ سے پوچھیے لاکھ بار اس نے اس طرح مجھے جو جی میں آیا کہا ہے میرے جذبات کا مذاق اڑایا ہے میرے خیالات پر ہنسی ہے اور مجھے وہ سب کہا ہے جو وہ آپ کو یقیناً نہیں کہہ سکتی مگر میں اس سے ایک لمحے کو ناراض نہیں ہوئی میں اسے پہچان گئی ہوں نا سدرا کو یقین ہوگا کہ آپ بھی اسے میری طرح جانتے پہچانتے ہیں۔''

حیات کچھ حیران سے کھڑے مجھے دیکھتے رہے ان کا خیال تھا سدرا مجھ سے نفرت کرتی ہے میں نے کہا۔

نہیں نہیں میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ سدرا ہم دونوں کو اسی قدر چاہتی ہے جتنا ہم

Digitized by Google

دونوں اسے چاہتے ہیں۔ سدرا تم نے مجھے کہا تھا کہ تم حیات سے کہہ دینا میں سدرا کو سمجھتی ہوں اور میں نے یہ بات ان سے کہہ دیتی اور پھر ان کی پریشانی دور کرنے کو میں نے حیات کو تمہارے اس خیالی رومان کا بھی کچھ حصہ سنا دیا جو ابھی تک صرف مجھے معلوم تھا۔ حیات سے میں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ تمہاری طرف سے ان کی کدورت دور ہو جائے۔ اور اس لیے بھی کہ حیات سے کیا پردہ؟ اب تو وہ ہم سے اور بھی نزدیک ہونے جا رہے ہیں میں نے حیات کو بتا دیا کہ تم بچپن سے اس ٹارزن کی منتظر ہو جو ایک دن تمہیں کھوجتا ہوا ضرور یہاں آ نکلے گا۔ حیات اور بھی حیران تھے کہنے لگے مجھے یہ سب معلوم تھا سدرا کی باتوں نے مجھے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ خیر سدرا اب تم بے فکر رہو حیات کو تم سے کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔

ہماری اس ملاقات کے بعد تمہاری تائی ہمارے گھر اس سلسلے میں آئیں اور یہاں سے فوراً منظور ہو گیا۔ حیات کو شادی کی بہت جلدی ہے مگر میں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک سدرا نہ آ جائے یہ ناممکن ہے لہٰذا اب تاریخیں تمہاری واپسی کے لحاظ سے طے ہوں گی ہاں بھئی ہمارے لیے تحفہ کی الجھن میں نہ پڑو تمہاری آمد سے بڑھ کر ہم دونوں کے لیے کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔

دبیز لفافے میں نوری کے ہاتھ سے لکھے ہوئے یہ الفاظ خزاں رسیدہ پتیوں کی طرح سدرا کے گرد اڑنے لگے' سینٹ میری کا ہنگامہ خیز اور زندگی سے بھرپور ماحول ایک گھنا تاریک جنگل بن گیا یہاں خونخوار درندوں کی دہشت ناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چاروں طرف خاردار جھاڑیاں اگ آئیں۔ اور خونی بھیڑیے اپنا چہرہ پھیلائے اس کی طرف بڑھے وہ ایک چٹان پر تنہا اور بے سہارا کھڑی تھی اس کا ساتھی اس کے اچھوتے خوابوں کا شہزادہ اس کے انتظار سے تنگ آ کر شہر کی مہذب دنیا میں پہنچ گیا تھا اب یہاں کوئی نہیں' کوئی نہیں آئے گا۔''

مسز اکبر کی زندگی میں ایک ایسا وقت آیا تھا کہ جب انہیں اپنا سارا سکون موت کی آغوش میں سویا نظر آیا تھا سدرا کے کم سن ہاتھوں نے انہیں زندگی کی طرف کھینچ لیا اب سدرا کربناک زندگی سے فرار چاہتی ہے۔

مسز اکبر نے اسٹیشن پر اسے دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں۔

''سدرا تجھے کیا ہو گیا؟''

''میں بہت بیمار ہوں ممی۔''

نوری مائیوں بیٹھ چکی تھی اور آنے جانے سے مجبور تھی حیات دو مرتبہ آیا اور دونوں دفعہ سدرا کو پلنگ پر آنکھیں بند کیے پڑا دیکھ کر مسز اکبر کو کہنا پڑا کہ سدرا سو رہی ہے۔

حیات اور نوری کی شادی کا دن آ گیا مسز اکبر نے کہا۔

''سدرا تم حیات اور نوری کی شادی میں شرکت نہیں کرو گی۔ حیات تمہارا تایا زاد بھائی ہے اور نوری تمہاری بچپن کی سہیلی ہے۔ تم نہ گئیں تو انہیں کتنا دکھ ہو گا۔''

''ہاں ہاں میں ضرور جاؤں گی۔ مگر میرے پاس تو شادی میں شرکت کے لیے اچھے کپڑے بھی نہیں۔''

بیگم اکبر نے بیس سال بعد بڑی امنگ سے اپنی مقفل الماری کھولی اور پھر اسکی درازیں کھولیں جب وہ نوری کے پاس پہنچی تو سہاگ کے عطر میں بسی ہوئی اور گوٹے کے سرخ لباس میں لپٹی ہوئی

Digitized by Google

نوری دونوں بازو پھیلا کر اس سے لپٹ گئی۔

''تم آ گئیں سدرا' اچھی تم آ گئیں۔'' پھر اُس کے سراپا کا جائزہ لیا اور فرطِ مسرت سے تڑپ گئی اللہ تم کتنی اچھی لگ رہی ہو' تم اور یہ غرارہ یہ آنچل پلو کا دوپٹہ' یہ موتیوں کے ہار اور یہ' یہ بھر بھر ہاتھ کانچ کی چوڑیاں یہ سب کیا قصہ ہے۔

''میں ہار گئی نوری۔'' اس نے رک رک کر مدھم آواز میں کہا۔

''افوہ حیات تمہیں دیکھیں تو کس قدر خوش ہوں اسی بات پر تو تم ان سے روٹھ گئی ہو۔''

پھر نوری کو کچھ یاد آ گیا اس نے سدرا کے لرزتے ہاتھ اپنے مہندی رچے ہاتھوں میں تھام لیے۔

''تمہاری صحت خراب ہوگئی' بہت کمزور لگ رہی ہو۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی' میری ایک بات مان لو بولو انکار تو نہیں کرو گی؟''

''کیا بات ہے؟'' سدرا نے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

نوری نے اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا اور خوشی سے کانپتی آواز میں سرگوشی کی۔

''بات یہ ہے کہ سدرا کہ تمہیں معلوم ہے حیات کشمیر جانا چاہتے ہیں انہیں کشمیر کی وادیوں سے عشق ہے مجھے یقین ہے وہ بڑی خوبصورت جگہ ہوگی اور تمہیں حسین نظاروں سے پیار ہے تم نے حیات سے وعدہ کیا تھا کہ تم ان کے ساتھ کشمیر چلو گی نا؟ دیکھو تم جانتی ہو مجھے ڈھنگ کی باتیں کرنا نہیں آتیں' تمہاری باتیں انہیں کیسی اچھی لگتی ہیں مجھے تو کم بخت باتوں کے لیے موضوع بھی نہیں سوجھتے' تمہیں نہ حیات کے لیے سوئٹر بننے کی ضرورت ہوگی نہ چائے بنانی پڑے گی یہ سب میں خوشی سے کرلوں گی تم بس ہمیشہ کی طرح ہم سے باتیں کرنا کیوں سدرا بتاؤ چلو گی؟''

سدرا کے سینے میں درد سا اٹھا کچھ دیر کو ایسا لگا جیسے وہ اس کا کاری ضرب سے کبھی نہ سنبھل پائے گی اسے معلوم نہ تھا کہ نوری کا نشانہ بھی اس قدر بے خطا ہوسکتا ہے پھر جیسے اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''میں بزدل نہیں ہوں۔'' اور مسکرائی۔

نوری تم حیات کے ساتھ اس کے تصورات کی سرزمین پر چلی جاؤ' ہاں میں نے حیات سے اس کے ساتھ جانے کا وعدہ کیا تھا مگر جب اور بات تھی ایک راز بتادوں جلدی تمہیں پتہ چلے گا کہ میں امتحان میں فیل ہوگئی میں نے امتحان کے پرچوں میں ایک لفظ نہیں لکھا ایک سوال نہیں کیا۔''

نوری نے سہم کر سدرا پر اپنی سوالیہ نگاہیں جمادیں۔

وہ رک رک کر کہتی گئی۔

''بات یہ ہے نوری کے میں پھر مری جانا چاہتی ہوں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مجھے یہاں کے راستوں پر اپنی منزل کے نشان ملنے لگے ہیں۔ میں انہی راستوں پر چلوں گی میں پہاڑوں کے پرلی طرف اس ڈھلان پر جاؤں گی جہاں جانے سے حیات نے مجھے روک لیا تھا اور پھر میں اس گھنے جنگل میں پہنچ جاؤں گی جہاں مجھے یقین ہے کوئی مجھے ڈھونڈتا آ نکلے گا۔''

نوری کی پریشان نگاہوں سے بچنے کو اس نے مڑ کر گاؤ تکیہ پر سر رکھ دیا' اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خاردار جھاڑیوں کے درمیان چٹان پر تنہا اور بے سہارا کھڑی ہے شہنائیوں کے ساتھ مل کر اس کے کانوں میں خونی درندوں کے غرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

☆☆.....☆☆

Digitized by Google

دنیا میں کس جگہ

سچی کہانیاں کے پرچے نہیں



اِس لیے کہ "سچی کہانیاں" کے مصنّفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے، دیکھتے، محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں۔ "سچی کہانیاں" کے قارئین وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچی کہانیاں" میں آپ بیتیاں، جگ بیتیاں، اعترافاتِ جرم و سزا کی کہانیاں، ناقابلِ یقین کہانیاں، دلچسپ و سنسنی خیز سلسلوں کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں، پرل پبلی کیشنز : 88-C-II فرسٹ فلور۔ خیابان جامی کمرشل۔
ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی فون نمبر: 021-35893121-35893122
ای میل : pearlpublications@hotmail.com

Digitized by Google

افسانہ

ڈاکٹر عزیزہ انجم

دیر نہ ہو جائے

خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہنے والی ماؤں کے ہاتھ اکثر پتھر ہی آتے ہیں مگر یہ بات سمجھنے تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے.....



Digitized by Google

گھنٹی بجنے اور گیٹ کھلنے کی آواز پر عقیلہ بیگم کی آنکھ کھل گئی تھی۔

کون ہوسکتا ہے اس وقت انہوں نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔ تین بج رہے ہیں۔ مریم ہی ہوگی اس کے سوا کون ہوسکتا ہے۔ پاؤں میں چپل ڈال کر وہ کمرے سے لاؤنج میں آئیں۔

السلام علیکم آنٹی۔ سامنے مریم کھڑی تھی وہ چاروں طرف دیکھتی آہستہ سے بولی تھی۔

وعلیکم سلام' ہلکی سی ناراضی تھی ان کے لہجے میں وہ سمجھ گئی تھی۔

''وہ فاریہ کہاں ہے؟''

فاریہ آ گئی۔ یہ خوشگوار مترنم آواز۔ فاریہ ہی کی تھی۔

اوہ مریم شکریہ۔ تم آ گئیں آؤ پہلے چائے پیو پھر اوپر چلتے ہیں۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے زرینہ بیگم کو آواز دی:

زرینہ آنٹی دو کپ اچھی سی چائے.....

تم لوگ اوپر جا کر چائے پی لو۔ عقیلہ بیگم کو اس کا یہاں زیادہ دیر بیٹھنا ڈرا رہا تھا۔ اگر ارسلان اچانک آ گئے اسے ایک نظر دیکھ لیا پھر..... 'نہیں۔ نہیں' انہوں نے اندیشوں کو دبایا۔

فاریہ تم اوپر چلی جاؤ زرینہ وہیں چائے لے آئے گی۔ بھائی کے آنے کا وقت ہو رہا ہے اور اس سے پہلے کہ فاریہ کچھ کہتی مریم تیزی سے بھاگتی ہوئی اوپر سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔ 'یہ امی بھی نا' فاریہ پیچھے پیچھے اوپر جاتی ہوئی بول رہی تھی۔

عقیلہ بیگم اس کی خوبصورتی سے زیادہ اس کی سادگی سے خوفزدہ تھیں اسے اپنی بے انتہا خوبصورتی کا علم نہیں تھا یا احساس یا وہ ادائے بے نیازی سے کام لے رہی تھی ہلکے گلابی رنگ کی دھاگوں کی کڑھائی کی سادہ سی شرٹ اسے گلاب کا پھول بنا رہی تھی۔ سر پر وہی ملگجا سا سفید دوپٹہ تھا جسے وہ ہمیشہ اوڑھ کر آتی تھی کبھی کبھی تو اس کے اوپر سیاہ عبایا ہی ہوتا گھنی پلکوں کے حصار میں ہرنی کی سی سیاہ بڑی آنکھیں سرخی مائل ہونٹ مخروطی سفید انگلیاں بلور اس کا نرمی سے سلام کرنا وہ مسحور سی ہو جاتیں۔

اور یہ مسحور ہونا ہی انہیں ڈرا دیتا' یہ روز روز کیوں آ جاتی ہے کیا یہ اپنے گھر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتی۔ لائبریریاں ختم ہو گئیں شہر میں مگر وہ تو انکی لاڈلی بیٹی کی عزیز از جاں سہیلی تھی دونوں میڈیکل کے تیسرے سال میں تھیں امتحان جب بھی قریب ہوتے وہ دونوں رات سر جوڑ کر پڑھا کرتی تھیں۔

ان کی بیٹی فاریہ بھی اول درجے کے اسٹوڈنٹس میں سے تھی اسے دنیا میں یا پڑھنا عزیز تھا یا اپنی مڈل کلاس سہیلی وہ کبھی دبے لفظوں میں کہا کرتی کہ وہ اپنے گھر کیوں نہیں پڑھتی۔

امی اس کے گھر میں بہت سارے لوگ ہیں بہن بھائی' دادی' پھوپی شور شرابا ہوتا ہے اور وہ خود نہیں آتی وہ تو لائبریری میں رک کر پڑھنا چاہتی ہے میں ہی ضد کر کے اسے بلا لیتی ہوں اور آپ کو کیا پریشانی ہے اس کے آنے سے؟'

ہم دونوں کمرے میں بند پڑھتے ہیں پھر وہ چلی جاتی ہے اب بھی ہفتہ پندرہ دن کی محنت ہے پھر وہ کہاں اور میں کہاں'؟

سنو یہ رہتی کہاں ہے؟

امی بتایا تو ہے کہ فاریہ نے کسی ٹاؤن کا یا کالونی کا نام لیا تھا۔

والد کیا کرتے ہیں اس کے۔

امی کسی گورنمنٹ محکمہ میں اچھے عہدے پر ہیں

Digitized by Google

مگر بہت ایماندار اسی لیے مالی طور پر یہ لوگ تھوڑا مشکل میں ہیں مگر سارے بہن بھائی پڑھائی میں بہت تیز ہیں بھائی نے تو اسکالر شپ لی ہے اور اس سال ہمارے ہی میڈیکل کالج میں داخلہ ملا ہے۔ فاریہ تفصیل بتاتے بتاتے تھک کر ماں کو دیکھ رہی تھی جو نہ جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

☆.....☆

زرینہ گرم روٹیاں کپڑے میں لپیٹ کر کھانے کی میز پر رکھ رہی تھی۔ سفید اصل لکڑی کی کرسیوں کے بیچ شیشے کی میز پر کھانے سجے تھے۔

یہ لو بیٹا ارسلان مچھلی کھا کر دیکھو میں نے خود تلی ہے زرینہ کے ساتھ کھڑے ہو کر۔

لے رہا ہوں امی!

آج بڑی رونق ہے ماشاء اللہ دسترخوان پر۔ زرینہ لجاجت سے بولی۔

اور تمہاری بیٹی کی شادی ہو گئی؟

جی بڑے صاحب اللہ کا بڑا شکر ہے خوش ہے اپنے گھر۔ بیگم صاحبہ نے بڑی مدد کی سب سامان ہو گیا' انور صاحب سر جھکائے کھانا کھا رہے تھے زرینہ کو سامنے دیکھ کر رسماً بات کر لی۔

اور یہ فاریہ کہاں ہے فاریہ بی بی کمرے میں پڑھ رہی ہیں اپنی دوست کے ساتھ۔ اور ممتاز بیگم جو نہیں چاہتی تھیں وہ زرینہ بول چکی تھی۔

کون سی دوست؟ انور صاحب نے سرسری انداز میں پوچھا

آپ کیا جانیں اس کی دوست کو ہے ایک پرانی سہیلی پڑھائی میں تیز ہے تو دونوں ساتھ پڑھتی ہیں

اچھا اچھا.....!

زرینہ کمرے میں کھانا دے دیا تھا فاریہ بی بی کو'

جی بیگم صاحبہ!

ارسلان بیٹا وہیں آ جاؤ کمرے میں وہیں بات کرتے ہیں۔

ارسلان ان کا اکلوتا بیٹا کل ہی ملائشیا سے واپس آیا تھا وہیں سے اس نے انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری لی اور بہت شاندار جاب میں مصروف تھا اور عقیلہ بیگم کی بڑی آرزو ایک حسین اور امیر بہو کی تلاش تھی کہاں کہاں نظر نہ دوڑائی۔

ہر شادی میں قریب اور دور کے رشتے داروں میں لڑکیاں دیکھیں' کہیں حسن تو مزاج کی تیزی نہ بھائی کہیں ادب آداب تو اسٹیٹس برابر کا نہیں ان کی اپنی نند زلیخا بھی اپنی خواہش کا اظہار کر چکی تھیں لیکن ممتاز بیگم کے تنے ابرو دیکھ کر چپ ہو رہیں۔

انور صاحب کھانے کے بعد بیڈ پر نیم دراز ہوئے تو ارسلان بھی وہیں آ گیا ملائشیا اور پاکستان کا موازنہ ہوتا رہا ادھر ادھر کی باتیں ان سے رہا نہ گیا

'میں تو اب چاہتی ہوں ارسلان کی اچھی سی دلہن آ جائے'

میں بھی یہی چاہتا ہوں دیر کس بات کی ہے لے آئیں'

ڈھونڈ تو رہی ہوں کوئی سمجھ ہی نہیں آ رہی'

ارے امی بس دیکھنے میں اچھی لگے خوش اخلاق ہو اور آپ کے ساتھ اچھی طرح رہے'

اور ہمارے اسٹیٹس کی بھی ہو۔ عقیلہ بیگم نے لقمہ دیا۔

امی اللہ کا دیا اتنا کچھ ہے آپ کو کیا اسٹیٹس کی فکر ہے' مجھے لڑکی کی مالی حیثیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا'

'مجھے تو پڑتا ہے بھئی اچھے خاندان کی لڑکی کی

Digitized by Google

بات ہی اور ہوتی ہے'

دیکھ لیں جو آپ کی مرضی میں سونے جارہا ہوں' ویسے ذرا جلدی کرلیں مادر محترم کہیں دیر نہ ہوجائے' ارسلان جاتے ہوئے ماں کو پیار کرتے ہوئے بولا وہ بھی ہنس دیں اور بیٹے کا ماتھا چومنے لگیں۔

☆.....☆

رات نیند نہ جانے کیوں آنکھوں سے غائب تھی لڑکی تو بہت اچھی ہے آج تک کمرے سے باہر نکل کر گھر کا کوئی حصہ نہیں دیکھا کبھی کسی کے سامنے نہیں آئی۔ باپ بھی اچھے عہدے پر ہیں لیکن نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا یہ اتنا بڑا اسجا سجایا محلوں جیسا گھر ہر شے انتہائی قیمتی اس میں تو کوئی قیمتی ہیرا ہی سجے گا کل جاؤں گی زلیخا کی بیٹی کی شادی میں وہاں دیکھوں گی ایک سے ایک شیلمیز آئی ہوں گی۔

☆.....☆

یہ فاریہ کہاں گئی ہوئی ہے؟ شادی کے لیے تیار ہوتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

بی بی کہیں گئی ہیں آتی ہی ہوں گی' لیجیے وہ آ بھی گئیں فاریہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی۔ اسے یاد تھا کہ ماں کے ساتھ پھوپی کے ہاں شادی میں جانا ہے۔ عقیلہ بیگم اور انور صاحب ذرا پہلے چلے گئے۔ نکاح میں شرکت کرنی تھی۔ فاریہ نے کہا وہ بھائی کے ساتھ تھوڑا دیر سے آئے گی۔ شادی کی تقریب انتہائی شاندار تھی اپنی مالی حیثیت کا زلیخا نے ہر بات میں ٹھیک ٹھاک خیال رکھا تھا۔ عقیلہ بیگم چاروں طرف سجی بنی لڑکیاں دیکھ رہی تھیں ایک سے ایک تیار' امیر اور خوبصورت لڑکی کسی پر نظر ٹھہرے تو بات کریں نہ جانے کیا بات تھی انہیں انجانا سا خوف بھی لاحق تھا لڑکیاں بہت بدل گئی ہیں یا زمانے انداز بدل گئے ہیں انہوں نے سوچا۔ ان کا نیک اور فرماں بردار بیٹا۔ وہ گھبرا سی گئیں کیا ہوگا میرا ایک ہی تو بیٹا ہے فاریہ کی شادی ہوگئی تو میری اور انور کی زندگی تو ارسلان ہی سے وابستہ ہے۔' دل کے کسی گوشے سے آواز آئی فاریہ کتنی تعریف کرتی ہے مریم کتنی نیک ہے گھر والے بھی نیک اور شریف ہیں اور واقعی اللہ کا دیا ہمارے پاس کیا کچھ کمی ہے فاریہ سے بات کرتی ہوں کتنی اچھی لگے گی ارسلان کے ساتھ مریم کی جوڑی.....

شادی رات گئے ختم ہوئی۔ ارسلان گاڑی چلا رہا تھا۔ انور صاحب ساتھ بیٹھے تھے۔ پیچھے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اچانک انہیں خیال آیا

فاریہ تم کہاں گئی تھیں شام کو بغیر بتائے؟

ارے امی فاریہ چہکی' بالکل افسانوں والی سچویشن مریم کی کوئی پھوپی اچانک امریکہ سے آ گئیں کل ہی بات ہوئی اور آج اس کا نکاح ہوگیا مجھے بھی اس نے بمشکل بڑی ایمرجنسی میں فون کیا تھا بڑا مزہ آیا۔ مرد مسجد میں تھے وہیں نکاح ہوا گھر میں مہمان کھچا کھچ بھرے تھے مریم کے سارے قریبی رشتے دار بہت ہی پیاری لگ رہی تھی مریم پیاری ہی نہیں حسین..... وہ حسین پر زور دے کر بولی۔ میں تو شادی میں جانے کی وجہ سے جلدی آ گئی۔ بہت روک رہی تھی مریم.....

ارسلان کتنی دیر سے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

'امی گھر آ گیا۔ باہر آئیں.....' وہ ایک ٹک بیٹے کو دیکھ رہی تھیں ان کے دل کا حال ان کے چہرے پر لکھا تھا۔ ان کی تمنا کا پھول بن کھلے مرجھا گیا تھا۔ انہوں نے سچ مچ بہت دیر کردی تھی!

Digitized by Google

سلسلہ وار ناول

جیبہ عمیر

انجان ہمسفر



اس کی چھوٹی سی غلطی نے بہت سے لوگوں کی زندگی بدل دی تھی جس میں اس کی اپنی زندگی بھی شامل تھی۔

''تائی امی..... کہاں ہیں آپ؟ وہ اپنے سوٹ کو ہاتھ میں دبائے تیزی سے نیچے آ رہی تھی۔

''کچن میں ہوں ادھر ہی آ جاؤ۔'' روبینہ بیگم نے اسے آواز لگائی۔

''اچھا جی۔'' وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی۔

''کیا ہو گیا ہمارے بیٹی کو؟''۔ وہ مسکرا کر اس کا بھولا ہوا چہرہ دیکھ کر بولیں۔

صبا جو سلاد بنا رہی تھی وہ بھی متوجہ ہو گئی۔ ''دیکھیں تائی امی اس سوٹ کا ٹیلر نے بیڑہ غرق کر دیا ہے۔'' اسے اپنے اتنے مہنگے سوٹ کو برباد دیکھ کر تاؤ آیا ہوا۔ اس نے سوٹ کاؤنٹر پر پھینک دیا۔

''کیوں؟ کیا ہو گیا ہے؟'' وہ سوٹ کی طرف بڑھیں۔

''میں نے جیسا کہا تھا اس نے بالکل ویسا نہیں سیا۔'' وہ پانی پیتے ہوئے بولی۔

روبینہ بیگم نے سوٹ کو دیکھا۔ انہیں تو کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ سوٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں۔ جدید طرز کے مطابق وہ سوٹ سلا ہوا تھا۔

''بیٹا مجھے تو کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی ہے۔'' انہوں نے اسے دیکھ کر کہا۔

''تائی امی۔ یہ میری مرضی کے مطابق نہیں بنا ہے۔'' میں نے اس گدھے کو کہا بھی تھا کہ اس کی length اتنی رکھے وہ ٹخنوں کے اوپر ہاتھ لگا کر بولی اور فٹنگ کے لیے خصوصی طور پر کہا تھا اسے' مگر اس نے length بھی کم رکھی ہے اور فٹنگ کا تو پوچھیں ہی مت۔'' وہ ہنکاری۔

''بیٹا کپڑا ہی اتنا ہو گا۔ چلو خیر ہے۔ ایسا کرو تم یہ پہن لو اور میرے ساتھ چلنا اور کوئی اور سوٹ لے لینا۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولیں۔

Digitized by Google



Digitized by Google

''امی جی آپ کو پتہ ہے ناں کہ اپیا کی ناک کے نیچے اتنی جلدی کوئی چیز نہیں آتی۔'' صبا سلاد فریج میں رکھتے ہوئے بولی۔

''میں نے بھی کہا تھا ریڈی میڈ لے لو مگر انہیں ہی شوق چڑھا تھا سلانے کا۔'' وہ روبینہ بیگم سے سوٹ لے کر اس کا جائزہ لینے لگی۔

''مجھے نہیں پہننا یہ سوٹ۔'' وہ پلٹنے لگی۔

''تو کیا کرنا ہے؟ ایک تو اتنا مہنگا یہ سوٹ لیا تم نے اوپر سے اس کی سلائی پر ہی تم نے 1500 لگا دیئے اب تھوڑا 19'20 کا فرق آ گیا ہے تو چلتا ہے اتنا تو۔'' صبا کو اس کے اس رویے سے چڑ سی تھی۔ وہ بے دریغ پیسہ خرچ کرتی تھی اور ذرا بھی نقص نکل آتا تو خیر سے وہ چیز ناک کے نیچے نہ آتی تھی۔ اوپر سے وہ انتہائی slective تھی۔ ہر چیز اس کو منفرد چاہیے ہوتی جو شہر میں کیا دنیا میں ملنا ہی نایاب ہوتا تھا۔

''بس نہیں پہننا۔ تمہیں پسند ہے تو پہن لو۔'' وہ غصے سے بولی اور ٹھپ ٹھپ کرتی چلی گئی۔ صبا نے تاسف سے سر ہلایا۔

''امی جی مجھے کبھی کبھی اپیا کی حرکتوں سے ڈر لگتا ہے کہ وہ زندگی کیسے گزاریں گی۔ اس طرح وہ اپنی زندگی کو خود اجیرن بنا لیں گی۔'' وہ سوٹ کو تہہ کرتے ہوئے بولی۔

''بیٹا بس ذرا مزاج کی تیز ہے۔ تم دھیان نہ دو ایسا کرو تم تینوں میں سے جس کو آنا ہو وہ پہن لے میں اسے اور لے دوں گی۔ سوٹ تو بالکل نیا ہے ناں۔'' وہ دقت سے مسکرائیں اور پھر کام میں مصروف ہو گئیں۔

''صبا' ضحیٰ سے 6 ماہ چھوٹی تھی۔ اس کی نیچر میں اور ضحیٰ کی نیچر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ صبا نرم مزاج' سگھڑ اور ریزرو Reserve قسم کی لڑکی تھی اور ضحیٰ بالکل متضاد تھی۔ دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں۔ اب بھی ضحیٰ نے کالج کے ایک فنکشن کے لیے کپڑے بنوائے تھے جو اس کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے۔

ملک غیاث اپنے سب ہی بچوں کی پرورش پر خصوصی توجہ دے رہے تھے اور اس کام میں ان کی بیگم پیش پیش تھیں۔ وہ ضحیٰ کی وجہ سے اکثر اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کر جاتے تھے۔ سب سے پہلے صبا کی خواہش پوری ہوتی تھی۔ شروع میں یہ بات تو ان کے اپنے بچوں نے بھی محسوس کی تھی اور دبے الفاظ میں اپنی ماں روبینہ بیگم سے بھی شکایت کی تھی۔

''ملک صاحب میں نے دیکھا ہے کہ آپ ضحیٰ کو سب پر ترجیح دیتے ہیں خاص کر صبا پر۔'' مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

''میں جانتا ہوں روبینہ' مگر میں پرائی بچی کے معاملے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کو لے کر کوئی کوتاہی نہ ہو جائے مجھ سے۔ اوپر سے وہ مزاج کی بھی گرم ہے۔'' ملک صاحب نے رسان سے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے میں سمجھتی ہوں' مگر یوں بات بے بات اس کی بے جا حمایت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ اس کی جائز' ناجائز ساری باتیں مانتے ہیں اس طرح تو وہ اپنی ہر بات منوانا اپنی عادت بنا لے گی۔ لڑکی ہے۔ پرایا دھن ہے کل کو اگلے گھر جائے گی تو وہ خود تو پریشان ہو گی ہی اور ساتھ میں ہمیں بھی کرے گی۔'' روبینہ بیگم فکر مندی سے بولیں۔

''ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ مگر اب کیا کیا جائے۔ سعید اور حمیرا نے اس کے ساتھ جو سلوک روا رکھا تھا اس

Digitized by Google

کے بعد میں نے اس کی محرومی کو ختم کرنے کے لیے اسے کچھ زیادہ ہی پیار دیا کہ اس کی تشنگی باقی نہ رہے۔ لگتا ہے کہ یہ پیار نے ہی اسے اپنی ہر بات منوانے کا اختیار دے دیا ہے۔' وہ بھی پریشانی سے بولے۔

''ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہے'' آپ اس کو پیار کریں یہ اس کا حق ہے بس اس کی جائز باتیں مانیں۔ ناجائز ہرگز نہ مانیں۔ اگر ضرورت ہو تو سختی کریں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے 17 کی ہے۔ اور ابھی بھی وہ اپنی چھوٹی موٹی باتوں کو لے کر ضدی بن جاتی ہے۔ اور غصہ' وہ تو جیسے ناک پر ہی دھرا رہتا ہے' ذرا جو مزاج کے خلاف بات ہوئی غصہ آ گیا۔ لڑکی ذات کو اس قسم کا رویہ زیب نہیں دیتا میں بھی کوشش کروں گی اور آپ بھی کوشش کریں۔'' وہ بڑے تحمل سے سمجھا رہی تھیں۔

''ہوں ٹھیک ہے۔'' ملک صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

☆.....☆

''ارے یہ سہیل بھائی نہیں آئے ابھی تک۔'' وہ کب سے دائیں سے بائیں پریڈ لگا رہی تھی۔

''ہائے بچی کیوں جلے پیر کی بلی بنی ہوئی ہو۔'' دادی نے اسے یوں چکر لگاتے دیکھا تو اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے بولیں۔

''دادی آج اپیا اور صبا باجی کا رزلٹ آ رہا ہے ناں۔'' عبدالرحیم جو کالج جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''اچھا جبھی تو کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو رہی ہے یہ لڑکی۔'' وہ بڑبڑائیں۔

''بیٹھ جاؤ اپیا تم دیکھو میں بھی تو ریلیکس ہوں ناں۔'' صبا اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی

''مجھے تمہیں دیکھ کر اور زیادہ ٹینشن ہو رہی ہے۔ پتہ ہے تمہیں۔'' وہ رک کر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''کیوں؟'' وہ معصوم سی شکل بنا کر بولی۔

''رزلٹ ہم دونوں کا ہی آ رہا ہے۔ بھلے تمہارا آرٹس کا اور میرا سائنس کا' مگر رزلٹ تو رزلٹ ہے۔ اور مجھے اتنی شدید ٹینشن ہو رہی ہے۔ اور تم اتنی ہی ریلیکس ہو مجھے تو یہ ہی سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ تم اتنا ریلیکس کیسے ہو سکتی ہو؟۔

''بھئی ٹینشن لینے والی بات نہیں ہے جو کیا ہے ویسا رزلٹ آ جائے گا۔ کیوں امی جی''؟۔ وہ روبینہ بیگم سے بولی جو دادی کو چائے دے رہی تھیں۔

''ہاں بیٹا تم اتنی ٹینشن نہ لو۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیٹیوں کا رزلٹ بہت اچھا آئے گا کیونکہ تم دونوں نے اپنی اپنی جگہ پوری محنت کی ہے۔'' وہ صبا کو کاندھے سے تھام کر بٹھاتے ہوئے بولیں۔

''امی جی میں تو جا رہا ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے۔ سہیل بھائی تو پتہ نہیں کب آئیں۔'' عبدالرحیم دروازے کی طرف بڑھا۔

''او کے بہنوں! Best of luck واپس آ کر مٹھائی کھاؤں گا اور جس کے نمبر زیادہ آئے' آج رات کا 'ٹریٹ' اس کی طرف سے۔'' وہ مسکرا کر چلا گیا۔

''ہائے اللہ تائی امی میرے پیٹ میں کچھ ہو رہا ہے'' وہ معصومیت سے انہیں دیکھ کر بولی۔ تو وہ ہنس دیں۔

تبھی سہیل اندر آیا۔ جیسے ہی دونوں کی نظریں پڑیں وہ فوراً سے اٹھ کر دوڑی۔ ''اتنی دیر لگا دی بھائی۔'' ضحیٰ

Digitized by Google

رزلٹ سننے کو بے تاب تھی۔

''تو اور کیا اتنا رش جو تھا وہ صوفے پر دھنستے ہوئے بولا۔ ''رزلٹ بتائیں۔'' وہ بے تاب تھی۔

''پہلے پانی پلاؤ۔'' وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

''صبا جاؤ تم پانی لاؤ۔'' وہ صبا سے بولی۔

صبا نے سر ہلایا اور کچن کی طرف بڑھی۔

''اب بتا بھی چکیں۔'' اسے بے چینی ہو رہی تھی اور سہیل تھا جو اسکی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''بھائی پانی!'' اتنے میں صبا پانی لے آئی۔

اس نے تسلی سے پانی پیا۔ ''پہلے کس کا بتاؤں؟'' وہ دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔

''میرا۔'' ضحیٰ جھٹ سے بولی۔

''ٹھیک ہے تو صبا میں تمہیں پہلے بتا دیتا ہوں۔'' وہ شرارت سے صبا سے مخاطب ہوا۔

''صبا کے 915 نمبر آئے ہیں۔'' وہ خوشی سے بولا۔

اللہ تیرا شکر ہے۔ صبا نے خوشی سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

''امی جی! دادی میرے 915 نمبر ہیں۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''مبارک ہو بیٹا تمہیں۔'' دادی نے دور سے اپنی تسبیح کے دانے گراتے ہوئے کہا۔

''اب میرا بھی بتا دیں میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔'' ضحیٰ بولی۔

''تو ضحیٰ بی بی کیا یاد رکھیں گی آپ کے نمبر بتائے دیتے ہیں۔ وہ شرارت سے ہنسا۔

''خواتین اور خواتین۔'' وہ زور سے بولا۔

''ضحیٰ سعید کے 'ایف۔ ایس۔ سی (پری انجینئرنگ) میں 940 نمبرز ہیں۔''

''کیا!'' وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

''سچ کہہ رہے ہیں بھائی۔؟''

''ہاں بھئی بالکل سچ۔'' وہ ہنسا۔

''ہائے اللہ مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے۔'' وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔

''مبارک ہو اپیا۔'' صبا فرط مسرت سے بڑھی اور اسے گلے لگا لیا۔

''تمہیں بھی مبارک ہو۔ آرٹس میں یہ نمبرز کمال کے ہوتے ہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''مبارک ہو بیٹا۔ روبینہ نے پہلے ضحیٰ اور پھر صبا کو گلے لگایا۔

''شکریہ تائی امی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

''چلو لڑکیوں اب ذرا جا کر شکرانے کے نوافل پڑھو۔ ماشاءاللہ آج تم لوگوں نے انٹر کر لیا ہے۔'' دادی نے دونوں کو بوسہ دیا اور ساتھ ہدایت دی۔ دونوں کے اتنے اچھے نمبرز سے پاس ہونے کی خوشی میں روبینہ بیگم نے گھر میں چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کیا تھا تاکہ سیلیبریٹ کر سکیں۔

رات کو کھانے کی میز پر غیاث صاحب نے پوچھا۔ تو اب کون سی انجینئرنگ کرنے کا ارادہ ہے بیٹے کا۔

''نہیں تایا ابو۔ میں انجینئرنگ نہیں کروں گی۔'' وہ مزے سے کباب کھاتے ہوئے بولی۔

Digitized by Google

''کیوں؟'' سبھی کو حیرت ہوئی۔

''بھئی اتنے اعلیٰ مارکس ہیں تمہارے، تمہیں تو کسی بھی انجینئرنگ ٹیکنالوجی میں ایڈمیشن مل جائے گا۔'' سہیل نے پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ خود بھی انجینئرنگ کے تیسرے سال میں تھا۔

''بس میرا موڈ نہیں ہے۔'' وہ کاندھے اچکا کر بولی۔

''تو پھر کیا کریں گی اپیا۔؟'' عبدالرحیم متجسس ہوا۔

''ہوں اچھا سوال ہے۔'' وہ مسکرائی۔

عبدالرحیم نے جھک کر داد وصول کی۔ سبھی مسکرا دیئے۔

''اپیا بتائیں ناں۔'' صوفی بھی ایکسائیٹڈ تھی۔

''میں Maths میں B.S.C کروں گی Double Maths کے ساتھ۔''

''Maths کے ساتھ؟ وہ بھی ڈبل۔ اف اللہ.....'' صوفی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ کیونکہ اسے Maths سے چڑ تھی۔

''ہوں! اچھا سوچا ہے اپیا تم نے۔'' صبا نے تائید کی۔

''ہے ناں! تمہیں تو پتہ ہے ناں کہ میتھس میرا فیورٹ subject ہے بس۔ میں نے سوچا اسی میں کچھ کرلیا جائے۔'' وہ خوشی سے بولی۔ ''آپ کا کیا خیال ہے تایا ابو۔'' وہ ملک صاحب کی رائے لینے کی غرض سے ان سے بولی۔

''ہوں جو آپ کا دل کرے پڑھو میری طرف سے کسی بھی بچے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے صبا بیٹے۔'' وہ اب صبا کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ابو جی ابھی سوچا نہیں ہے۔'' وہ مسکرا دی۔

''چلو جو تمہیں سب سے بہتر لگے وہ پڑھنا۔ ٹھیک ہے'' وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھے۔

''جی ابو جی!'' وہ فرمانبرداری سے بولی۔

وقت آہستہ آہستہ اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔ سہیل کی انجینئرنگ مکمل ہوگئی تھی۔ اب روبینہ بیگم کا ارادہ اس کے سر پر سہرا سجانے کا تھا۔ ایک موقع پا کر انہوں نے اسے گھیر لیا۔ ''سہیل اب میرا دل کرتا ہے کہ میری بہو آجائے۔ وہ اس سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

''اچھا جی؟ وہ مسکرا کر بولا۔ آپ عبدالرحیم کی شادی کروانے والی ہیں۔'' وہ ہنسی دباتے ہوئے بولا شادی کا نام سن کر صوفی جو T.V دیکھ رہی تھی اس کے کان کھڑے ہوگئے۔

گھر میں سہیل، دادی، روبینہ بیگم اور صوفی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ملک صاحب آفس گئے ہوئے تھے۔ صبا، ضحیٰ اور عبدالرحیم یونیورسٹی گئے تھے صوفی کے پیپرز ختم ہوگئے تھے اس لیے وہ گھر پر تھی جبکہ زارا اسکول گئی ہوئی تھی۔

''دیکھو سہیل میں مذاق نہیں کر رہی۔'' وہ برہم ہوئیں۔ اگر کوئی لڑکی ہے تو بتاؤ ورنہ میں خود اپنی مرضی سے لے آؤں گی۔

''امی میں نے ابھی آگے پڑھنا ہے۔'' اس کا کمزور سا احتجاج ہوا۔

URDU TUBE
www.urdutube.com
Digitized by Google

''میں نے پڑھنے سے کب روکا ہے تمہیں ہاں۔ٹھیک ہے شادی نہ کرو لیکن منگنی وغیرہ تو میں کرا کے ہی رہوں گی۔''

''امی اتنی جلدی کیا ہے؟'' وہ صوفے پر پھیلتے ہوئے بولا۔

''بس میرا دل کرتا ہے کہ اب اس گھر میں کوئی خوشی ہو۔'' وہ مسرت سے بولیں۔

''چلو جی.....خوشی کے لیے آپ میری قربانی دے دیں گی۔'' وہ معصوم سی شکل بنا کر بولا تو روبینہ اور صوفی کو ہنسی آ گئی۔

''مذاق میں مت ٹالو۔'' انہوں نے ایک دھپ اس کی کمر میں لگائی۔ ''کوئی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں خود ڈھونڈ لوں گی۔'' وہ تنبیہہ کر کے بولیں۔

''امی جی بھائی سے کیا پوچھ رہی ہیں' ہم سے پوچھیے.....'' صوفی جواب تک خاموش تھی میدان میں کودی۔ سہیل نے اسے گھورا۔ مگر وہ خاطر میں لائے بغیر روبینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''اچھا جی کوئی ہے یاں۔؟ وہ دبی دبی مسکراہٹ سے سہیل کو دیکھ کر بولی۔

''امی یہ تو بس ایسے ہی۔'' وہ کھسیانہ ہو کر ہنس دیا۔

''تو رک صوفی۔'' وہ اٹھنے لگا تو روبینہ بیگم نے اسے بٹھا لیا۔

''صوفی بتا کون ہے وہ؟'' وہ اب ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

'ہائے امی وہ ہماری جاننے والی ہے جسے نہ جانے کب سے بھائی نے اپنا دل رینٹ پر دیا ہوا ہے۔'' وہ 70 کی فلموں کی ہیروئنوں کی طرح بولی۔

URDU TUBE

''اچھا یعنی معاملہ سیریس ہے۔'' روبینہ بیگم بھی شرارت پر آمادہ تھیں۔

''امی جی''..... سہیل کو یوں اپنا تواکتے دیکھ کر شرم آ گئی۔

''چلو اب نام بھی بتا دو اس کا' آج ہی بہو بنا لوں گی میں۔'' وہ صوفی سے بولیں۔

''بھائی بتا دوں.....؟ وہ سہیل کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''جہاں اتنا بکی ہو وہاں نام بھی بول دو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''ہوں تو امی جی بھائی صاحب کی اجازت سے میں آپ کو آپ کی مستقبل کی بہو کا نام بتانے جا رہی ہوں۔'' وہ فوجی جرنیلوں کی نقل اتار کر بولی۔

''ہوں تو اس کا نام ہے.....صبی سعید۔''

'بھائی غلط نام تو نہیں لیا میں نے۔'' وہ فوراً پلٹ کر بولی۔

''نہیں بیگم صاحبہ بالکل ٹھیک نام لیا ہے تم نے۔'' وہ اسے کشن مار کر بولا۔

''واقعی.....'' روبینہ بیگم کو حیرانی ہوئی۔ بھئی ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا اور ہماری ناک کے نیچے ہماری اولاد دل لگائے بیٹھی تھی۔

''امی جی.....'' سہیل نے ماں کے کاندھے پر سر رکھ دیا شرم سے۔

''آگ دونوں طرف برابر لگی ہے کہ بس اسی طرف الاؤ بھڑک رہے ہیں۔'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔

Digitized by Google

''امی جی یہ تو میرے دل کا معاملہ ہے۔اس کے دل میں کیا ہے مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں ہے۔'' وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

''ویسے یہ ہوا کب سے ہے؟'' وہ شرارت سے بولیں۔

''مجھے نہیں معلوم امی جی.....'' وہ کاندھے اچکا کر بولا۔''بس جب سے شعور آیا ہے تب سے وہ اچھی لگتی ہے اس کا غصہ' اس کا پیار' اس کی ہنسی مجھے سب اچھا لگتا ہے۔''

''اوئے ہوئے جی' کیا بات ہے جناب کی۔'' صوفی نے پیچھے سے آ کر اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے اور اپنا چہرہ اس کے سر پر ٹکا دیا۔''امی جی میں تو سہیل بھائی کو آپ کا سب سے شرمیلا بچہ سمجھتی تھی مگر یہ تو اندر سے بڑے چھپے رستم نکلے۔کیا بات ہے بھائی جی..... لگے رہو۔'' وہ اس کے کان میں بولی۔

وہ ہنس دیا۔

''تو تمہارے ابو اور دادی سے بات کروں؟'' وہ بولیں۔

''ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔تو انہوں نے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

☆.....☆

''وہ لڑکا کون تھا؟'' صبا نے ضحیٰ سے بس پر چڑھتے ہی سوال کیا۔

''کون؟'' ضحیٰ نے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

''ارے وہی جو کتنے دنوں سے تمہارے پیچھے آتے دیکھ رہی ہوں۔'' صبا نے کہا۔

''اچھا میں نے غور نہیں کیا۔'' وہ لاعلمی سے بولی۔''کل یاد دلانا' کل دیکھوں گی۔'' وہ بولی۔

''صبا کا ڈیپارٹمنٹ ضحیٰ سے پہلے تھا۔اور یونیورسٹی کی بس کا اسٹاپ صبا کے ڈیپارٹمنٹ کے قریب تھا' چونکہ وہ اکٹھی آتی تھیں۔لہٰذا صبا جلدی پہنچ کر ضحیٰ کا انتظار کرتی تھی۔

اگلے دن صبا نے ضحیٰ کو یاد دلایا۔تو ضحیٰ نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ کا ہی لڑکا تھا جیسے ہی اس کی نظر اس پر پڑی اس کے اعصاب تن گئے۔''اچھا تو یہ ہے۔ضحیٰ بڑبڑائی۔'' وہ لڑکا چلتا ہوا اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ضحیٰ کی نظر پڑی تو مسکرا دیا۔

''کون ہے؟'' صبا نے سرگوشی کی۔

''ارے ہے میرے ڈیپارٹمنٹ کا' کافی دنوں سے پیچھے پڑا ہوا ہے پہلے تو میں صرف اگنور کر رہی تھی۔مگر اب لگتا ہے ٹھیک کرنا پڑے گا۔''

''صبا پریشان ہو گئی۔ابو جی کو بتاتے ہیں۔'' وہ فوراً بولی۔صبا' ضحیٰ کی نسبت ڈرپوک تھی۔

''ارے رہنے دو تایا ابو کو کیوں پریشان کرتی ہو۔اس کو تو میں خود دیکھ لوں گی کل تمہیں یہ نظر نہیں آئے گا۔'' وہ بے فکری سے بولی۔

''چلو بس آ گئی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی اور پلٹ کر اس لڑکے کو دیکھا جواب بھی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اور واقعی اگلے دن صبا کو وہ لڑکا نظر نہیں آیا تھا۔''کیا کیا اپیا تم نے اس کے ساتھ۔'' صبا متفکر تھی۔

''دماغ ٹھیک کیا اور کیا کرنا تھا۔'' وہ ناک سے مکھی اڑا کر بولی۔آج کل کے لڑکے اپنا دل ہتھیلی پر لئے

Digitized by Google

پھرتے ہیں' سب کے سامنے میں نے اسے دو باتیں سنائیں تو دیکھو آج کیا اب وہ کبھی نظر نہیں آئے گا۔ وہ فخر سے اپنا کارنامہ بتا کر اسے دیکھ کر ہنس دی جہاں صبا کا رنگ متغیر تھا۔

☆.....☆

رات کو روبینہ بیگم نے سہیل کی موجودگی میں ملک صاحب اور اپنی ساس سے بات کی۔ دونوں ہی یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

''بھئی برخوردار آپ تو چھپے رستم نکلے۔'' ملک صاحب نے ہنس کر سہیل کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

وہ جھینپ کے مسکرا دیا۔

''سچ امّاں میری تو دلی خواہش تھی کہ ضحیٰ سدا میرے گھر میں رہے۔'' غیاث صاحب سچ میں اپنے بیٹے کے فیصلے سے خوش تھے۔ صبا چائے کی ٹرے کے ساتھ اندر آئی تو بولی۔

''واہ ابو جی! آپ تو بہت خوش لگ رہے ہیں خیریت؟'' وہ ٹرے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں بیٹا جی بات تو خوشی کی ہی ہے۔'' وہ کپ تھام کر بولے۔

''کیا بات ہے بھئی ہمیں بھی تو پتہ چلے۔'' وہ دادی کی طرف بڑھی۔

''ہم نے سہیل اور ضحیٰ کی شادی کی بات کی ہے۔'' ملک صاحب سے پہلے ہی دلشاد بیگم بول پڑیں۔

''کیا! صبا کو شاک لگا۔

''بھائی اور اپیا؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

''ہاں بھئی اور کون''؟ دادی خفگی سے بولیں۔ سہیل کی پسند ہے ضحیٰ' اور دادی اور ابو کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ روبینہ بیگم بولیں۔

''کسی نے اپیا سے پوچھا ہے کہ اسے اعتراض ہے یا نہیں۔'' صبا نے خطرے کے پیش نظر کہا۔

''لو بھلا اسے کیوں اعتراض ہوگا۔ میرا بیٹا ہر لحاظ سے قابل ہے۔ اور وہ اس گھر میں ہی رہے گی اسے اور کیا چاہیے۔'' روبینہ بیگم قدرے خفگی سے بولیں۔

''پھر بھی امی جی آپ کو ان کا پتہ تو ہے کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی رائے لے لیں۔'' وہ صوفے پر سہیل کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پریشانی سے بولی۔

''ارے رہنے دو بی۔ ابھی ہمارے دیدوں میں پانی خشک نہیں ہوا ہے کہ بیٹیوں کی مرضی جانتے پھریں۔'' دادی نے قدرے خفگی سے کہا۔

''امّاں' صبا کہہ تو ٹھیک رہی ہے ہمیں بات کر لینی چاہیے۔'' ملک صاحب نے صبا کی حمایت کی۔

سہیل بس بحث سے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کبھی ایک کو دیکھتا اور کبھی دوسرے کو۔

''تم اللہ کا نام لے کر کوئی رسم وغیرہ کی تیاری کرو مجھے یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔'' دادی نے بڑے مان سے کہا۔ ان کو اتنا پر اعتماد دیکھ کر سارے خاموش ہو گئے۔

☆.....☆

گھر میں سبھی کو پتہ چلا ماسوائے ضحیٰ کے۔

''امی جی۔ آپ کو پتہ ہے کہ اپیا کی برتھ ڈے آ رہی ہے۔'' زارا نے لاؤنج میں بیٹھی روبینہ بیگم سے کہا۔

Digitized by Google

''اچھا! کب؟'' وہ حیرانگی سے بولیں۔
''اس ہفتے.....'' زارا نے مسکرا کر کہا۔
''تو.....؟'' روبینہ بیگم نے پوچھا۔
''تو یہ کہ ہم سب کیوں نا انہیں سرپرائز دیں۔'' زارا آنکھیں مٹکاتی ہوئی بولی۔
''کیسا سرپرائز؟ عبدالرحیم نے گفتگو میں حصہ لیا جو ابھی باہر سے آیا تھا۔ ''صبا باجی چائے پلا دو۔'' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے صبا کو کچن میں آواز لگائی۔
''اچھا لا رہی ہوں۔'' صبا نے کچن سے جھانکا۔ دادی بھی عصر پڑھ کر لاؤنج میں آ کر اپنے مخصوص تخت پر بیٹھ گئیں اور تسبیح کرنے لگیں۔
''بیٹا دادی بھی آ گئی ہیں ان کے لیے بھی لاؤ۔'' روبینہ بیگم نے پھر صبا کو آواز دی۔
''زارا تم کسی سرپرائز کی بات کر رہی تھیں۔'' عبدالرحیم نے زارا کو T.V میں مصروف دیکھا تو بولا۔
''بھائی میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیوں نا برتھ ڈے والے دن ہی بھائی اور اپیا کی منگنی کر دیں اور انہیں سرپرائز بھی دیں۔''
''کیا خیال ہے دادی؟'' وہ دلشاد بیگم کی طرف مڑ کر بولی۔ انہوں نے مسکرا کر سر کو ہلا جنبش دے کر منظوری دی۔ ''ہوں۔ آئیڈیا تو اچھا ہے۔'' عبدالرحیم نے پرسوچ لہجے میں کہا۔
''اچھا نہیں 'اعلیٰ' ہے۔ جیو بہنا۔'' صوفی بھی کاج سے آ گئی اور زارا کو کمر پر تھپ دے کر داد دی۔
''Thank you صوفی باجی۔'' زارا مسکرا دی۔
''کیوں نا امی چھوٹا سا فنکشن رکھ لیں' سالگرہ کی سالگرہ اور منگنی کی منگنی۔'' وہ بیگ کو ٹیبل پر رکھ کر بولی۔
''ہاں ٹھیک ہے میں تمہارے ابو جی سے بات کرتی ہوں۔'' روبینہ بیگم ٹرے میں سے کپ پکڑتے ہوئے بولیں' جو صبا لے کر آئی تھی۔
''امی جی! مگر میرا خیال ہے کہ اپیا کے کان میں یہ بات ڈال دیں' یہ نا ہو کہ عین وقت پر بدمزگی ہو جائے۔'' صبا کو اب بھی تشویش تھی۔
''رہنے دو باجی..... بھلا پھر سرپرائز کیا رہے گا۔'' عبدالرحیم نے ٹوکا۔ ''تو اور کیا۔'' صوفی نے بھی ساتھ دیا۔
''ویسے وہ ہے کہاں؟ زارا نے صحن کو ناپا کر سوال کیا۔
''دوست کی طرف گئی ہے کہہ رہی تھی کہ نوٹس لانے ہیں۔'' روبینہ بیگم نے چائے کی چسکی لی۔
''ارے تم لوگ فکر نہ کرو مجھے پورا یقین ہے کہ میری بچی انکار نہیں کرے گی۔'' دلشاد بیگم نے دعا مانگ کر چائے کا کپ تھاما اور بڑے ناز سے بولیں۔
''پھر بھی دادی.....'' صبا ان کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئی۔
''رہنے دو بیٹا ایک تو تم فکر بڑی کرتی ہو۔'' دادی نے ٹوکا۔ وہ خاموش ہو گئی مگر خطرے کی گھنٹی سے بہت قریب سے سنائی دے رہی تھی۔
''اچھا اماں آپ نے سعید بھائی سے بات کی آخر کو وہ اس کے باپ ہیں۔'' روبینہ بیگم اپنی ساس کی طرف

Digitized by Google

متوجہ ہوئیں۔

''ارے رہنے دو بہو۔ بڑا باپ ہے بچی کو اتنے سال پوچھا نہیں۔ عید کے دن فون کرنے سے کوئی باپ نہیں کہلاتا اور اسے آج تک فکر ہوئی ہے بے چاری بچی کی۔ کہ کیا زکرتی ہے۔ کتنا پڑھ گئی ہے۔ کتنی بڑی ہوگئی ہے۔ ہاں بتاؤ مجھے۔'' وہ خفگی سے الثاان سے سوال کرنے لگیں۔

''آپ کی سب باتیں بجا ہیں امّاں' مگر باپ کا حق تو باپ کا حق ہی ہے ناں۔'' جو بھی ہو یہ ضحیٰ کے لیے بہت بڑا فیصلہ ہے۔'' وہ انہیں سمجھاتے ہوئے بولیں۔ ''کل کلاں آ کر الزام نہ دھر دیں کہ میری بیٹی کی شادی میری مرضی کے بغیر کر دی۔''

''ہوں کہتی تو ٹھیک ہو تم۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔ ''آنے دو غیاث کو میں کرتی ہوں بات۔''

☆.....☆

رات کو سب کے کھانے کے بعد دادی' روبینہ بیگم اور غیاث صاحب میں لمبی میٹنگ ہوئی تھی۔

''امّاں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' میں ابھی بات کرتا ہوں سعید سے آخر کو بیٹی کا باپ ہے۔'' انہوں نے دادی کی بات سن کر فون اٹھایا۔ بہت مختصر سی بات ہوئی دونوں میں' جس کی طرف دادی اور روبینہ بیگم بھی متوجہ تھے۔

''امّاں۔'' غیاث صاحب مسرت سے دلشاد بیگم سے گویا ہوئے۔ ''امّاں' سعید نے ہر فیصلے کا اختیار مجھے دے دیا ہے۔ کہتا ہے 'ضحیٰ آپ کی بیٹی ہے جو بہتر سمجھیں' کریں۔'' انہیں کوئی اعتراض نہیں۔

''مجھے پتہ ہے وہ ایسا ہی کہے گا۔'' دلشاد بیگم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''آخر کو میرا ہی بیٹا ہے میں نے ہی جنا ہے اسے۔ وہ ہمیشہ سے ذمہ داریوں سے بھاگنے والا شخص رہا ہے اور اب بھی اس نے یہ ہی کہا ہے۔'' انہوں نے تاسف سے کہا۔

''چلو خیر یہ خانہ پری بھی ہوگئی۔ خدانخواستہ کل کلاں کو کچھ ہو جائے تو کم از کم ہم پر الزام دھرنے کی ہمت تو نہیں کرے گا ناں۔'' دلشاد بیگم اٹھتے ہوئے بولیں۔

''بس اب تم تیاری رکھو آگے جو اللہ کو منظور۔'' وہ مسکرا کر اپنے کمرے میں چل دیں۔

''چلو یہ تو اچھا ہو گیا۔'' روبینہ بیگم خوشی سے ملک صاحب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''ہوں.....اچھا ہو گیا خدا کا شکر ہے۔'' انہوں نے شکر ادا کیا۔

''اچھا ایک بات بتاؤں آپ کو؟ وہ ایکسائیٹڈ ہو کر بولیں۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' ملک صاحب مجسم ہوئے۔

''سب بچوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ضحیٰ کو اس کی برتھ ڈے پر سرپرائز دیں گے اور چھوٹا سا فنکشن کر کے منگنی بھی کر دیں گے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟'' وہ جوش سے بولیں۔

''واہ یہ تو کمال کر دیا بچوں نے مجھے تو تجویز بہت عمدہ لگی ہے۔'' وہ بھی خوش ہوئے۔

''ہوں تو بس ٹھیک ہے۔ ہم اپنے قریبی رشتہ داروں کو مدعو کریں گیا در رسم ادا کر دیں گے۔'' روبینہ بیگم نے کہا جس پر اتفاق کرتے ہوئے ملک صاحب نے سر ہلایا۔

ضحیٰ محسوس کر رہی تھی جیسے گھر میں کوئی کھچڑی پک رہی ہے۔ گھر کی نئے سرے سے صفائیاں ہو رہی تھیں۔

Digitized by Google

سارے لوگ آپس میں کھسر پھسر کر رہے ہوتے اور جیسے ہی وہ آتی سارے خاموش ہو جاتے۔

ایک دن اس نے صوفی کو دھر لیا۔

''صوفی سچی بتاؤ گھر میں کیا چل رہا ہے۔'' وہ پوری طرح متوجہ تھی۔

''کیا؟؟ صوفی نے بلا کی حیرانگی سے کہا۔'' کچھ بھی..... جو مجھے نہیں پتہ۔ ہاں۔'' اسے الجھن ہونے لگی۔

''آپ کو وہم ہو رہا ہے۔'' صوفی نے اپنی ہنسی ضبط کی۔ ''ایسا کچھ نہیں ہو رہا جو آپ کو نہ پتہ ہو۔ اگر ہو بھی رہا ہوتا تو آپ کو پتہ ہی چل جائے گا ناں۔'' وہ مسکرا کر چل دی جبکہ وہ الجھی رہ گئی۔ ''شاید میرا وہم ہی ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

''اپیا کل آپ کی برتھ ڈے ہے ناں؟'' ڈارا نے رات کو ڈائننگ ٹیبل پر اسے بتایا۔

''ہونہہ..... آتی تو ہر سال ہے مگر اس سال کچھ اسپیشل نہ کریں۔'' وہ بلا کی معصومیت سے بولی۔ جبکہ سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی۔

''کیا اسپیشل؟'' وہ کاندھے اچکا کر بولی۔

''چلیں آپ رہنے دیں ہم خود کچھ نہ کچھ پلاننگ کر لیں گے۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''O.K۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ گئی۔

''کیا یاد رکھیں گی اپیا ہم آپ کو اب تک کا سب سے قیمتی تحفہ دیں گے..... کیوں سہیل بھائی.....'' صوفی نے کہنی سہیل کو ماری اور سب ہنس دیئے۔

☆.....☆

آج اتفاق سے ویک اینڈ تھا اور سبھی گھر پر تھے۔ وہ نیچے اتری تو ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے اپیا۔'' صبا نے خوش دلی سے گلے لگایا۔ ''تھینکس!'' وہ مسکرا دی۔

''آج یہ اتنی تیاری کیوں بھئی میرا برتھ ڈے تو ہر سال آتا ہے۔'' اس نے نگاہ گھر پر ڈالی جس کو ہلکے پھلکے طریقے سے سجایا جا رہا تھا۔

''بس ایسے ہی آج ہم سب کا دل کیا تو اپنی پیاری اپیا کے لئے کر دیا۔'' عبدالرحیم نے اسے کاندھے سے تھاما اور ساتھ ہی 'وش' کہا۔ جسے مسکرا کر ضحیٰ نے قبول کیا۔

''ضحیٰ بیٹے۔'' رو بینہ بیگم نے اسے آواز دی۔

''آئی تائی امی۔'' وہ کہہ کر ان کے کمرے کی طرف بڑھی۔

''انہوں نے پہلے اس کا ماتھا چوم کر مبارک باد دی جیسے وہ ہر سال دیتی آئی تھیں' پھر اپنے پاس بٹھا لیا۔'' یہ لو آج شام میں یہ سوٹ پہننا۔'' انہوں نے ڈارک براؤن اسے تھمایا۔ جس پر نگوں کا خوبصورت کام تھا۔

''کیوں تائی امی شام کو کیا کچھ خاص ہے''؟ وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں..... کچھ ہے۔'' انہوں نے سرگوشی کی۔

''او کے۔'' وہ کاندھے اچکا کر اٹھ گئی۔

شام میں آہستہ آہستہ مہمانوں کا تانتا بندھ گیا۔ صبح ہی سے وہ کچھ الجھی سے تھی کیونکہ پہلے کبھی اس کی برتھ ڈے پر اس طرح لوگ نہیں آئے تھے بلکہ وہ سب' گھر میں سیلیبریٹ کرتے آئے تھے۔ شام کو تیار ہو کر نیچے

Digitized by Google

آئی اور سب سے ملی۔ مہمانوں میں ملک غیاث کچھ بہت عزیز دوست اور کچھ روبینہ کے میکے کے رشتہ دار تھے۔
غیاث صاحب نے ضحیٰ کو کیک کاٹنے کے لیے بلایا اور ساتھ ہی سہیل بھی آ گیا۔ غیاث صاحب نے اسے پیار کیا پھر ساتھ لگا کر بولے۔
''خواتین وحضرات۔!
میں آپ سبھی کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ سب یہاں تشریف لائے آج نہ صرف میری بیٹی کی سالگرہ ہے ''وہ ضحیٰ کو دیکھ کر مسکرائے'' بلکہ آج ہم نے اس کے لیے بہت اہم فیصلہ بھی کیا ہے۔'' ضحیٰ کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور پہلی بار اس کے دل کو کچھ ہوا۔
سبھی لوگ متوجہ تھے۔ ضحیٰ نے سر گھما کر سب پر نظر ڈالی۔ اس کے بالکل ساتھ دوسری طرف دادی کھڑی تھیں اور باقی سب گھر والے بھی تھے اور سامنے سارے مہمان تھے۔
''آج اس خوشی کے موقع پر میں سہیل اور ضحیٰ کی منگنی کا علان کرتا ہوں۔'' غیاث صاحب نے کہا۔
ضحیٰ کو شاک لگا۔
سبھی نے تالیاں بجائیں..... تالیوں کی گونج سے وہ شاک سے نکلی۔
''What?'' وہ اتنا زور سے بولی کہ ایک دم جامد خاموشی چھا گئی۔
''یہ کیا کہہ رہے ہیں تایا ابو؟'' وہ حیرانگی سے بولی۔
''یہی تھا سرپرائز اپیا۔'' عبدالرحیم شوخ آواز میں بولا۔
''سرپرائز''.....؟ اس نے مڑ کر عبدالرحیم کو گھورا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور دبا دبا غصہ تھا۔
''اتنا بڑا فیصلہ کر لیا میری زندگی کے بارے میں اور کسی نے مجھ سے پوچھنا گوارا نہیں کیا۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔ دلشاد بیگم کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ لوگوں میں چہ مگوئیاں شروع ہوئیں۔
''ارے بیٹا یہ تو میں نے ہی کہا تھا کہ تمہیں نہ بتائیں اور مواسرپرائز دیں ورنہ یہ سب تو تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' انہوں نے بات سنبھالنے کی کوشش کی اور مسکرا کر سب کو دیکھ کر بولیں۔
''دادی آپ نے.....'' اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔
''چلو اب تو پتہ چل گیا ناں..... اب تو سب ٹھیک ہے ناں۔'' وہ مسکرا دیں۔
وہ خاموش ہو گئی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دماغ نے جیسے کام کرنا ہی بند کر دیا۔
سب کے چہروں پر سنجیدگی طاری تھی۔
''چلو اب جلدی سے یہ کیک کاٹو اور پھر منگنی کی رسم بھی ادا کرنی ہے۔'' غیاث صاحب نے مسکرا کر کہا تھا۔
''I am sorry تایا ابو، میں یہ منگنی نہیں کر سکتی۔'' آخر کار اس نے فیصلہ کیا۔
''اب کے سب کو شاک لگا۔ سہیل جس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے بہت سے دیپ روشن تھے وہاں پر اب سناٹا چھا گیا تھا۔
''کیوں بیٹا کیا سہیل میں کوئی برائی ہے۔'' آخر کار انہوں نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔
''نہیں تایا ابو کوئی برائی نہیں ہیں وہ بہت اچھے ہیں۔''
''تو پھر''.....؟ اس پر روبینہ بیگم بولیں جن کے چہرے پر اب غصہ تھا۔ اتنے لوگوں کے درمیان وہ لڑکی

Digitized by Google

ان کی عزت کا خیال کرے بغیر ہمیشہ کی طرح اپنی من مانی کر رہی تھی۔

''بس میرا دل نہیں کرتا۔ میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی ہوں۔ کوئی اور میری زندگی کے فیصلے کرے' یہ مجھے بالکل منظور نہیں ہے۔''

الفاظ تھے کہ خنجر جو سیدھے غیاث صاحب کے دل میں اتر گئے۔ ''کوئی اور''.....؟ ان کے لب بڑبڑائے۔

''سہیل بھائی بہت اچھے ہیں مگر وہ میرے آئیڈیل ہرگز نہیں ہیں۔'' اس نے نظر اٹھا کر سامنے بت بنے سہیل کو دیکھا۔ اور پھر ایک نظر سب پر ڈالی۔ سب ہی گھر والوں کو بہت بری طرح شاک لگا تھا۔ سبھی کے چہرے تاسف زدہ تھے' کچھ دوسروں کے کانوں میں کچھ کہہ رہے تھے۔

ضحیٰ نے سر جھکایا۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا اور بولی۔ ''مجھے معاف کر دیجیے گا تایا ابو۔ مگر میرے لیے اپنی زندگی کا 'ہم سفر' بہت اہم معاملہ ہے اور میں چاہوں گی کہ۔ وہ ہم سفر میں اپنے لیے خود چنوں نہ کہ دوسرے میرے لیے تلاش کریں۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ چل دی۔ اور غیاث صاحب کا سر شرمندگی کے باعث جھک گیا سب ابھی سکتے کی حالت میں ہی کھڑے کہ سرگوشیوں کی آوازوں نے سب کو متوجہ کر لیا۔ سہیل کا شرمندگی اور غصے کے مارے رنگ سخت متغیر تھا اس نے ایک نظر سب پر ڈالی اور صدر دروازہ عبور کر گیا۔ باقی سب گھر والے الگ اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھے۔

کمرے میں آتے ہی اس نے گہرا سانس لیا۔ شرمندگی نے گھیرنا چاہا تو ضد سامنے دیوار بن گئی۔ ''میں جو کیا وہ ٹھیک کیا۔'' اس نے دوپٹہ بیڈ پر پھینکا اور شیشے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ڈارک براؤن سوٹ میں اس کا رنگ دمک رہا تھا۔ سب نے مجھے سمجھا کیا ہے؟ اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور سوچا کہ مجھے سرپرائز دیں گے۔'' وہ ہنکاری'' مائی گاڈ'' اس نے زمین پر پیر پٹخا۔ میں ایک سوٹ لینا ہو تو پوری مارکیٹ چھان مارتی ہوں اور یہاں تو زندگی بھر کا ساتھی تھا میں کیسے مان لیتی۔ اچھا ہے کہ میں کمزور نہیں پڑی ورنہ شاید دباؤ میں آ کر غلط فیصلہ کر دیتی۔'' اس نے سر جھٹکا اور اپنے اندر اٹھنے والی شرمندگی کو دبا دبا کر سلا دیا۔

☆.....☆

رات کو لاؤنج میں سب بیٹھے تھے۔ اتنے لوگوں میں بھی سناٹے کا راج تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی فوت ہو گیا ہو۔

''سہیل آ گیا کیا''؟ ملک صاحب کی مردہ سی آواز ابھری۔

''نہیں میرا بچہ ابھی تک نہیں لوٹا'' روبینہ بیگم نے آنسو پونچھے۔

''اپیا نے اچھا نہیں کیا۔'' عبدالرحیم دبے دبے غصے سے بولا۔

''تو اور کیا ذرا جو کسی کا دل رکھنا آتا ہو انہیں۔ اپنے علاوہ تو باقی سب کو مردہ دل اور خواہشات سے عاری سمجھتی ہیں۔'' زارا بھی ہنکاری۔

''کتنی سبکی ہوئی سب کے سامنے۔ رد' کو دیکھا تھا کیسے کرید کرید کر سوال کر رہی تھی۔'' صوفی نے افسوس سے اپنے ماموں زاد کے بارے میں کہا۔

''ہوں۔'' روبینہ بیگم نے بمشکل آنسو روکے۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ ایک دفعہ پھر پوچھ لیں۔'' صبا پھر انہیں یاد دہانی کرائی۔

Digitized by Google

''یہ سب میری غلطی کا نتیجہ ہے۔ مجھے بڑا مان تھا ضحیٰ پر کہ وہ میری خواہش کا احترام کرے گی' مگر اس نے مجھے زمانے بھر کے سامنے رسوا کر دیا۔'' دادی پھر رو پڑیں۔ اب بھی ذرا شرم نہیں کہ نیچے آ کر اپنے رویے کی معافی مانگے۔'' انہوں نے ایک نظر اس کے کمرے کے بند دروازے پر ڈالی اور پھر رو پڑیں۔ ''مجھے معاف کر دو تم سب لوگ۔'' انہوں نے ہاتھ جوڑے جو صبا نے بڑھ کر دادی کے ہاتھ تھام لیے۔ ''بس کریں دادی جان آپ کی بھلا کیا غلطی' غلطی جس نے کی ہے جب اسے ہی نہ افسوس ہو' نہ شرم تو ہم کیا کریں۔'' وہ انہیں ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔

''اچھا نہیں کیا ضحیٰ نے میرے بچے کے ساتھ۔ کتنے پیار اور مان سے میرے بیٹے نے خواہش کی تھی مگر اس نے میرے بیٹے کا دل توڑ دیا۔ میں بھی معاف نہیں کروں گی اس کو۔'' روبینہ بیگم ایک بار پھر رو دیں۔ یہ پہلا واقعہ تھا جب سب کے دلوں میں اس کے لیے گرہ پڑ گئی تھی۔

☆.....☆

اس دن کے بعد سے کسی نے بھی اسے مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔ سب نے اسے اگنور کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جہاں ہوتی وہاں سے سارے سرک جاتے۔ گھر کا ماحول کافی کشیدہ تھا۔

اس نے بھی کسی کو صفائی دینا ضروری نہ سمجھا تھا۔ یہاں تک کہ تایا ابو کو' جن کو وہ بہت پیار کرتی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

''ہاں آ جاؤ۔'' ملک صاحب نے آواز دی۔

''ابو جی آپ جاگ رہے ہیں۔'' سہیل داخل ہوا۔

''ہاں ہاں بیٹا آؤ۔'' وہ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور مسکرا دیئے۔

سہیل کافی بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔

''ابھی تک روگ لگائے ہوئے بیٹا۔'' انہوں نے ہلکے سے اس کے کاندھے پر دباؤ ڈالا اور مسکرا دیئے۔

اس نے شکایتی نگاہ ڈالی۔ ''ابو جی آپ اسے فورس کیوں نہیں کرتے؟''

''بیٹا فورس کرنے سے کیا ہوگا الٹا وہ اور باغی ہو جائے گی اور شاید کوئی بڑا قدم اٹھا لے۔ تم نے ایک ہفتے سے اس کا رویہ نہیں دیکھا' اس نے بالکل بھی اپنی صفائی دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حتیٰ کہ مجھے بھی کچھ نہیں بتایا مجھے لگا تھا کہ کوئی سمجھے نہ سمجھے' میں اس کی نفسیات سمجھتا ہوں۔ مگر اس دن معلوم ہوا کہ میں کتنا غلط سمجھ رہا تھا۔ وہ میرے لیے اب یکسر انجان ہے۔'' انہوں نے عینک اتار کر ہاتھ میں پکڑی۔

''پھر بھی ابو جی! کیا آپ میرے لیے دوبارہ اس سے بات نہیں کریں گے؟'' وہ ایک بار پھر حسرت سے بولا۔

''بیٹا' بات وہاں کی جاتی ہے جہاں بن جانے کا چانس ہو۔ مگر یہاں۔۔ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔''

''ابو جی! آپ ہمیشہ اپنی سگی اولاد سے زیادہ اسے فوقیت دیتے رہے ہیں اور آپ اب بھی یہ ہی کہہ رہے ہیں۔ آپ کو میری خواہش سے زیادہ اس کے مزاج کی پرواہ ہے۔'' وہ پس مردگی سے بولا اور اٹھ گیا۔

''سہیل رکو۔ تو'' وہ اسے روکتے ہی رہ گئے۔

Digitized by Google

دروازے پر وہ روبینہ بیگم سے ٹکرا گیا۔ دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ ان کے بغل سے ہوتا ہوا نکل گیا۔ روبینہ بیگم کے دل میں اس کے لیے ایک اور گرہ پڑ گئی۔

☆.....☆

ایک مہینے بعد ہی سہیل نے دھماکہ کیا کہ وہ باہر جا رہا ہے۔

''ارے بیٹا۔ یوں اچانک ہی۔'' دادی اماں کا دل دہل گیا۔

''بس دادی موقع ملا تو میں نے سوچا کہ چانس مس نہیں کرنا چاہیے' ویسے بھی یہاں میرے لیے کچھ نہیں ہے اور گھر کے ماحول میں کافی گھٹن بھری ہوئی ہے۔ میرا دل گھبراتا یہاں' اس نے سیڑھیاں اترتی ضحیٰ کو دیکھ کر قدرے بلند آواز میں کہا۔ لمحے بھر کو تو اس قدم رکے پھر سر مار کر وہ نکل گئی۔

''میری بلا سے چاہے جہنم میں جائیں۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تو سامنے صوفی کو پایا جس کے چہرے کی ناگواری بتا رہی تھی کہ اس نے ضحیٰ کی بات سن لی ہو۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس زور سے کاؤنٹر پر مارا اور ایک غصیلی نگاہ ضحیٰ پر ڈال کر نکل گئی۔

''ہونہہ نا..... سارے مجھے ہی اکڑ دکھاتے ہیں۔'' اس نے ہنکارا اور فریج کھولنے لگی۔

''مگر بھائی جان آپ اس طرح جا رہے ہیں اتنی جلدی اچانک' صبا بھی پریشان ہوئی۔ ابھی چند دن پہلے تو کچھ نہیں تھا' پھر یوں؟''

''بس صبا یار' وہ بولا' چانس اچھا ملا ہے سوچا چلا جاؤں۔'' وہ دادی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور وہ اس کے بال سہلانے لگیں۔ ''میرا پیارا بیٹا۔'' انہوں بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

''امی آپ تو رونا بند کریں یار۔'' عبدالرحیم نے ماں کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا جو مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔

''بھائی باہر اسٹڈی کے لیے جا رہا ہے' کوئی محاذِ جنگ پر تو نہیں جا رہا جو آپ یوں رو رہی ہیں۔'' وہ ماحول کو ہلکا بنانے کے لیے بولا۔

''یہ سب اس ضحیٰ کی وجہ سے ہوا جس کی وجہ سے میرا بیٹا مجھے چھوڑ کر سات سمندر پار جا رہا ہے۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔ ''میں کبھی معاف نہیں کروں گی اسے۔''

ضحیٰ کو کچن میں آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں غصے کے مارے اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور اس کا رنگ لال ہو رہا تھا۔

☆.....☆

سہیل کے جانے کے بعد گھر میں ایک بار پھر خاموشی سی چھا گئی تھی۔ سارے آہستہ آہستہ مصروف ہو گئے تھے البتہ ضحیٰ کے ساتھ ان سب کا رویہ برقرار تھا۔ اس طرح اگنور کیے جانے پر وہ اندر ہی اندر کھولتی رہتی تھی مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

بہار کے دن تھے شام میں اچانک شمال کی جانب سے کالے بادل سرک آئے اور سارے آسمان پر چھا گئے ساتھ ہی تیز تیز بارش برسنے لگی تھی۔ وہ سو کر اٹھی تو بارش ہو رہی تھی وہ خوشی سے پاگل ہو گئی جلدی جلدی چپل پہنی دوپٹہ اوڑھا اور جلدی سے نیچے اتری۔ کچن سے پکوڑوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلی تو گارڈن میں صوفی' زارا اور عبدالرحیم نہا رہے تھے۔

Digitized by Google

''آؤ نہ صبا باجی تم کیا بڈھوں کی طرح یوں شیڈ کے نیچے کھڑی ہو۔'' صوفی بار بار صبا کو بلا رہی تھی۔
''نا۔۔جی میں تو نیچے نہا رہی ہوں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ چند قدم اور پیچھے سرک گئی۔ چلو بھائی اس بال سے کھیلتے ہیں۔'' زارا ایک بڑا بال اٹھا لائی۔
ضحیٰ بھی گارڈن میں آ گئی اور خوشی سے بولی میں بھی کھیلوں گی۔
سب نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ وہ ان تینوں کی طرف متوجہ تھی۔
''زارا میرا تو بالکل موڈ نہیں ہے۔ اس لیے میں جا رہا ہوں۔'' عبدالرحیم نے کہا اور کرنکل گیا۔
''میں بھی چلوں امی کے ساتھ کچن میں کام کرنا ہے مجھے۔'' صوفی بھی کہہ کر نکل گئی۔
''چلو زارا ہم دونوں کھیلتے ہیں۔'' ضحیٰ آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ سے بال لے لیا۔
''سوری اپیا مجھے یاد آیا کہ میرا ابھی تو ایک ٹیسٹ ہے مجھے وہ بھی prepare کرنا ہے۔'' زارا کاندھے اچکا کر نکل گئی اس طرح اپنے اگنور کرنے پر اس کے آنسو نکل آئے۔ دور سے صبا نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور افسوس کر کے وہ بھی اندر چلی گئی۔
بارش اب بھی تیزی سے برس رہی تھی۔ وہ سب اس بارش سے کتنا لطف اندوز ہوئے تھے۔ سب مل کر اس کے کتنے نخرے اٹھاتے تھے۔ بار بار وہ چیٹنگ کر کے پوائنٹس زیادہ لیتی تھی اور سارے احتجاج کرنے کے بعد اس کی جیت تسلیم کر لیتے تھے۔ مگر اب حالات مختلف تھے۔ اب اس نے سب کو ناراض کر دیا تھا اور اب وہ تنہا بارش میں کھڑی تھی۔

☆.....☆

سمسٹر آف ہو چکا تھا گھر کے کاموں سے اسے ذرا دلچسپی نہیں تھی اور کوئی اسے کچھ کرنے کو کہتا بھی نہیں تھا۔ گھر میں بیٹھی بیٹھی وہ بور ہو گئی تو ایک دن اس نے کالج جانے کا پروگرام بنا لیا اور صبح صبح تیار ہو کر نیچے آئی۔
زارا کالج جانے کے لیے تیار تھی اور روبینہ بیگم اس کے لیے ناشتہ بنا کر لا رہی تھیں جب ضحیٰ کو تیار دیکھا۔ انہوں اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر زارا سے بولیں۔ ''بیٹا ناشتہ کرو پھر تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر دوبارہ کچن میں چلی گئیں۔
''کہاں کی تیاری ہے بی بی۔'' دادی تسبیح کے دانے پھیرتے ہوئے پوچھا۔
''زارا کے ساتھ کالج جانے کی۔'' وہ ان کے لہجے کو یکسر نظر انداز کر کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی اور پاس پڑی باسکٹ میں سے سیب نکالا اور کھانے لگی۔
''میرے کالج؟'' زارا کو جھٹکا لگا۔
''ہاں بھئی تمہارے کالج، بھئی میرا بھی تو وہی کالج تھا ناں۔'' وہ اسے یاد دلاتے ہوئے بولی۔
''ہوں۔'' وہ دوبارہ ناشتہ میں مصروف ہو گئی۔
''چلو زارا۔'' روبینہ بیگم چادر لے آئیں۔
''رہنے دیں تائی امی میں جا رہی ہوں زارا کے ساتھ۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔
انہوں نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا اور سر جھٹک کر دوبارہ اندر چلی گئیں اور اسے مخاطب کرنا ضروری نہ سمجھا جیسا کہ وہ پچھلے 4 ماہ سے کرتی آ رہی تھیں۔

Digitized by Google

''چلو زارا۔ضحیٰ نے جلدی سے اپنے آپ کو نارمل کیا اور نکل گئی جبکہ زارا دادی کے آگے پیار لینے کو جھکی تھی۔
اسٹاپ پر پہنچ کر اس نے گھڑی دیکھی۔''کب تک آئے گی وین؟''
''7.15 پر۔''مختصر سا جواب ملا۔
''تو ابھی تو دس منٹ پڑے ہیں۔''وہ مسکرائی اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔سڑک سنسان تھی اِکا دُکا گاڑی کچھ دیر کے بعد گزر جاتی تھی۔
''السلام علیکم۔''اسے آواز سنائی دی۔
''وعلیکم السلام۔''وہ مڑی۔
''زارا یہ تمہارے ساتھ ہیں۔''لڑکی نے زارا سے پوچھا۔
''ہاں!اس نے سر ہلایا۔
''ہائے میں مریم ہوں اس کی کلاس میٹ۔''وہ ہاتھ بڑھا کر بولی۔
''اور میں اس کی کزن۔''اس نے بھی ہاتھ ملایا۔مریم سے ہوتے ہوئے اس کی نظر پیچھے کھڑے لڑکے پر پڑی۔گولڈن براؤن بال جو بکھرے ہوئے تھے۔سوئی سوئی سی آنکھیں اور سلیپنگ ڈریس میں وہ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا۔لڑکا بھی شاید اس کی طرف متوجہ تھا۔دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو مسکرا دیئے۔
مریم نے ضحیٰ کی طرف متوجہ پایا تو بولی۔
''اوہ میں نے تعارف نہیں کرایا۔یہ بھائی ہیں میرے خرم۔''
خرم نے سر کو جنبش دی۔
''خرم.....''ضحیٰ نے زیرِ لب دہرایا۔
چلو وین آ گئی۔زارا کی آواز پر وہ سحر سے نکلی اور بڑھ کر وین میں بیٹھ گئی۔

☆.....☆

لاؤنج میں کب سے فون بج رہا تھا مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔تیسری دفعہ فون جب دوبارہ بجا تو چاروناچار وہ ہی اٹھ کر آئی۔
''ہیلو۔''مری ہوئی آواز میں بولی۔
''آپ ضحیٰ ہیں؟فون کرنے والے نے مخاطب کیا۔
''جی''!اس نے بے زاری سے کہا۔فون کرنے والے نے ریسیور کسی اور کو تھما دیا۔
''ہیلو ضحیٰ۔''اس بار آواز مردانہ تھی۔
''جی!اس نے حیرت سے فون کو دیکھا۔مانا کہ وہ سو کر اٹھ کر آئی تھی نیند کا خمار بھی تھا مگر یہ کیا آواز زنانہ سے مردانہ ہو گئی تھی!
''میں خرم بات کر رہا ہوں۔''
اس کی نیند پل بھر میں اڑن چھو ہو گئی۔
''خرم۔''اس نے یقین کرنا چاہا۔
''خرم!مریم کے بھائی ناں۔''وہ حیرت در حیرت میں تھی۔

Digitized by Google

''جی.....شکر ہے کہ میں آپ کو اب تک یاد ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔'' ورنہ اس دن کے بعد تو آپ آئی ہی نہیں میں نے کتنے دن تک ویٹ کیا بالآخر مجبور ہو کر میں نے ہی فون کرایا مریم سے۔'' وہ بے تابی سے بولا۔

ضحیٰ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اوہ.....'' اس نے لمبا سا اوہ کہا۔

''آپ کو میرا انتظار کیوں تھا؟ کوئی کام تھا مجھ سے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی مگر دل میں عجب ہلچل کا سماں تھا۔

''جی بہت سے کام تھے آپ سے' مگر وہ میں آپ کو مل کر بتانا چاہتا ہوں۔'' وہ نہایت ادب سے بولا۔

''ایسے کیا کام ہو گئے آپ کو خرم صاحب کہ آپ کو ملنا ہی مقصود ہے'' وہ لب ولہجہ سنجیدہ رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی حالت اس کی بھی جدا نہیں تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ خرم کے سحر میں گرفتار تھی۔ مگر چاہتی کہ پہل وہ کرے کیونکہ اس نے خرم کی آنکھوں میں پسندیدگی کے رنگ دیکھے تھے۔

''میں نے کہا نا مل کر بتاؤں گا تو کل آپ آ رہی ہیں نا۔ زارا کے ساتھ کالج میں آپ کو وہاں سے پک کر لوں گا۔'' وہ خود ہی منصوبے بنا کر بولا۔

''دیکھوں گی۔'' وہ کاندھے اچکا کر بولی۔ مگر مسکراہٹ اب بھی بھرپور تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور آئیں گی۔ میں انتظار کروں گا۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور فون رکھ دیا۔ ضحیٰ نے مسکرا کر ایک بار پھر ریسیور کو دیکھا اور رکھ کر کمرے میں چلی گئی۔

اگلی صبح وہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ فیروزی اور پنک کمبینیشن سوٹ اور ہائی ہیل وہ جاذب نظر لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں کاجل ڈالا اور ہونٹوں پر لپ گلوز لگا کر ایک نظر آئینے میں اپنے سراپے پر ڈالی۔ کمرے میں کھٹ پٹ کی آواز سے صبا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ایک نظر سامنے مصروف ضحیٰ اور دوسری گھڑی پر ڈالی۔

''اپیا صبح 7.00 بجے کہاں جا رہی ہو تم؟'' وہ آنکھیں بمشکل کھول سکی۔ ''میں زارا کے ساتھ کالج جا رہی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر بیگ میں چیزیں رکھتے ہوئے کہا۔

''کالج؟ ابھی چند دن پہلے ہی تو گئی تھیں۔'' اسے حیرت ہوئی۔

''آہاں.....'' وہ تھوڑا گڑبڑائی۔ ''وہ کیا ہے ناں تمہیں میری دوست یاد ہے ناں سنبل وہ یونیورسٹی سے ماسٹر کر رہی ہے۔ پچھلی دفعہ اس سے نہیں مل پائی تھی تو وہ ناراض ہو گئی ہے۔ بس اس سے ملنے جا رہی ہوں۔'' اس کے ذہن نے تیزی سے کام کیا۔

''ہوں.....اوکے.....'' صبا نے کہا اور دوبارہ بستر میں منہ دے دیا۔ ضحیٰ نے گہرا سانس لیا اور چل پڑی۔

ضحیٰ کو نک سک تیار دیکھ کر زارا نے کہا۔ ''آج بھی جانا ہے؟'' اس نے سر سے پاؤں تک ضحیٰ کا جائزہ لیا۔

''ہاں جانو آج بھی جانا ہے۔'' وہ اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے بولی۔ آج اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔

''اوکے دادی ہم چلتے ہیں۔ اس نے دور ہی سے دادی کو ہاتھ ہلایا جو تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں مگر زارا نے بڑھ کر دادی کا پیار لیا اور اسکے پیچھے آئی۔ پوائنٹ پر پہنچ کر وہ انتظار کرنے لگی۔ اسے عجیب سی بے چینی نے گھیرا ہوا تھا۔ دل کی دھڑکن بھی معمول پر نہیں تھی۔ وہ بار بار نگاہوں کو کبھی ایک سمت اور کبھی دوسری سمت گھماتی۔ زارا نے اس کی بے چینی نوٹ کی تو بولی۔ ''اپیا آپ ٹھیک تو ہو۔'' لہجے میں شک تھا۔

''ہاں ہاں بھئی ٹھیک ہوں۔'' وہ بمشکل مسکرائی اور کچھ ہی دیر میں انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور اسے خرم

Digitized by Google

اور مریم آتے دکھائی دیئے آج ساتھ میں ایک اور لڑکی بھی تھی۔

''السلام علیکم۔ مریم نے بڑھ کر خوش دلی سے سلام کیا۔ ضحیٰ نے نگاہ اٹھا کر خرم کو دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ آج وہ پچھلی دفعہ کے حلیے سے بہتر حالت میں تھا۔ بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ ڈریس پینٹ کے اوپر شرٹ پہنے وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ ضحیٰ بھی اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ ارے ضحیٰ ان سے ملیں یہ ہماری کزن ہیں ارم۔'' اس نے ساتھ آنے والی لڑکی کا تعارف کرایا۔

ضحیٰ نے اس لڑکی کو مسکرا دیکھا۔ مغرور سے نقوش کھلتا ہوا رنگ وہ لڑکی کالج کے یونیفارم میں بھی بیحد دلکش لگ رہی تھی۔

''ہیلو۔'' ضحیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''ہائے۔'' دوسری طرف مغرور سے انداز میں کہہ کر سر گھما لیا گیا۔

ضحیٰ تھوڑا پیچھے ہو کر کھڑی تھی جبکہ زارا مریم اور ارم اس سے چند قدم آگے آ گئے تھیں۔ مریم انہیں کالج کے فنکشن کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''مجھے یقین تھا آپ ضرور آئیں گی۔'' خرم نے موقع دیکھ کر قریب آ کر دھیرے سے مسکرا کر کہا۔ ضحیٰ سر جھکائے کھڑی تھی اس کی آواز پر ایک دم چونکی۔ دونوں کی آنکھیں ملیں تو اس نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔

''میں 11 بجے کالج کے گیٹ پر آپ کا انتظار کروں گا مجھے اس بار بھی یقین ہے کہ آپ وہاں بھی ضرور آئیں گی۔'' خرم نے کالج وین کو آتا دیکھا تو کہہ کر پلٹ گیا۔ ضحیٰ نے اس کی پشت پر نگاہ ڈالی اور مسکرا دی۔

☆.....☆

وہ ٹھیک 11 بجے کالج کے گیٹ پر موجود تھی۔ جسم ہلکے سے کانپ رہا تھا بار بار ہاتھوں میں پسینہ آ رہا تھا دل کی دھڑکنوں کی ترتیب ایک دم الٹ پلٹ تھی۔ حالانکہ وہ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی اور لڑکوں سے بہت بے باک ہو کر ڈیل کرتی تھی مگر نہ جانے کیوں آج اس کا ازلی confidence کہیں دور جا سویا تھا۔ دل میں عجیب چور تھا۔ بار بار وہ مڑ کر دیکھتی کہ کہیں کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا تھا۔ وہ اسی کشمکش کا شکار تھی جب سفید رنگ کی کرولا اس کے سامنے آ کر رکی۔ گاڑی کا دروازہ خرم نے کھولا۔

''آئیں ضحیٰ.....'' وہ مسکرا دیا۔

جھجکتے ہوئے وہ بیٹھ گئی۔

وہ اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ وہ قدرے پرسکون گوشے میں آ گئے تھے۔ ضحیٰ نے پہلی بار بار اس کا پھر پور جائزہ لیا۔ گولڈن براؤن بال۔ گورا رنگ مہنگے کپڑے زیب تن کیے وہ خاصا دلکش لگ رہا تھا۔ ضحیٰ نے کافی حد تک اپنے اعصاب پر قابو پا لیا تھا اور اب اس کا اعتماد لوٹنے لگا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ساتھ ہی اردگرد نظر دوڑائی۔ ریسٹورنٹ میں اکا دکا لوگ ہی تھے۔

''تو آپ کو مجھ سے کون سے کام تھے؟'' اب وہ خرم کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کام تو بہت تھے مگر آپ کو دیکھ کر ذہن کی تختی سے مٹ گئے ہیں۔'' وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ ضحیٰ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

(باقی قسط آئندہ ماہ کے دوشیزہ میں ملاحظہ فرمائیں)

URDU TUBE
Digitized by Google

مکمل ناول

بینا عالیہ

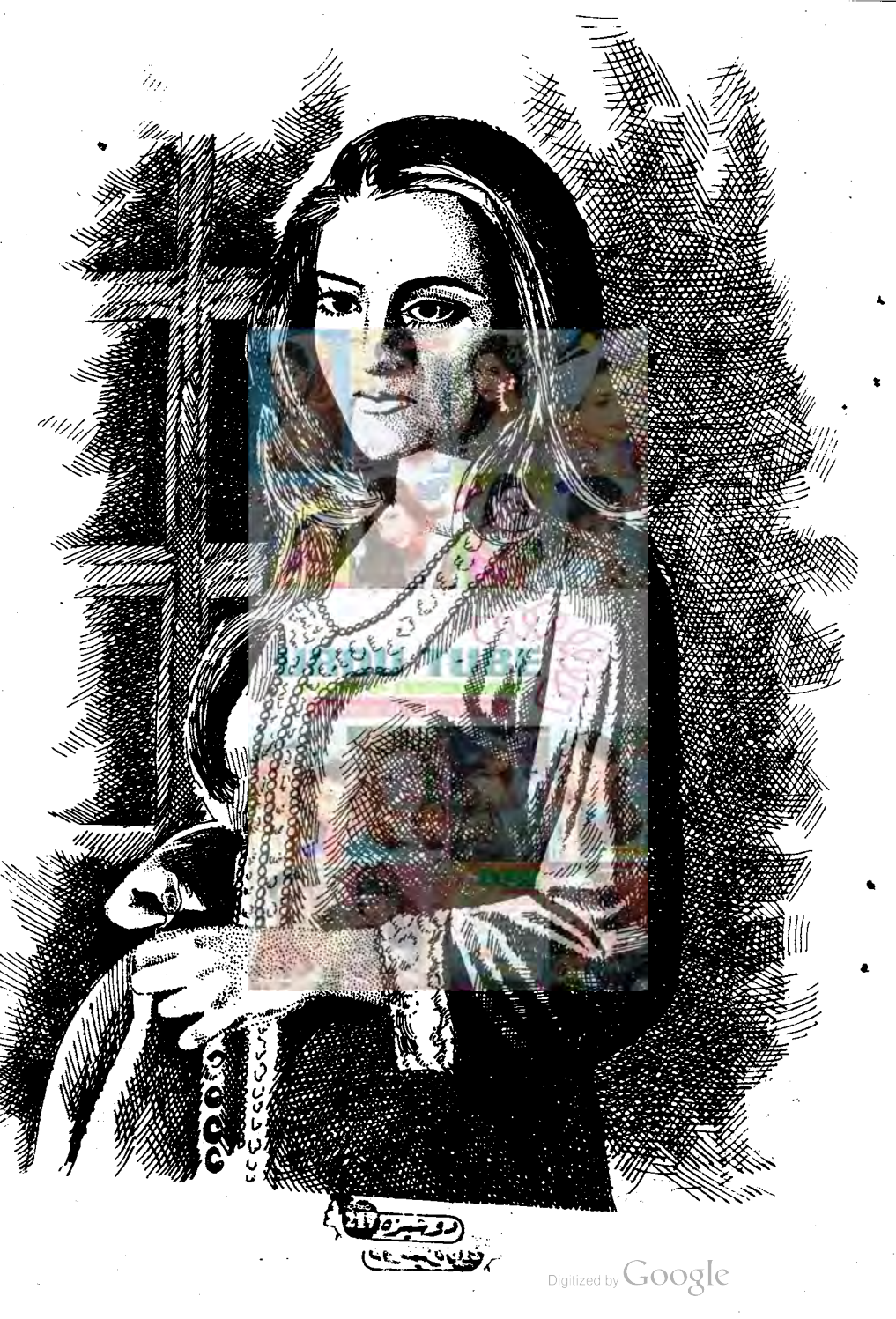
تیرے ماتھے پہ میرا مقدّر چمکا



وہ ایک شہزادے کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی مگر وہ شہزادہ اسے خاردار رستے پر گھسیٹ رہا تھا اور پھر.....

تم نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ تم اس ڈگر پر چل سکتی ہو؟ اپنے اللہ اپنے رسول کو ناراض کرنے چلی تھیں؟ سمجھتی تو خود کو بہترین مسلمان ہو ایسا ثابت کرنے کی ہمیشہ بھرپور کوشش بھی کرتیں رہیں کہ تم محمد مصطفیٰؐ کی اُمتی ہو۔ وہ تمہیں شر سے محفوظ رکھتے ہوئے خیر کی جانب ہی بڑھائیں گے۔ تمہارے اندر قرآن پاک اترا ہوا ہے۔ تم کبھی ڈگمگا نہیں سکتیں۔ تم نے ہمیشہ اپنی ویلیوز کو مقدم سمجھا پھر تمہاری روح ابلیس کے شکنجے میں کیسے اسیر ہوگی؟ اُس کی ہارٹ بیٹ تیز ہونے کے ساتھ سانسیں گلے میں پھندے کی مانند گرا ہیں لگا رہی تھیں۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ساکن تھیں۔ وہ محسوس کر رہی تھی۔ نوکیلے خاردار کانٹوں کی جھاڑی نے اُسے اپنے اندر لپیٹ لیا ہے۔ اُس کے روم روم میں کانٹے لحظہ لحظہ پروے جا رہے ہیں۔ یکبارگی اُس کی روح کی گہرائیوں سے صدا ابھری اے میرے مالک کل میری مدد فرما۔ اللہ اللہ۔ اُس کے نیم وا ہونٹ جنبش کھا رہے تھے۔ وہ ایک شدید جھٹکے کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئی یہ خواب تھا؟ وہ ٹھنڈے ہاتھ سے عرق ریز گال دبا رہی تھی۔ اس کی زبان سوکھ کر تالو سے لگ چکی تھی۔ اُس نے محسوس کیا اُس پر لرزہ طاری ہے اس نے بمشکل سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے پانی کا گلاس انگلیوں کی پوروں سے اپنے نزدیک کرنا چاہا لیکن وہ اٹھ نہ پائی۔ سامنے لگے وال کلاک پر اس کی نظر پڑی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اس کے سر میں شدید ٹیس اٹھی۔ سر کے دائیں جانب ہاتھ کی ہتھیلی مضبوطی سے جمائی تھی اس نے۔ میگرین کا اٹیک ہوا تھا اسے۔ اب وہ دوسرا ہاتھ سر کے

Digitized by Google



Digitized by Google

پیچھے بمشکل رکھے سر دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس دوران شدید درد نے اسے نڈھال کر دیا۔ سائیڈ دراز کھول کر اس نے میڈیسن نکالی۔ دوائی کھانے کے بعد اس نے دوبارہ لیٹنے کی کوشش کی اس کے سخت سے بھنچے ہونٹ کپکپائے میرے اللہ میری مدد فرما مجھے اس کرب سے نکالنے والا تو ہی ہے۔ اب وہ مزید قطعی اس بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی جو ہمیشہ اس کے دماغی تناؤ کی وجہ بنتا تھا۔ زندگی کی چند بھاری راتوں کی طرح یہ رات بھی بہت بوجھل تھی اس کے لیے میڈیسن کے زیر اثر خود کو بہتر محسوس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ نیند کی آغوش میں جا چکی تھی۔ (اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) یہ الفاظ سرگوشیوں میں اس کی سماعتوں میں اتر رہے تھے۔ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ کمرے میں اب بھی مدہم نیلی روشنی پھیلی تھی۔ اس نے بغور آواز کا تعاقب کیا۔ مسجد میں کوئی بچہ سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہا تھا چونکہ ان کے گھر اور مسجد کے درمیان ایک گلی تھی۔ اس کے کمرے کی کھڑکی سے مسجد کا صحن اور برآمدہ دکھائی دیتا تھا جبھی واضح آواز یہاں تک پہنچتی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ خود کو بہتر محسوس کر رہی تھی۔ وہ بچہ اب بھی اپنی خوش الحان آواز میں تلاوت کر رہا تھا۔ نوران سکندر آج تو فجر کی نماز پڑھ لو۔ رات کی تکلیف کے بعد اس تندرستی کے لیے خدا کا شکر ہی ادا کرلو سر جھکو ہو کر تکلیف میں تم پکار رہی تھیں' فریاد کر رہی تھیں۔ میرے اللہ میری مدد فرما۔ مجھے اس کرب سے نکالنے والا تو ہی ہے۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں ندامت سے۔ اللہ نے اس کی عرضی سن لی لیکن وہ اللہ کی یاد سے غافل تھی۔ مالک یوم الدین پانچ وقت دعوت دیتا ہے میرے بندو نماز کی طرف آؤ۔ فلاح کی جانب بڑھو' بامرادوں میں شمار کیے جاؤ گے' وہ بچہ صورت رحمٰن مکمل کر چکا تھا۔ اچانک بہت ساری اکٹھی آوازیں آ رہی تھیں' اب آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔

شاید لوگ نماز کی ادائیگی کے بعد واپس جا رہے تھے۔ وہ واش روم میں وضو کرنے چلی گئی۔

وہ زندگی کی جانب لوٹ رہی تھی۔ وہ مالی کے ساتھ مل کر پودوں کی کانٹ چھانٹ کر رہی تھی۔ چائے کا مگ اس کے ہاتھ میں جکڑا ہوا تھا ''عمر دراز یہ گلاب کے پھول بہت خوبصورت ہیں۔'' وہ ریڈ اور سفید گلابوں کے نزدیک آئی۔ چائے کا سپ بھرتے ہوئے پوٹینیل کو اس نے ہاتھ سے چھیڑا کیا۔

''نوران بی بی میں ان گلابوں کا خاص خیال رکھتا ہوں۔ ان کی خوشبو دیکھیں ان کے سائز پر غور کریں۔'' ''ہونہہ.....'' اس نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ گیٹ پر گاڑی کا ہارن ہوا۔ عمر دراز گیٹ کی جانب بڑھا اس نے گیٹ کھول دیا ایک آرمی جیپ گیٹ پر آ کر رک گئی۔ وہ مٹی سے ہاتھ جھاڑ کر دوپٹہ درست کرنے لگی۔ اس نے دیکھا عمر دراز جیپ سے اترنے والے شخص کو گرمجوشی سے سلام کر رہا تھا۔ نوراب ٹھنڈی ہو جانے والی بدمزہ چائے کے بڑے بڑے گھونٹ حلق سے اتار رہی تھی۔ وہ شخص اب بھی اپنی جیپ کے نزدیک کھڑا انکر نکر اس لاپرواہ لڑکی کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

یہ کون منہ لٹکائے آ گیا ہے یقیناً ابی جان کا کوئی ملنے والا ہوگا۔ اس اجنبی نے ہاتھ اسٹیئرنگ کی طرف لے جاتے ہوئے ہارن زور سے بجایا۔ وہ اپنی جگہ پر یونہی کھڑی رہی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے اس کے نزدیک آ گئے۔ چائے کا کپ بدستور اس کی دونوں ہتھیلیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ''ہیلو!'' وہ مسکرا کر

Digitized by Google

بولے۔ ''السلام علیکم جی'' اس کے چہرے کی بیزاری بتا رہی تھی کہ اس نے مجبوراً سلام کیا ہے۔ ''وعلیکم سلام'' پوری توجہ سے جواب دیا گیا۔ ''آپ کی تعریف۔'' نوران کا لہجہ بے تاثر تھا۔ ''محترمہ پہلے آپ اپنی تعریف تو بیان فرمائیں مابدولت نے آج سے پہلے آپ کو یہاں نہیں دیکھا'' مسٹر آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ میرا گھر ہے۔''

''اچھا اچھا آپ سکندر انکل کے گھر کی ملازمہ ہیں'' انہوں نے کن انکھیوں سے نوران کی طرف دیکھا ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ بدستور چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''میں سکندر علی کی بیٹی نوران سکندر ہوں۔''

''اوکے'' وہ پھر مسکرائے جبکہ نوران اب بھی انہیں تیکھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''شکل سے تو آپ میڈ ہی لگ رہی ہیں۔ صاحب لوگ تو ہمارے جیسے ہوتے ہیں۔'' انہوں نے انگشت شہادت کو اپنے سینے کی طرف کرتے ہوئے شرٹ کے کلف شدہ کالر کو ایک غرور بھرے انداز میں درست کیا۔ نوران کی پیشانی کی تیوریاں بڑھ گئیں۔

''ہیلو کیپٹن زریاب حسن ہاؤ آر یو ینگ مین'' سکندر علی گرمجوشی سے ان سے بغل گیر ہو رہے تھے ''میں خیریت سے ہوں انکل آپ ٹھیک ہیں؟''

''الحمدللہ بہت زبردست ہوں۔ کھڑے کیوں ہو بیٹھو ناں۔''

''کسی نے بیٹھنے کے لیے کہا ہی نہیں'' وہ نہایت آہستگی سے بولے ''یہ نوران ہے میری بیٹی''

''جی تعارف ہو چکا ہے'' انہوں نے کن انکھیوں سے نوران کو دیکھا اور بیٹھ گئے ''نورامی کو بتاؤ کیپٹن زریاب حسن آئے ہیں اور چائے یہیں بھجوادو''

''جی اچھا!''

رات ڈنر پر ابی جان اسے اور ولید سکندر کو بتا رہے تھے۔ زریاب حسن روٹین ایکسر سائز پر آیا ہے۔ اسلام آباد کے مضافاتی علاقہ جات میں ان کی بٹالین مشقیں بھی کرے گی۔ جی او آر میں ان کا قیام ہے کہہ رہا تھا کہ چکر لگاتا رہوں گا۔ زریاب کے والد کرنل حسن حیدر میرے لنگوٹیا یار ہیں۔ ہم نے بی ایس سی تک ساتھ پڑھا ہے سکندر علی کی باتیں خاموشی سے سنی جا رہی تھیں۔ کپتان ولید سکندر کی پوسٹنگ ان دنوں کھاریاں میں تھی وہ تقریباً ایک ماہ بعد پیرنٹس سے ملنے اسلام آباد آئے تھے۔ سکندر علی تعلق تو ملتان سے رکھتے تھے مگر وہ بچپن میں اپنے والدین کے ساتھ اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے ان کے والد گورنمنٹ سروس میں تھے اچھے وقتوں میں ایک کنال کا پلاٹ خرید کر اپنا گھر بنالیا تھا۔ ایم بی اے کے بعد سکندر کو ایک ملٹی نیشنل فرم میں جاب مل گئی تھی۔ بیوی بھی ساتھ دینے والی اللہ نے عطا کر دی تھی متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے سکندر علی نے زندگی آسانیوں میں گزاری۔ وہ قناعت پسند تھے زیادہ دولت کا کبھی طمع نہیں کیا ان کی بیوی سارا بھی کچھ ایسے ہی خصائل کی مالک تھیں اللہ پاک نے دونو نہال تابعدار نیک بچے بھی عطا کر دیے انہوں نے ہمیشہ بچوں کو قناعت، شکر گزاری اور ایمانداری کا درس دیا تھا۔ وہ بچوں سے اکثر کہتے اگر تم اللہ کے احکامات کی رسی مضبوطی سے تھام لو گے تو انشاء اللہ دونوں جہانوں میں سرخ رو ہو جاؤ گے۔ ہمارے خون کا ایک ایک قطرہ اللہ پاک کی نعمتوں کے بدلے مقروض ہے تمام عمر اگر ہم سر بسجود رہیں تب بھی اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کا شکر ادا

Digitized by Google

نہ کر پائیں۔

کئی دن گزر گئے کیپٹن زریاب حسن نے سیکٹر F-10 کا چکر نہیں لگایا۔ اس ویک اینڈ وہ اچانک آ گئے۔ رسمی گفتگو کے بعد وہ خود ہی بتانے لگے ''دراصل انکل آج کل ہمارا شیڈول ٹف جا رہا ہے ہمارے کرنل صاحب بہت سخت ہیں۔ صبح چار بجے سے ہمیں اٹھا دیا جاتا ہے پانچ بجے تک ہمیں مقررہ جگہ پر پہنچنا ہوتا ہے۔ کوشش کروں گا کہ ویک اینڈ آپ کے ساتھ گزاروں۔''

''ضرور بیٹا ہمیں خوشی ہوگی'' سکندر علی نے تائیدی انداز میں کہا۔ نوران ٹرالی گھسیٹتی لان میں آ گئی تھی۔ اس وقت وہ سفید چوڑی دار پاجامے میں میرون شرٹ اور میچنگ دوپٹے میں کھلی کھلی دکھائی دے رہی تھی۔ زریاب حسن نے سراہتی نظروں سے نوران کو دیکھا۔ کیپٹن زریاب جینز پر لائیٹ بلیو چیک وارٹی شرٹ میں خاصے مرعوب کن لگ رہے تھے فریش شیو نے لائیٹ گرے آمیزش ان کے چہرے پر بھر دی تھی ان کی شہد آ گیں آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے ایک خاص چمک عود آئی تھی نوران کو دیکھ کر اس نے چائے بنا کر کپ ابی جان اور کیپٹن زریاب حسن کے سامنے رکھ دیے تھے سینٹر ٹیبل پر اب وہ ان کے ہاتھ میں پلیٹ پکڑاتی اس میں نگٹس رکھ رہی تھی۔

''تھینک یو'' ان کے ہونٹوں کا گداز پن واہوا چائے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو جاری رہی پورا ویک اینڈ کیپٹن زریاب نے ان سب کے ساتھ گزارا تھا۔ ابی جان اور امی دوپہر کو آرام کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے تب نوران کو انہیں کمپنی دینی پڑی۔ مختلف ٹاپکز پر دونوں کے درمیان بحث و مباحثہ جاری رہا اب تو جب بھی کیپٹن زریاب حسن کو فرصت ملتی وہ F-10 پہنچ جاتے اپنے باس کرنل مصطفیٰ آفریدی سے اجازت لے کر آتے۔ اس روز بھی وہ سر سے اجازت لینے کی غرض سے آئے تھے ''ینگ مین جا سکتے ہو لیکن ڈنر سے پہلے واپسی ہونی چاہیے کیونکہ رات کو محفل جماتے ہوئے تم سے بانسری سنی ہے۔''

''سر میں جلدی آ جاؤں گا'' مسکرائے اور کرنل آفریدی کو بھرپور سیلوٹ کیا۔

ان دنوں نوران کے پہلے سمسٹر چل رہے تھے وہ اکنامکس میں ماسٹرز کر رہی تھی پہلے سال کا پہلا سمسٹر۔ اس سبجیکٹ کو اس نے جتنا ایزی لیا تھا ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اسے خاصا مشکل لگا تھا شروع شروع کے لیکچرز تو اسکے سر سے گزر جاتے۔ جب اس نے بھرپور توجہ دینی شروع کی کلاس میں سب سے زیادہ وہی سر سے سوالات کرتی اگر سمجھ میں نہ آتا تو دوبارہ کہہ دیتی ''سر پلیز ڈیٹیل سے اس کی ڈیفی نیشن کریں فرائی ڈے اس کا پہلا پیپر تھا وہ اپنا کمرہ بند کیے اسٹڈی میں مصروف تھی۔ کیپٹن زریاب حسن کو یہاں آئے بہت دن ہو گئے تھے اس دوران نوران سے ان کی خاصی دوستی ہو چکی تھی ان کا سینس آف ہیومر بہت شارپ تھا اپنی باتوں سے منٹوں میں مقابل کا موڈ اچھا کر دیتے ولید سکندر ان دنوں رسالپور ٹریننگ اکیڈمی میں تھے عنقریب انہیں پاسنگ آؤٹ پریڈ میں ڈگری ملنے والی تھی ان کی کارکردگی تسلی بخش تھی وہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ اعزازی شمشیر ون کرنے کی۔ گھر والوں کو اپنے لیے دعائیں کرنے کے لیے بار بار کہتے۔ ولید سکندر کی کیپٹن زریاب سے فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی وہ ولید کو مفید مشورے دیتے رہتے۔ اچھے گریڈز ہو جانے کی وجہ سے نوران بہت خوش تھی

Digitized by Google

فرصت کے لمحات خواب انجوائے کیے جارہے تھے کیپٹن زریاب نوران میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگے تھے اپنی سوچ کی ہر پگڈنڈی پر وہ انہیں براجمان ملتی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ لڑکی کب ان کے خیالوں کی دہلیز پر آن رکی تھی۔ وہ ان کی سوچوں کے زمردی ہنڈولوں میں محوِ سفر رہتی۔ یہ قربتیں' ان کے دل تک اس کی رسائی کیسے ممکن ہوئی وہ یکسر بے خبر لاعلم تھے۔ اب نوران کو نہ سوچنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ فون پر بھی دونوں کے درمیان بھی بات ہونے لگی تھی۔ کیپٹن زریاب جو لاجواب سخنِ کمال کے مالک تھے کبھی نوران پر اپنی پسندیدگی کا اظہار نہ کر سکے جبکہ ان دونوں میں خاصی انڈراسٹینڈنگ ہو چکی تھی۔ دونوں ہی آپس کے ایموشنز سے بخوبی واقف تھے۔ کیپٹن زریاب حسن کا کیریئر برائٹ تھا لیکن نوران ابھی اپنی تعلیم مکمل نہیں کر پائی تھی انہیں یقین تھا کہ وہ انہیں پسند کرتی ہے سولڈ پروف میں ہلکی ہلکی دراڑیں انہیں ضرور بے چین رکھتیں۔ جب نوران کا پراعتماد چہرہ دیکھتے تو تسلی کا احساس ان دراڑوں کو پر کر دیتا تھا۔ ہمیشہ وہ کیپٹن زریاب کو خصوصی اہمیت دیتی تھی نوران کے مقابل وہ خاصے شکیل و وجیہہ تھے جبکہ نوران گندمی رنگت کی چارمنگ لڑکی تھی اسے دیکھ کر پہلی نگاہ میں ایک سرسری تاثر ملتا لیکن کیپٹن زریاب حسن اسے سوچتے تھے اب وہ نوران کی ہلکی پھلکی تعریف بھی کرنے لگے تھے۔ اس ویک اینڈ زریاب حسن آئے ہوئے تھے۔ لاؤنج میں شام کی چائے پیتے ہوئے نوران کو اچانک میگرین کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ صوفے کی پشت سے لگتی چلی گئی۔ اس وقت دونوں ہتھیلیوں سے سر دبا رہی تھی۔ امی اس کی طرف بھاگیں۔ ابی جان نے چائے کا کپ ٹیبل پر پٹخا والدین اس پر جھکے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا نوران کو؟'' کیپٹن زریاب اس کے قریب آ گئے۔

''ارے کچھ عرصے سے میگرین کی تکلیف ہے۔'' ابی جان فکرمندی سے بولے۔

''نور اپنے کمرے میں چلو میڈیسن کھاؤ گی تو ابھی آرام آ جائے گا۔'' امی اسے سہارا دے کر اٹھا رہی تھیں۔ کیپٹن زریاب پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

''انکل نور کو یہ تکلیف کب سے ہے۔''

''چار ماہ سے اس تکلیف میں مبتلا ہے کئی ڈاکٹر زکو دکھا چکے ہیں عارضی طور پر ٹھیک ہو جاتی ہے لیکن اس تکلیف سے مکمل چھٹکارا نہیں پا سکی ہے شدید تکلیف میں چلی جاتی ہے'' سکندر علی پریشان تھے۔

''انکل میرے ماموں راولپنڈی سی ایم ایچ میں سرجن ہیں میں ان سے ٹائم لے لیتا ہوں کل نور کو ان کے پاس لے کر جائیں گے انشاءاللہ یہ مکمل طور پر ٹھیک ہو جائے گی'' کیپٹن زریاب سوچ رہے تھے اس کیفیت میں نروس بریک ڈاؤن کا خطرہ بھی ہو سکتا ہے اپنی دے اللہ بہتر کرے گا۔''

''سو گئی ہے؟'' سارا کو نزدیک آتے دیکھ کر سکندر علی گویا ہوئے۔ سارا نے اثبات میں سر ہلایا ان کے چہرے سے فکرمندی چھلک رہی تھی۔

''آنٹی آپ فکر نہیں کریں کل ہم اسے سی ایم ایچ لے کر جائیں گے۔''

☆.....☆

کرنل فاروق نے تفصیلی چیک اپ کیا تھا چند ٹیسٹ کروانے کو بھی کہا تھا انہوں نے پندرہ منٹ نوران سے الگ بھی بات کی تھی۔ وہ میگرین کی اصل وجہ کسی کو نہیں بتا سکی تھی نہ ہی اس نے کرنل

Digitized by Google

سرجن کو بتائی تھی اس کی تمام رپورٹس ٹھیک آئی تھیں ۔میگرین کے اٹیک کسی اچانک حادثے یا انہونی بات کے گزر جانے کا بعد کاری ایکشن اسے اس فیز میں دھکیل چکا تھا سرجن فاروق پراچہ نے تائید کی تھی۔

انہیں خوش رکھیں اس بیماری کا دورانیہ جلدی ختم ہوجاتا ہے۔دیر پا رہنے کے کم چانسز ہوتے ہیں۔ اچھی امیدوں کے ساتھ جینا چاہیے یہ کسی گزشتہ الوژن کے زیر اثر ہیں انہیں چند میڈیسن تجویز کی تھیں جن کے استعمال سے اسے خاصا افاقہ تھا.....

کیپٹن زریاب نہیں جانتے تھے ایسی کون سی غیر مرئی طاقت ہے جو انہیں نوران سکندر کی طرف کھینچتی ہے۔ان کا گمان تھا یا واقعی ایسا تھا اکثر و بیشتر نوران انہیں سے غافل لگتی اس کی یکبارگی کی بیگانگی کے سلسلے انہیں خوفزدہ کردیتے۔اگلی ملاقات میں وہ انہیں پہلے جیسی نوران دکھائی دیتی۔وہ نوران کی چاہ میں مکمل طور پر خود کو بے اختیار و بے بس محسوس کرنے لگے تھے۔کبھی کبھی ریگریسو کیوں ہوجاتی تھی وہ۔ایسے سوالیہ نشان نقطوں کی صورت ان کی آنکھوں میں گھومتے تب وہ سر کو خفیف سی جنبش دے کر خیالات کو جھٹک دیتے ان کے پاس کتنی ان کہی باتیں تھیں جو وہ خود نوران سے کرنا چاہتے تھے۔ان چھوئے جذبے ان کی آنکھوں کی منڈیر پر واویلا مچاتے۔امیدوں کے جگنو انہیں دسترس سے نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے۔رب ذوالجلال اس لڑکی کو میرے ہاتھوں کی لکیروں میں بسادے ہم دونوں کے ساتھ کی لکیریں یکجان کر کے ہمیں ایک کردے۔جب سے کیپٹن زریاب کو اس کی بیماری کا پتہ چلا تھا تب سے نوران ان سے کترانے لگی تھی۔نوران سکندر کو پانا کیپٹن زریاب کے لیے مشکل نہیں تھا لیکن وہ اسے اس کی رضا سے پانا چاہتے تھے.....نوران ذہنی دباؤ سے بچنا چاہتی تھی۔ان گزر جانے والی ساعتوں کے بارے میں وہ خود سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔اس پر قابض وہ لمحات اسے بارہا اذیت سے دوچار کرجاتے ۔بوجھل سینہ کسیلی گانٹھوں سے بھر جاتا۔تیز آریاں اس کے روم روم کو چیر دیتیں۔''اگر اس وقت بھٹک جاتی تو.....؟ میرا اللہ مجھے معاف کردیتا۔یا میری روح پر جہنم کی مہریں لگادیتا۔اسے اپنی روح کانٹوں پر گھسٹتی محسوس ہوتی۔سانسیں دھونکنی کی طرح تیز اور گرم محسوس ہوتیں اضطراب تھا کہ اسے برزخ میں پہنچادیتا۔ان پلوں میں مجھے خیال کیوں نہ آیا میں پستی کی طرف جارہی ہوں۔خود کو ذلت زدہ تعفن آمیز دلدل میں دھکیلنے چلی تھی۔تب میرے سچے رب نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس پر تعیش اندھی جادونگری سے بہت دور پہنچادیا۔ مجھے ذلت سے گمراہی سے سیاہ کاری سے بچالیا۔ اس کا اللہ اسے دیکھ رہا تھا پھر وہ جان بوجھ کر غافل کیوں ہونا چاہتی تھی۔تب وہ سمجھ رہی تھی کہ اس جادوئی شخص کی قربت ہی اس کی حیات ہے۔کیا میں اپنے محمد کی امتی نہیں رہتی۔مجھے اس دائرے سے خارج کردیا جاتا میرا اللہ مجھ سے غافل ہوجاتا میرے مذہب کو مجھ سے گھن آنے لگتی۔میری اوقات دو کوڑی کی نہ رہتی۔اس شخص نے مجھے جھڑک کر کہا تھا''اگر پارسا ہو تو چکا چوند روشنیوں کی اس دنیا میں کیا لینے آئی ہو''تضحیک زدہ حقارت اس کے اندر نظروں سے اتاری تھی اس نے اس شخص کے ہونٹ تمسخرانہ انداز میں نیم وا تھے رعونت زدہ لہجہ نوراں کو کاٹ گیا تھا اس کے ہونٹ مزید بھنچ گئے بوجھل پپوٹوں پر سرخی اتر آئی اس لگژری روم میں

Digitized by Google

دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے وہ نوران کی بے چینی دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا نوران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی بے یقینی سے انہیں سراہا رہا تھا وہ واقعی یونانی شہزادہ تھا ''اچھی لڑکی تم اپنی خوشی سے یہاں آئی ہو ناں۔ میرے ساتھ تمہاری نزدیکیاں صرف میرے ہی لیے ہیں یا اس سے پہلے بھی ایسی عنایتیں کسی اور کے حصے میں بھی آئی ہیں؟'' وہ نوران کی صراحی دار گردن میں بیش بہا ہیرے کا نیکلس پہناتے ہوئے بولا۔ نوران کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھی اس کے سلکی بالوں کی لٹ دھیرے دھیرے وہ اپنی انگلی پر لپیٹ رہا تھا۔ اس شکیل و وجیہہ شہزادے کے انس نے اس کی چاہ نے نوران کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا وہ سوچتی مر جاؤں گی اگر یہ شخص مجھے نہ ملا تو کیا اس خوبرو شہزادے کی عارضی رفاقتوں کے لیے وہ اس قدر گر گئی تھی نوران پر مسلط یا حاوی اس کی محبت نے اس سے تمام احساسات چھین لیے تھے اسے آج اپنی بے انتہا سچی محبت کی قیمت چکانی تھی پھر اس کے تمام جذبے نوران کی ملکیت ہو جاتے کیونکہ نوران اس کے بغیر کچھ بھی نہیں تھی اپنی سدھ بدھ ہوش و حواس اس کی اسیری میں دے چکی تھی حریم دل کے حاشیوں میں اس کی بے پایاں' بے لوث محبت کے دیے روشن کر چکی تھی۔ اس ایک دل کو تسخیر کرنے کے لیے خود کو ذلت کے پاتالوں میں اتارنا چاہتی تھی۔ نوران اس کی شیدائی تھی۔ باولی ہو چکی تھی' بیراگن بن چکی تھی اس کے اندر باہر وہی سنہری آنکھیں طواف کرتی تھیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے وہ محروم ہو چکی تھی دل و روح پر خود غرضی کی مہریں ثبت ہو چکی تھیں۔

نوران سکندر تم نے قرآن پاک کے دس پارے حفظ کیے تھے تمام سورتیں تم نے اپنے اندر اتاری ہوئی تھیں۔ اس آدمی کی ہوس تھی جسے تم بے انتہا محبت سمجھ رہی تھیں پاکیزہ محبتیں ایسی ڈیمانڈ نہیں کرتیں ایسی شدت پسندی تمہیں دنیا و آخرت سے فارغ کر دے گی تب مذہب کا صرف ٹیگ تمہاری زندگی میں رہ جائے گا اللہ ایسے گمراہ لوگوں سے اپنا شفیق سایہ ہٹا لیتا ہے۔ بدکار عورتیں بدکار مردوں کے لیے ہوتی ہیں۔ ایسی عورت کو کس طرح محمد مصطفیٰ اپنا امتی کہیں گے تم اپنے ہوش و حواس میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے چلی تھیں۔ اپنی ویلیوز کا تم نے پاس نہ رکھا۔ میرے صالح والدین نے ہمیشہ مجھے خدا کی پناہ میں دیے رکھا میرے گھر سے نکلنے پر سورتیں پڑھ کر مجھ پر پھونکتے رہے مجھے اللہ کے حفظ و امان میں دے کر گھر سے بھیجتے۔ میں نماز میں ہمیشہ اپنے لیے پاکیزگی' ہدایت اور سیدھا راستہ مانگتی رہی۔ کیا میری وہ عبادت قبول نہیں ہوئیں میں نے جن میں اپنے لیے فلاح مانگی تھی سیدھا راستہ مانگا تھا۔

وہ محبت پاش نگاہوں سے نوران کو دیکھ رہا تھا وہ اسٹرانگ بیئر پیتا رہا اس کی سرخ آنکھیں نوران پر گڑی ہوئی تھیں نوران کو اچانک روشنی دمکتا کمرہ تاریک لگ رہا تھا اسے شدید گھبراہٹ ہونے لگی تھی اس نے زندگی میں کبھی اتنی گھٹن' ایسی خاموشی ہولانے دینے والی تاریکی نہیں دیکھی تھی۔

وہ پسینے میں بھیگ رہی تھی اس کے پیروں پر لرزہ طاری تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور نوران کے بیحد قریب آ گیا شراب زدہ سانسیں نوران کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ اس نے معنی خیزی سے نوران کی جانب دیکھا یخ بستہ زیادہ مقدار میں بیئر پی لینے سے اسے قے آنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے واش

Digitized by Google

روم کی جانب بڑھا اچانک نوران کی سماعتوں میں سورۂ رحمٰن کی یہ آیت اتری۔ (ترجمہ: جلد سب کام نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں اے دونوں جہاں کے بھاری گروہ۔ آیت ۲۹ تا ۳۱)

نوران کے وجود پر کپکپی طاری ہوگئی (مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے تو ماتھا اور پاؤں پکڑ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے آیت ۴۱) اللہ پاک نے اسے مہلت دی تھی اپنی رحمتیں ابھی اس کے سر سے نہیں ہٹائی تھیں اس نے گردن سے نیکلس اتار کر دور پھینکا سرعت سے اپنا بیگ اٹھایا اور دروازہ آہستگی سے کھول کر باہر سے لاک کر دیا دبے پاؤں اس فارم ہاؤس سے باہر نکل آئی۔ اتفاق سے کسی ملازم کی اس پر نظر نہ پڑی تھی سورج کے کندھوں سے اترتی شام سرمئی دھندلکوں میں تبدیل ہو رہی تھی اسے مین روڈ پر ٹیکسی مل گئی اس نے ڈرائیور کو ایڈریس سمجھا دیا تھا سیٹ سے سر ٹیکے وہ آنکھیں بند کیے تھی اس کا دماغ سن تھا جیسے وہ دماغی طور پر مفلوج ہو چکی ہو۔ اللہ نے اسے زانی کے لقب سے بچا لیا تھا اس نے جان بوجھ کر گناہ کا ارادہ کیا تھا وہ خود کو بہت بڑی گناہ گار تصور کر رہی تھی..... نوران کیپٹن زریاب حسن سے اب زیادہ کترانے لگی تھی بار بار انہیں اگنور کر دیتی۔ وہ پریشان تھے اچانک یہ انہیں کیوں نظر انداز کرنے لگی ہے وہ جان بوجھ کر میری آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھنا نہیں چاہتی کیا نور مجھے پسند نہیں کرتی؟ کیا کسی اور کو لائیک کرتی ہے۔ نور میرے لیے از حد ضروری ہو چکی ہے۔ وہ خاصے ڈسٹرب تھے جس بنا پر کرنل آفریدی کئی مرتب انہیں ٹوک چکے تھے ''کیپٹن زریاب اینی پرابلم؟''

''نو سر!'' ٹریننگ کے دوران ان جوانوں کو بہت ساری باتوں پر خاص توجہ دلائی جاتی ہے اپنی تمام ذاتی پرابلمز پس پشت ڈال کر آپ سب کو اپنے بہترین فوجی ہونے کا اعزاز برقرار رکھنا ہے' آپ بخوبی جانتے ہیں بہت محنت کے بعد پاکستان آرمی دنیا کی بہترین فوج کہلانے کے قابل ہوئی ہے کامیابیاں پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملتیں یہ ہماری فوج کی جانفشانی کی مثال ہے آپریشن ضرب عضب میں کامیابی حاصل کرنا جسمانی اور جنگی صلاحیتوں کے ساتھ مشقوں میں بہترین کارکردگی دکھانے پر آرمی چیف افسروں اور جوانوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں پاک فوج نے سب سے زیادہ جنگیں لڑیں مربوط تربیت کے ساتھ ہمیشہ کامیابیاں سمیٹیں۔

رات کی تنہائیوں میں انہیں اکثر نور یاد آتی جس کے چہرے پر ہمیشہ دائمی نرمی رہتی نور کے گلابی لب جب جنبش کھاتے وہ چونک جاتے۔ نور سے وہ تعلق ختم نہیں کر سکتے تھے۔ نور کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا۔ خود کو بار بار باور کراتے نور تم نے مجھے بے بس' بے اختیار کر دیا ہے بہت اندر تک توڑ گیا مجھے عشق تمہارا پلیز تم بھی میری ہمنوا بن جاؤ۔ تمہارا کٹھور پن تمہارے اندر کی بے اعتنائیاں میرے اندر گانٹھیں بھر جاتی ہیں اچانک سے نور نے ان کی پروا کرنی چھوڑ دی تھی یہی بات تو کیپٹن زریاب کو ڈسٹرب کر رہی تھی انہوں نے سکندر انکل کے گھر جانا کم کر دیا تھا وہ جان چکے تھے کہ نور اب ان کی پرواہ نہیں کرتی تھی انہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں رنگ نہیں بھرتے تھے جگنو نہیں اترتے تھے وہ ایک عام سی لڑکی تھی کوئی ایسا اچھوتا یا کمال نہیں تھا اس میں پر وہ ایسے ری ایکٹ کیوں کرتی ہے وہ بہت سنجیدہ ہو گئی تھی ہنستی مسکراتی نہیں تھی۔

سارا..... ماں نے زریاب حسن سے اس کی

Digitized by Google

بابت بات کی تھی ''بیٹا مجھے امید ہے وہ آپ کی بات سمجھ لے گی آخر اسے کیا پرابلم ہے وہ ایسی بھی نہیں تھی گھر میں پل پل اس کے قہقہے اس کی مسکراہٹیں بکھری رہتی تھیں چند ماہ سے ہولا دینے والی یہ چپ سادھ چکی ہے انہیں دنوں اسے مائیگرین کا پہلا اٹیک ہوا تھا۔ زریاب وہ آپ سے بات کرتی ہے بانسری بھی سنتی ہے گھر میں جب بھی چائنیز یا سی فوڈ بنتے ہیں آپ کو یاد کرتی ہے مجھے کہتی ہے ''کیپٹن زریاب کو بھی بلوالیں تب میں اسے سمجھاتی ہوں زریاب کا شیڈول بہت ٹف ہے۔ اس کے لیے یوں آنا ممکن نہیں ہے زریاب آپ نور کو ویک اینڈ پر گھمانے لے جایا کریں میں آپ پر اعتماد ہے امید ہے آپ نور کو اس ٹراما سے نکال پائیں گے۔ یونیورسٹی سے آنے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو جاتی ہے کھانا پینا بھی برائے نام ہی رہ گیا ہے پہلے ولید سے فون پر گپ شپ لگاتی تھی وہ بھی ترک کر دی ہے میں اور تمہارے انکل اس کے لیے فکر مند ہیں۔''

آنٹی آپ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ جلد ہی نور نارمل روٹین کی طرف آجائے گی میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا اس رات جب وہ بستر میں جا چکے تھے نوران کا فون آگیا۔ وہ قدرے حیرت سے اس کا نمبر سیل فون کی چمکتی اسکرین پر دیکھ رہے تھے وہ بغیر کسی تمہید کے گویا ہوئی ''زریاب مجھے نیند نہیں آرہی شدید بے چینی محسوس کر رہی ہوں؟''

نور سورۂ یاسین تمہیں حفظ ہے پڑھ کر خود پر دم کرلو۔ چھ کلمے پڑھ لو اور اسلامی کروٹ لیٹ کر آنکھیں بند کرلو ساتھ ہی یاحی یاقیوم پڑھتی رہو فوراً نیند میں چلی جاؤ گی''

اچھا میں پڑھتی ہوں۔

نوران نے فون بند کر دیا تھا وہ زریاب حسن کو خاصی ڈسٹرب لگی تھی جب بھی کوئی اس سے قرآن پاک اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات کرتا اس کی روح بلبلا اٹھتی اس کا دل چاہتا زہر میں بجھے تیز دھار تیر کی نوکیلی انی میں اپنے سراپے کا انچ انچ پرو لے اس پر شرمندگیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے تھے میں کسی ذلت بھری تعفن زدہ کھائی میں پیر جمانے چلی تھی ایکبارگی سفاکی سے نچلے ہونٹ پر دانت گاڑ دیتی۔ آنکھوں سے روانی کے ساتھ بہنے والے آنسو اس کے چہرے کو نم آلود کر گئے۔ نوران سکندر تم نے تو قرآن پاک کے دس پارے تمام آیات تمام حدیثیں گھول کر اپنی روح کو پلائی ہوئی تھیں تمہاری پاکیزگی کی گواہی تمہاری والدین دیتے تھے تم سمجھتی تھیں کہ تمہارا اللہ تمہارے رسولؐ ضرور تم سے راضی ہوں گے تمہارے لیے تمہارا رب بہترین اجر و ثواب عطا کرے گا اس قدر نوازشات کے باوجود مسلمان ہو کر تم اس شہزادے کی ہوس زدہ محبت میں بہہ گئیں کیا تم اللہ کا سامنا کر پاؤ گی؟ نوران کو اذیت سے ہموار کرتا یہ سوال اس کے وجود کی تمام ہمتیں نچوڑ لیتا ان لمحات میں کیوں اس قدر غافل ہوگئی تھی میرے قدم گناہ کی جانب اٹھ رہے تھے اللہ سے کچھ چھپا نہیں وہ جاننے والا ہے شاہی خاندان کا شہزادہ عوص باسم جو مردانہ وجاہتوں کا بھرپور شہکار تھا جو یوسف ثانی جیسی کشش اپنے اندر رکھتا تھا۔ میرے دل پر مہریں لگا دی تھیں اس کی لازوال وجاہت نے۔ اس کی بھرپور محبتوں کے والہانہ اظہار نے مجھے اس کے سامنے بے بس کر دیا تھا۔ میری سدھ بدھ ختم ہوگئی تھی میں مفلوج و اپاہج دکھائی دینے لگی تھی دل

Digitized by Google

دلیلیں دے کر ہر جرم سے بری الذمہ ہونا چاہتا تھا لیکن ایک کربناک پھانس تھی جو اس کی روح کو چھید دیتی۔ میرے اس گناہ پر میرا اللہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ شراب پیتا رہا اور میں اس کے سامنے بیٹھی رہی۔ بائیس سال تک میرے مالک نے مجھے پاکیزگی اور ہوش و ہواس میں اس پاکی کو فراموش کرتے ہوئے خود کو گندگی میں دھکیلتی چلی گئی جب دل اللہ کے خوف سے غافل ہو جائیں گناہ و ثواب کا احساس مٹ جائے تب اللہ ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کیا اس کے والدین نے اسے یہ سکھایا تھا۔ وہ اگر صبح نماز کے لیے نہ اٹھتی اسے صبح ہونے کا احساس تب ہوتا جب ابی جان تلاوت کے بعد اس پر پھونک رہے ہوتے تب وہ نہایت آہستگی سے کہتے ''نور بیٹا نماز قضا ہو جائے گی'' ہر دین میں دو پگڈنڈیاں ہوتی ہیں۔ اچھائی برائی۔ گناہ ثواب اچھائی اور ثواب نکال دیا جائے تو برائی اور گناہ بچ جاتا ہے۔ ان لمحوں میں تم نے اچھائی اور ثواب ہوش و حواس سے خود کو الگ کر دیا تھا۔ عوص باسم کی محبت جادو بن کر تمہارے دل و دماغ پر قابض ہو چکی تھی جس نے تمہیں ہلنے نہ دیا۔ نوران دلیلوں سے کیا تم اللہ کو راضی کر لو گی۔ اس کی حالت غیر ہونے لگتی اضطراب اسے آبلہ پائی سونپ جاتا اس کی کنپٹیاں دکھنے لگتیں وہ دونوں ہتھیلیاں سر پر رکھ لیتی اس اذیت سے دوچار ہوتے ہوئے اس کی سوچیں پھر وہیں پہنچ جاتیں۔ تو کیا ہوتا ؟ میں کہیں کی نہ رہتی۔ کیا میری پارسائی کیا میرا مذہب' خدا اور رسولؐ سب کھو دیتی۔ کھو تو اب بھی بہت کچھ چکی ہوں اس غیر محرم کے ساتھ کتنی دیر تنہا رہی۔ میرے اندر اترے قرآن پاک نے ہمیشہ میرا محاصرہ کیے رکھا اس وجود کو غلاظت میں جھونکنے چلی تھی کیا میرا اللہ بھی مجھ سے بے نیاز ہو کر میرے دل پر مہریں لگا چکا ہے۔ عوص باسم کی شناسائی سے پہلے میں اللہ کی نعمتوں سے مالا مال تھی میری حیا و پاکیزگی میرے گمراہ نفس کی بھینٹ چڑھ گئی۔ نوراں کی زندگی میں پہلے ایسی گھٹن' اتنی تاریکی ہولا دینے والے سناٹے کبھی نہیں اترے تھے جو مسلسل تین مہینے سے نوران کو کرب ناکی اور عذاب لمحوں کی صورت اترتے محسوس ہوتے.....

☆.....☆

کیپٹن زریاب حسن کی روٹین بہت ٹف جا رہی تھی سیزن مشقیں آئے دن سخت ہوتی جا رہی تھیں اکثر ڈنر کے بعد ان کا دل شدت سے چاہتا کہ F-10 میں اس چاکلیٹی ٹیرس والے آف وائیٹ گھر کے اندر رہنے والی لڑکی کو دیکھ آئیں چاہے چند لمحوں کی ہی یہ ملاقات ہو لیکن کرنل آفریدی کے آرڈرز نہیں تھے بٹالین کے جوانوں کو جی او آر کے ایریا سے باہر نہیں جا سکتے تھے ڈنر کے بعد چالیس افراد پر مشتمل پنجاب رجمنٹ کے یہ جوان لان میں جمع ہو جاتے وہیں پر انہیں سبز قہوہ سرو کیا جاتا تفریح کا کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیا جاتا۔ اس بٹالین کی قیادت کرنے والے چیف کرنل فاروق احمد پراچہ فوک موسیقی اور گائیکی کے رسیا تھے۔ ملٹری فوج کے جوان اپنا اپنا ہنر آزماتے تھے۔ کیپٹن زریاب حسن بانسری بہت اچھی بجاتے تھے جبکہ جھنگ کا کیپٹن اللہ نواز ہیر وارث شاہ بہت اچھی پڑھتا تھا ایک سماں بندھ جاتا۔ جلتی آگ کے الاؤ کے اطراف بیٹھے جوان جھوم اٹھتے جب سرگودھا کا مولا داد پٹے گاتا تو سبھی کو اپنے اپنے پیاروں کی یادیں اداس کر جاتیں۔ مولا داد کی درد بھری آواز بہت سریلی تھی پھر یہ سبھی افراد اپنے

Digitized by Google

اپنے علاقائی رقص پیش کرتے۔ دن بھر کی ان سب کی تھکن ایک گھنٹے میں اتر جاتی۔ دس بجے تک تمام لوگ اپنے بستروں میں دبکے ہوتے۔ اس رات نوران کی دو مس کالز تھیں۔ انہوں نے لحاف میں دبکے دبکے اسے میسج بھیجا۔ وہ اس وقت نور سے بات نہیں کر سکتے تھے باس کے سخت آرڈر تھے سب دس بجے تک سو جائیں نوران کا جوابی میسج آیا۔

کیپٹن مجھے آج شام میگرین کا اٹیک ہوا ہے میڈیسن سے افاقہ ہے۔ سر اب بھی بوجھل ہے آپ بہت دنوں سے نہیں آئے' کل آجائیں۔ جواب میں انہوں نے لکھ کر بھیجا' کرنل صاحب ہم سے ایک لمحہ نگاہیں نہیں ہٹاتے۔ مشقیں ٹف ہیں آج جھاڑیدار دیوار پر کرولنگ کی صورت بھاگتے ہوئے دونوں گھٹنے زخمی کرا بیٹھا ہوں بینڈیج کرائی ہے جو صبح تک کھول دی جائے گی کل کی مشقیں مزید دشوار ہیں جیسے ہی فرصت ملے گی چکر لگاؤں گا تم اپنا خیال رکھنا۔'' وہ نور کی طرف سے فکر مند تھے وہ بے چینی محسوس کر رہے تھے 'اگر اسے بھی مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے تو میسج کیوں کرتی ہے اپنی باتیں شیئر بھی کر لیتی ہے۔ یہ بھی چاہتی ہے میں اس کے گھر آؤں یقیناً وہ مجھے مس کرتی ہے اگر مس کرتی ہے تو میری پرواہ بھی کرتی ہوگی وہ دیر تک نور کے متعلق سوچتے رہے۔

اس ویک اینڈ وہ کرنل پراچہ سے اجازت لے کر سیکٹر F-10 آ گئے۔ انکل آنٹی لان میں بیٹھے کنو کھاتے اسلام آباد کی دھوپ انجوائے کر رہے تھے۔ کیپٹن زریاب کو دیکھ کر دونوں کھل اٹھے۔ نور انہیں کہیں دکھائی نہ دی۔

سارا آنٹی نور کہاں ہے؟ وہ ان کے ہاتھ سے کنو لیتے ہوئے گویا ہوئے۔

کچن میں ہے کہہ رہی تھی آج چائنیز بناتی ہوں ممکن ہے کیپٹن زریاب بھی آجائیں..... تب ہلکی سی مسکان ان کے ہونٹوں کے کناروں پر ابھری۔ کنو چھیلتے ہوئے سوچ رہے تھے میری غیر موجودگی میں میرا خیال رکھتی ہے جب اس کے سامنے ہوتا ہوں تو اگنور کر دیتی ہے مجھ سے نظریں کتراتی ہے یہ سب کیا ہے؟ میری پرواہ کیوں کرتی ہے؟ کیا نور میری فیلنگ جاننے لگی ہے جب مقابل آتی ہے تو کیوں جتاتی ہے کہ ہم میں رغبت بھری شناسائی قطعی نہیں ہے۔ ''زریاب کنو اور لو۔'' وہ چونکے ''بس آنٹی.....'' انہیں نور سامنے سے آتی نظر آئی۔

''ہیلو کیپٹن زریاب'' انہیں یوں اچانک اپنے سامنے پا کر ایک آسودہ الوہی احساس سے کھل اٹھی تھی ''کیسی ہو نور؟'' طمانیت آمیز چمک ان کے چہرے پر قائم تھی'' میں بہت اچھی ہوں آپ بتائیں اتنے دنوں سے کہاں غائب تھے مجھے کچھ کچھ لگ رہا تھا آج ویک اینڈ ہے شاید آپ آ جائیں۔''

''پھر میں آ گیا'' وہ نور کی پذیرائی پر خوش تھے ''وہ دراصل ابی جان اور اماں آپ کا اکثر ذکر کرتے تھے ناں'' وہ گال پر انگلیاں سرسراتے خجل ہو کر اپنی صفائی دینے لگی کہ میں تو نہیں میرے پیرنٹس تمہیں مس کر رہے تھے۔ اپنی پلیٹ میں بچا آدھا کنو نور کی جانب غیر ارادی طور پر بڑھایا لمحہ کے ہزارویں حصے میں اس نے ان کی طرف دیکھا اثبات میں ہونٹوں کو جنبش دی اور ان کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑ لی دونوں کے چہروں پر آسودگی عیاں تھی۔ اب نور کی تمام توجہ کنو کی پھانکوں پر تھی۔ اس وقت ابی جان اور امی اپنی کسی سنجیدہ بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ لنچ کے بعد کیپٹن زریاب کہہ رہے تھے

Digitized by Google

''انکل آنٹی آئسکریم کھانے چلتے ہیں؟''۔

''زریاب ہم کچھ دیر آرام کریں گے تم نور کو ساتھ لے جاؤ'' سارا نے کن اکھیوں سے نور کی طرف دیکھا ''زریاب کے ساتھ چلی جاؤ نور کچھ آؤٹنگ ہوجائے گی۔'' سارا چاہتی تھیں زریاب اس سے بات کرے تاکہ وہ اپنی پرابلمز شیئر کرسکے۔

''چلوگی نور میرے ساتھ؟''

ہونہہ.....اس بار وہ مسکرائی نہیں۔

''شیراڈلے جاؤ'' سکندر علی نے ڈرائیووے پر کھڑی سفید شیراڈ کی طرف اشارہ کیا ''جی ٹھیک ہے'' وہ بولے۔

''میں فریش ہوکر آتی ہوں۔'' ان کے سیکٹر کے نزدیک تھی سپر مارکیٹ' وہ مختلف سڑکوں پر گھومتے رہے زریاب حسن نور سے بات کرنا چاہتے تھے اس کی وحشت' بیقرار خاموشی اور ڈپریشن کی وجہ جاننا چاہتے تھے لیکن نور اس موضوع پر کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اجتناب برتنا چاہتی تھی اسے اپنی زندگی کا مصرف بے معنی لگتا.....جان بوجھ کر اس نے قدم گناہ کی طرف اٹھائے تھے وہ ساعتیں اس کے ذہن پر گہری ہوچکی تھیں ملال تھا کہ اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ کیپٹن زریاب ڈرائیونگ کرتے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے لیکن وہ ہر احساس سے مبرا دکھائی دے رہی تھی وہ خود کو گہری نقاہت میں مبتلا پاتی اسے لگتا وہ ٹانگوں سے محروم ہوگئی ہے اس کے سختی سے بھنچے ہونٹ کپکپاتے پروردگار مجھے ہمت دے۔ اس کا وجود کانپتا ''نور.....!'' ان کے یکبارگی پکارنے پر وہ چونکی ''ہوں.....''

''آج میں تمہیں فالودہ کھلاتا ہوں جو یہاں بہت مشہور ہے''.....

''اچھا.....'' نور نے مسکرانے کی فضول کوشش کی۔ زریاب نے بھرپور مسکراہٹ اس کی طرف پاس کی کیپٹن زریاب حسن نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی لگادی اور سامنے کھڑے اٹینڈ بوائے کو اشارہ کیا۔ آرڈر بک کرانے کے بعد وہ نوران کی طرف متوجہ ہوئے تھے وہ بار بار انگشت شہادت سے گال سہلا رہے تھے دوسرا ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھا تھا۔ ونڈ اسکرین کے باہر دیکھتے سوچ رہے تھے میری آنکھوں میں اس کے لیے چھپی پسندیدگی بھی نور کو دکھائی نہیں دیتی ممکن ہے اظہار کرنے سے ہچکچا رہی ہو۔ موہوم امید نے ایک سرا ان کے ہاتھ میں پکڑایا۔ قلفی فالودہ کھاتے ہوئے کیپٹن زریاب اس سے گویا تھے ''نور سارا آنٹی اور انکل تمہارے لیے فکرمند ہیں ولید بھی تمہاری وجہ سے پریشان ہے۔''

''واٹ!!'' سپون منہ کی طرف لے جاتے ہوئے نور نے پلیٹ میں رکھ دیا۔

''تین ماہ سے تم نے اپنا جو حلیہ بنایا ہوا ہے ان کا پریشان ہونا فطری ہے۔''

''وہ کیوں پریشان ہیں میری جانب سے میں نے تو انہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔''

''نور کیا تمہاری یہ اداسی زندگی سے مکمل لاتعلقی اختیار کرلینا یہ سب جھیلنا ان کے لیے آسان ہے میگرین اعصابی دباؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اپنی پرابلم؟''

''نو پرابلم.....'' اچانک نور کا لہجہ سپاٹ ہو گیا تھا۔

''نور تم مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو۔''

''کیپٹن زریاب ایسی کوئی بات نہیں۔''

''آنٹی سارا غلط تو نہیں کہہ رہی ہیں نا؟ تمہیں

Digitized by Google

اندازہ نہیں تمہارے پیرنٹس کس قدر پریشان ہیں تمہاری وجہ سے۔'' وہ انہیں کیا بتاتی اپنے نفس کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے وہ گناہ کبیرہ کی مرتکب ہو چکی تھی آخر زندگی کی طرف کیسے لوٹتی لمحہ لمحہ تاریکی کی گھناؤنی دلدل میں ڈوبی رہتی تھی تب اس کی گھٹی گھٹی سانسوں سے اللہ اللہ کی صدائیں ابھرتیں اس کے خدا نے اسے بچالیا لیکن ایک عیاش شرابی کے سامنے وہ ان گنت لمحے بیٹھی رہی گناہ کی اس دعوت میں برابر کی شریک رہی' اس کے بعد کی تمام راتوں میں اسکی زندگی برزخ کے شکنجوں میں جکڑی رہی کئی راتیں اس نے مسلسل آنسو بہا کر گزاریں۔ بار بار ان لمحات کی ہذیانی عمیق گہری قبر میں اتر کر اپنا تابوت خود دفناتی رہی تھی اپنے جسم کے قبرستان میں۔ وہ سچی کاش ایسا نہ ہوتا میری کوئی تدبیر میری تقدیر کو بدل دیتی خود تم نے گناہ کا ارادہ کیا اللہ نے تمہیں بچالیا کیونکہ تم اس پاک پروردگار کی نظر میں تمہیں وہ تم سے کوئی ایسا عمل کرانا نہیں چاہتا تھا جو تم جان بوجھ کر کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں تشکر سے بھیگ گئیں وہ آہستہ آہستہ قلقی فالودہ کھا رہی تھی۔ نور کے اندر سے دنیا کی کشش ختم ہو چکی تھی اس نے اپنے ہوش و حواس میں ایسا سب کیا تھا وہ ورغلائی گئی تھی شیطان نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑنے میں کامیاب ہوا تھا اللہ نے بروقت اس کی مدد فرمادی تھی۔

وقت کا کام ہے گزرنا بیشمار دن گزر گئے۔ نور کا اکنامکس کا آخری سمسٹر رہ گیا تھا' کیپٹن زریاب حسن کی ان دنوں بنوں میں پوسٹنگ تھی ان کی فیملی زیادہ تر لوگ پاک فوج سے وابستہ تھے اپنے بزرگوں سے انہوں نے ہمیشہ پاکستان کی سلامتی' بقا اور دائمی محبت کی باتیں سنی تھیں۔ زریاب حسن انک حسن ابدال کیڈٹ کالج کے بہترین اسٹوڈنٹ تھے اور پھر کاکول رسالپور میں بھی ان کا ریکارڈ شاندار رہا تھا انہیں کئی اعزازی شیلڈ اور شمشیر تلوار سے بھی نوازا گیا' پاسنگ آؤٹ پریڈ میں بھی انہیں اعزازات دیے گئے اس پروقار تقریب میں موجود زریاب حسن کے پیرنٹس جس قدر اللہ کا شکر اور اپنے بیٹے پر مان کرتے کم تھا وہ اس وقت کیپٹن کے عہدے پر فائز ہو کر سیالکوٹ تعینات ہو گئے تھے' وہ جلد کیپٹن ہو گئے آنے والے دنوں میں میجر بھی ہو جائیں گے وہ خوش و مطمئن تھے۔ وہ سخت محنت کرتے انہیں عشق تھا آرمی ملٹری فورس سے ہر موقع پر نمایاں کارکردگی دکھاتے اس میں اللہ کا کرم ان کے والدین کی دعائیں اور انکی اپنی محنت شامل تھی۔ ان دنوں کنٹرول لائن کی صورتحال تشویش ناک تھی بھارت آئے دن کسی نہ کسی بات کو ایشو بنا کر بد نیتی ظاہر کرنے پر تلا ہوا تھا۔ انڈیا سے ایک آرمی جاسوس بلوچستان میں پکڑا گیا جو کافی عرصے سے مختلف سرگرمیوں میں ملوث تھا ہندوستانی حکومت بھارتی میڈیا تلملا رہا تھا اس کی گرفتاری پر۔ گوادر بندرگاہ کے ترقیاتی منصوبے بھی بھارت کو ہضم نہیں ہو رہے تھے۔ آئے دن راتوں کے اندھیرے میں باؤنڈری لائن کی آبادی کو نشانہ بناتا' کتنے شہری اور پاک فوج کے جوان شہید ہوئے اس دوران بھارت اپنے ان گنت فوجیوں کی ہلاکت چھپاتا رہا آرمی چیف نہایت بہادری اور جواں مردی سے پاک فوج کی کمان سنبھالے ہوئے تھے بھارت کی بلا اشتعال فائرنگ کا رینجرز کی جانب سے منہ توڑ جواب ملتا جس کے نتیجے میں وہ اپنے فوجیوں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ کتنے دنوں تک لاشیں ورکنگ باؤنڈری پر سڑتی رہتیں لاشیں۔ ان

Digitized by Google

دنوں بھارتی فورسز کی فیملیاں مودی حکومت کے خلاف ہورہی تھیں حکومت کی ہٹ دھرمی اور دشمنی کی بنا پر لوگ اس کے خلاف ہورہے تھے کشمیریوں کے ساتھ بھارتی فوجی بھی مررہے تھے، پاکستان کی فوج دنیا کی بہترین فوج شمار ہوتی ہے۔ عسکری قیادت ہرلمحہ عقاب کی نگاہ رکھے تیار رہتی ہے۔

برفباری شروع ہوچکی تھی ایسے میں اسکردو بلتستان سیاچن گلگت کی چیک پوسٹ چوکیوں کے لیے چاروں صوبوں کی رجمنٹ سے بٹالین کے تازہ دم دستے چالیس نفوس پر مشتمل ہر دستہ بھیجا جارہا تھا پنجاب رجمنٹ کی بٹالین ۲۲۲۲ کے دستے میں کیپٹن زریاب حسن بھی شامل تھے جنہیں سیاچن جانا تھا اسلام آباد سے ان کی روانگی تھی جانے سے ایک دن پہلے وہ سکندر علی کے گھر آئے تھے سارا آنٹی اور انکل کامیابیوں کی دعائیں بھی کررہے تھے۔ چھ ماہ بعد انشاء اللہ ضرور ملیں گے گھر جب وہ اپنے والدین سے ملنے گئے تب بھی رخصت کے لمحات میں وہ یونہی اداس ہوئے تھے اس وقت نور ان اب بھی زریاب حسن کو سرد کررہی تھی۔ کیپٹن زریاب کی آنکھوں کی وارفتگی نور کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ تھیں وہ بات انکل آنٹی سے کررہے تھے لیکن دھیان نور کی طرف تھا جانے سے پہلے وہ اپنے دل کی بات اس سے کہہ دینا چاہتے تھے سوچتے پہلے ہی بہت دیر کردی ہے۔ پانی پینے وہ کچن کی طرف آئے جہاں نور لنچ تیار کررہی تھی

''کیا بنارہی ہو؟''

''سوچا آج آپ کو کمپلیٹ لنچ کرادیا جائے اب تو آپ چھ ماہ بعد ہی آئیں گے۔'' چھ ماہ کہتے اس نے الفاظ خاصے کھینچے تھے۔

''ہاں یہ تو ہے تم مجھے مس کروگی'' فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اس کے قریب آکر بیٹھ گئے جہاں اس وقت وہ مہارت سے سبزیاں کاٹ رہی تھی۔

''کیوں نہیں کروں گی بلکہ اکثر کروں گی۔''

کیپٹن زریاب نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ پھر مایوس ہوئے اپنے نام کا کوئی جگنو انہیں اس کی آنکھوں میں دکھائی نہیں دیا۔

''میں تمہیں فون کروں گا تم اپنی سم چینج نہ کرنا۔'' نور نے اثبات میں سر ہلایا وہ بدستور مسکرارہی تھی اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔

''نور اپنا خاص خیال رکھنا کبھی کبھار چیک اپ کے لیے سی ایم ایچ چلی جانا میں ماموں کو بھی یاددہانی کراتا رہوں گا اپنے آخری سمسٹر کے بعد فارغ ہونے پر کوئی شارٹ کورس کرلینا ایسی پڑھائی زندگی میں کبھی کبھار کام ضرور آتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' نور کے عارض جنبش کررہے تھے۔

''کتنی دیر تک کھانا تیار ہوگا۔''

''دو بجے تک آپ کو کھانا مل جائے گا۔'' وہ مصروف سے انداز میں بولی

''مجھے تین بجے واپس جانا ہے۔''

اتنی جلدی کیوں ہے' ڈنر ہمارے ساتھ کریں۔''

''نو..... نو باس میری کھال ادھیڑ دیں گے ہمارے نئے کمانڈوز پیر حیات بہت سخت ہیں ابھی سے ہماری نگاہیں کسی شروع کردی ہیں ارلی مارننگ تین بٹالین کے ساتھ نکلنا ہے سیاچن اسکردو اور بلتستان کے لیے ہے۔'' وہ بلاوجہ ڈیٹیل میں جارہے تھے ان کی نگاہیں نور کے چہرے کا طواف کرتی رہیں سوچ رہے تھے جانے پھر کب یہ چہرہ

Digitized by Google

دیکھنا نصیب ہو۔ اندر سے ان کی ہمت بندھائی جارہی تھی کیپٹن زریاب حسن اس لڑکی سے اپنی محبت کا اظہار کردو کہیں دیر نہ ہوجائے گھبراہٹ کی لہر انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی' وہ بے چین ہوگئے گلے کو کھنکھار کر بلاوجہ صاف کیا نور نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ''نور!'' نور نے انکی جانب دیکھا ''تم میرا انتظار کروگی' میں انشاء اللہ جلد لوٹ آؤں گا'' نور نے بولے بغیر سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا ''بولو نور! میرے یہی الفاظ تم سے مقدس اور پائیدار رشتہ قائم کرنے کے لیے اس وقت میرے ہونٹوں سے ادا ہو کر میرے جذبات کی ترجمانی کرنے کے لیے کافی ہیں۔'' چھری اور شملہ مرچ نور نے باسکٹ میں رکھ دی تھی وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ ''نور میں تمہیں تمہاری رضا سے پانا چاہتا ہوں۔ تم راضی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی زور زبردستی نہیں ہے میں اپنے پیرنٹس کو کب کا یہاں بھیج چکا ہوتا لیکن پہلے تم سے بات کرنا چاہتا تھا میں جانتا ہوں سارا آنٹی اور انکل مجھے پسند کرتے ہیں لیکن میں تمہاری رائے کو مقدم سمجھتا ہوں۔''

نور خاموش تھی وہ اپنے ہاتھوں کی ساکن لکیریں بغور دیکھ رہی تھی ''زریاب حسن میں ابھی پڑھ رہی ہوں شادی کے بارے میں ابھی نہیں سوچا''

''نور اب سوچ لو میں برا آدمی نہیں' شراب نہیں پیتا نہ ہی سگریٹ کے قریب جاتا ہوں' کسی لڑکی سے افیئر نہیں چلایا نماز پابندی سے پڑھتا ہوں میں لوگوں کے لیے برا نہیں سوچتا برا نہیں بولتا نہ کسی کو برا کہتا ہوں غریبوں سے محبت کرتا ہوں'' وہ بغیر فل اسٹاپ بولتے چلے گئے نور مسکرائی

''کیپٹن زریاب ابھی تک میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی'' نور نے دونوں ہاتھ کس کر سر پر پھیرے۔

''نور جب بھی فیصلہ کرنا میرے حق میں کرنا میں منتظر رہوں گا۔'' وہ اداس تھے انہیں تسلی بخش جواب نہیں ملا تھا دل پر بوجھ لیے کیپٹن زریاب سیاچن کے لیے روانہ ہوئے تھے ان کے جانے کے بعد نور بولائی بولائی پھرتی رہی اس کا پڑھائی میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا اس بیقراری کو وہ کوئی نام نہیں دے سکی تھی زریاب حسن نے اسے مشکلات سے نکالا تھا اس فیز کا دیوہیکل بت اس کی روح سے سرکایا تھا اس کے اندر سے صدا ابھری ایک پرہیزگار شخص کے لیے ایک بدکار عورت..... نہیں میں اس کی باوقار محبت کا یوں تماشہ نہیں بنا سکتی اس کی بے لوث چاہتوں کو میں قطعی بے مول نہیں کرسکتی کیپٹن زریاب کے چہرے کی دائمی نرمی اس کے ہونٹوں کو کھلکھلاتی مشکبار بنا جاتی تو نور کی آنکھیں زریاب کی مدح کے عالم میں خیرہ کرتی چمک اپنے اندر سمو لیتی۔ زریاب حسن کی رفاقت پانے والی لڑکی خوش نصیب ہوگی لیکن وہ لڑکی میں نہیں ہوں یخ بستگی و دھند میں لپٹی شاموں میں نور انہیں مس کرتی۔

نور میں تمہاری رضا سے تمہیں پانا چاہتا ہوں' ان کی شیرینی دل گرویدہ کرلینے والی آواز نور کی سماعتوں سے ٹکراتی یہ آواز نور کو ندرتک توڑ جاتی اس چٹانوں کی مانند مضبوط کیپٹن زریاب حسن سے میں اپنا کمزور رشتہ کیسے استوار کرسکتی ہوں جو چند لمحوں میں ریت کی دیوار کی مانند گر جائے شادی کے بارے میں نہیں سوچا نور اب سوچ لو۔ کیپٹن زریاب نے آخری ملاقات میں اس سے کہا تھا تب ان کہے کتنے جملے کپکپاتے ہونٹوں کے پیچھے

Digitized by Google

بھی لکھ کر بھیجتے رہتے۔ شاہ ویز نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اسے یہ جواب دیا ہے۔ ان کی بات پر نور محظوظ ہوتی ۔ دوسرے لمحے نور کی مسکراہٹ کو بریک لگ جاتی۔ ''میرے نصیب میں زریاب کی منگیتر بننا بھلا کیسے ممکن ہے۔'' تب اک اداس وخاموش کونے میں دکھائی دیتے گمان کی گود میں سمٹ جاتی کیپٹن زریاب سے نوران کو کیسے' کیوں کر محبت ہوئی؟ وہ آج تک نہ جان پائی تھی۔ ہجر اسے اداسی سے ہمکنار کرتا ہوا ایک کونے میں دھکیل دیتا' کیپٹن کی سنگت میں بتائے تمام مناظر اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتے اپنی روح ودل کی بستی سے اس شبیہہ کو ہمیشہ کے لیے گمنام کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ایسا کبھی نہ کر پائی۔ دن بھر سوچتی اب میں ان سے بات نہیں کروں گی لیکن ان سے رابطہ ہونے پر وہ بچوں کی طرح خوش ہو جایا کرتی دن بھر کی تھکن واداسی دور ہو جاتی۔ وہ خوشبو کی مانند نور کے چہار سو مہکنے لگتے دل کے ایوانوں میں گہما گہمی دکھائی دیتی۔ وہ حیرانی سے اپنے ارادے کو کوستی جو وہ دن بہ دن ترتیب دیتی رہتی تھی کیپٹن زریاب خود جب تک یہ سلسلہ نہیں توڑیں گے میں بے بس رہوں گی خداوندا میری مدد فرما میں زریاب حسن کو دھوکا نہیں دے سکتی اسے سب سچ سچ بتادوں گی نوران سکندر ایسی غلطی کبھی نہ کرنا ورنہ ہمیشہ کے لیے اسے کھودو گی کیا ہر پل ہر لمحہ میں اسے دھوکہ دیتی رہوں میں ایسی خودغرضی نہیں کر سکتی جس طرح وہ مجھے میری رضا سے مانگتا ہے مجھے بھی ایمانداری سے اس کی زندگی میں شامل ہونا چاہیے حقیقت جان کر وہ تھوکے گا میرے منہ پر اس ایک لمحے کے لیے اس کا حقارت سے تھوکنا برداشت کرلوں گی لیکن تمام عمر اپنی ہی نظروں میں اپنے لیے ذلت برداشت نہیں کر پاؤں گی اس کی پاکیزگی نے تو اسی وقت اپنا چارم کھو دیا تھا جتنی پل اس کے قدم غلط سمت اٹھے تھے' سید عوص باسم کہتا تھا نور تم غیر معمولی لڑکی ہو تم میں کوئی ایسی بہت خاص بات ہے تمہاری گھنیری مڑی ہوئی پلکوں کا بار بار جھکنا مجھے پسند ہے تمہارا یہ باحیا چہرہ دمکتا روپ تمہاری آنکھوں کی یہ بے ساختہ چمک جاذبیت میں گندھی تمہاری گندمی رنگت تم صرف میرے لیے بنائی گئی ہو۔ نوران سکندر اس کی شدت آمیز گستاخیوں کے بوجھ سے نڈھال ہونے لگی سید ابو عوص باسم کی بھاری سانسوں کی تپش نور کی دھڑکنیں اتھل پتھل کر دیتیں وہ بندہ جس کی دنیا دیوانی ہے اور وہ صرف نوران کا شیدائی اس سید زادے کے قریب بیٹھ کر اس کی بھرپور توجہ پا کر خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی تھی وہ اس کا چہرہ تکتا رہتا اور نوران اس کے دودھیا پیروں پر نظریں گاڑے رہتی وہ اس کی ٹھوڑی اوپر کرتا..... نور جب تم میرے ساتھ نہیں ہوتیں تو تمہاری آنکھیں مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔ دل کے بپھرے طوفان تھے کہ دونوں کو بہکانے میں کسر نہ چھوڑتے لیکن اپنی حدیں کراس نہ ہونے دیتے دونوں کے ہونٹوں پر خاموشیوں پر چپکے ایک دوسرے کی چاہ کے آبگینے عسل دے جاتے۔ سید ابو عوص باسم شاہ باسم محمد سعودی عرب کے شاہی خاندان کے دور پار کے شاہ باسم محمد کے بیٹے تھے۔ شاہ باسم محمد بڑے عہدے پر فائز تھے ان کے تیل کے کنویں بھی ذاتی ملکیت میں تھے جو نہیں وراثت میں ملے تھے عوص باسم نے تعلیم امریکہ میں پائی تھی ان میں تمام خصوصیات امراء والی پائی جاتی تھیں بظاہر اس اشرافیہ خاندان کی عیاشی کی رغبت بھی وراثتی تھی شاہ باسم محمد نے ابو

Digitized by Google

حلق میں گھٹ گئے تھے ان لمحات میں نور صبر کی انتہاؤں سے گزری تھی ایک سچا و محبت کرنے والا شخص اس کا متلاشی تھا آنکھوں میں اتر آنے والے آنسو اس کی دھند کے پار زریاب حسن کا چہرہ دھندلا رہا تھا ان کے جانے کے بعد بیکراں سناٹے اس کی زیست میں آئے تھے کاش۔ کاش! سید عوص باسم تم میری زندگی میں نہ آئے ہوتے تو آج میں کتنی شاد ہوتی' انگلیوں کی پوروں میں آنکھوں کی نمی جذب کرتی مضحکہ خیز انداز میں خود پر مسکراتی ذہن کے پردے پر کیپٹن زریاب کا چہرہ جھلملاتا تو دلآویز مسکان اس کے چہرے کو مزید خوبصورت بنا جاتی کیپٹن زریاب کے بخت کی روشن لکیریں میری مانگ کے مقدر میں کیسے بس سکتی ہیں نوران سکندر زریاب کے بارے میں سوچنا ترک کردو سکھوں' خوشیوں پر اب تمہارا حق نہیں رہا۔ بن باس تشنگی اب تمہاری قسمت میں لکھی جا چکی ہے کیپٹن زریاب حسن کیا تم کسی بھی ایسے شخص کی ہمسفر بننے کے قابل نہیں ہو اس کی سماعتوں میں سلگتا سوال بھر دیا جاتا دل میں پھوڑے کی مانند ٹیسیں اٹھتیں وہ زریاب حسن کے بحر بیکراں انس کے اندر اترتی چلی جاتی یکبارگی کائنات کی روانی ٹھہرتی محسوس ہوتی تب وہ خود کو ان اٹھنے والے بچھتاووں سے نہ بچا پاتی جو کرنے کا ارادہ اس نے کیا تھا نور اپنے خوابوں کو اس کے کیپٹن کے تصرف میں جانے سے روک لو ورنہ ایک اور پچھتاوا تمہاری زندگی میں ناقابل برداشت بے ہنگم اضطراب برپا کردے گا وہ سختی سے ہونٹ سکیڑ لیتی پژمردہ چہرہ نوچنے کو اس کا دل چاہتا اس اٹل حقیقت کو کسی طور فراموش نہیں کرسکتی تھی اس کی متاع حیات کی حیثیت کھوٹے سکے کے برابر نہ رہی تھی جس پر اپنا کتھارسس کرتے ہوئے بے دم ہو جاتی۔

کیپٹن زریاب کے جانے کے بعد نوران شدید ڈپریشن میں چلی گئی تھی ایک ہفتہ تک ان دونوں میں رابطہ نہ ہوا وہ انہیں مس کرتی تھی ان کا گداز لہجے میں آہنگی سے باتیں کرنا نور کے چہرے کو تکتے تکتے بے ساختگی میں کھلکھلا کر ہنسنا نور کے استفسار پر ان کی آنکھوں میں چمک کا بڑھ جانا اس کی موجودگی کے احساس سے بوجھل پپوٹوں کے نیچے شہد آگیں آنکھوں کا بار بار دا ہونا نور کے ریشمی سلکی بالوں پر اپنی نگاہیں جمائے رکھنا اور پھر تمام احکام توڑ کر زور سے قہقہہ لگانا وہ سب یاد کرتے ہوئے نور مسکرا پڑتی تب سارا ماں چونک کر نوران کو دیکھیں لمحہ بھر پہلے اداسی کے دبیز عکس اس کے چہرے سے غائب ہو جاتے سارا خوش ہو جاتیں اپنی بیٹی کی طمانیت آمیزی دیکھ کر اور کتنے دن اور ماہ گزر گئے کیپٹن زریاب سے اس کی اکثر بات ہو جاتی تھی رات کو ان کی میسجز پر بات ہوتی سلیپنگ بیگ میں دبکے دبکے وہ نور سے بات کرتے رہتے انکے برابر والے بستر پر کیپٹن شاہ ویز بھی اپنی ایک سال پرانی بیوی سے بات کرتے رہتے موبائل کی ٹک ٹک دونوں کی سماعتوں میں اترتی رہتی۔

''اوئے زریاب.....!'' شاہ ویز ہونٹ زریاب کے کانوں تک لے آتے وہ شاہ ویز کا مطلب سمجھ کر مسکرانے پر اکتفا کرتے اور سوالیہ نگاہوں سے روم میں جلتی مدہم روشنی میں گھورتے شاہ ویز کہتے یار میں اپنی وائف سے بات کر رہا ہوں..... سرگوشی میں جواب دیا جاتا زریاب حسن جواباً سرگوشی میں بتاتے یار میں اپنی فیانسی سے بات کر رہا ہوں۔

کوئی نور کے بارے میں ایسا ویسا نہ سوچے۔ مجبوراً انہیں نور کو منگیتر کہنا پڑا وہ ساتھ ساتھ نوران کو

Digitized by Google

عوص باسم کی شادی بیس سال کی عمر میں اپنی بھتیجی میمونہ سے کردی ان کے ہاں پہلی شادی اپنے قریبی رشتے داروں میں کی جاتی تھی بعد میں لڑکا جو مرضی کرتا پھرے یہ کلچر تھا وہاں کا۔ میمونہ عوص باسم کو پسند نہیں تھی والدین کی خواہش پوری کرنے کے بعد اب وہ اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتا تھا۔ میمونہ بہت سارا جہیز لائی تھیں پہلے سال ہی ان کا بیٹا ہوگیا ان دنوں ابوعوص باسم ہارڈ ورڈ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ وہ اکثر میمونہ سے یوں اپنی محبت کا اظہار کرتا جیسے دنیا میں اس سے بڑھ کر وہ کسی سے محبت نہیں کرتا میمونہ اور ابوعوص باسم کے تین بیٹے ہوگئے تھے مختلف مسلم ممالک میں رہنے والے اپنے دوستوں کی دعوت پر ان ملکوں میں جاتا رہتا تھا۔ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والا اس کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ اسے شکار کھیلنے کا شوق تھا اپنے پاکستانی دوست سلیمان ضیاالدین کی دعوت پر وہ بہاولپور شکار کھیلنے آیا تھا۔ پھر وہ ڈیرہ اسمٰعیل خان بھی گیا چترے ہرن کے شکار کے لیے پاکستانی خواتین میں اسے دنیا کی بیسٹ بیوٹی دکھائی دیتی۔ سانولی سلونی لڑکیوں میں انہیں اٹریکشن محسوس ہوتی انہیں پاکستان میں رہنا پسند آیا تو انہوں نے اپنا قیام مزید بڑھالیا اب ہر چھ ماہ بعد پاکستان آنے لگا تھا شکار کے موسم کے تین مہینے وہ یہیں گزارتا اس دوران بہت سے لوگوں سے جان پہچان اور دوستی ہوگئی تھی کئی لوگوں کے رشتے داروں کو سید عوص باسم نے نوکریاں بھی دلوائیں اپنے ایک دوست کے گھر ہونے والی دعوت میں اس نے نوران سکندر کو دیکھا تھا اس لڑکی میں بے حد کشش تھی بار بار اس کی نگاہیں نور پر اٹھ رہی تھیں پانچ فٹ سات انچ کی ہائیٹ کی وہ گندمی رنگت والی لڑکی انہیں منفرد دکھائی دے رہی تھی دم بخود کردینے والی آنکھیں جنبش کھاتیں تو وہ پوری اپسرا نظر آتی وہ سفید چوڑی دار پاجامے پر ریڈ میض دوپٹہ لیے ہوئے تھی اس کے سیاہ سیدھے بال کمر سے نیچے تک جارہے تھے اس کی اسکن چمکدار تھی صراحی دار گردن کی اسکن اتنی مہین کہ پانی کا گھونٹ بھی اندر جاتا نظر آتا وجہ یقیناً زیتون کا آئل تھا جو سکندر علی کے گھر میں استعمال ہوتا تھا۔ سید عوص باسم کی نظریں نور پر بار بار ٹھہر رہی تھیں۔ سید عوص باسم اپنے روایتی لباس میں سب سے الگ دکھائی دے رہے تھے نور بھی غیر ارادی طور پر ان پر نظر ڈال لیتی وہ کسرتی سراپے کے وجیہہ جوان تھے خالص سید زادوں والی غلافی آنکھیں تراشیدہ مونچھیں کلین شیو ان کا نشست و برخاست بھی شاہانہ تھا وہ نور کے ساتھ والی نشست پر آکر بیٹھ گئے تھے ان کے سراپے سے اٹھتی امپورٹڈ کولون کی مہک نجانے کیوں نوران سکندر کو اچھی لگنے لگی تھی سرور کی کیفیت محسوس کررہی تھی۔

ہیلو..... انہوں نے ہی مخاطب کرنے میں پہل کی تھی۔

ہائے..... اس نے بھرپور انداز میں جواب دیا یہ پہلا موقع تھا کہ کسی غیر لڑکے کے ساتھ بیٹھنا اسے برا نہیں لگا تھا اس سے باتیں کرتے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے رہے۔

یو آر ویری گورجس لیڈی۔

تھینکس!

اگر کوئی ہینڈسم لڑکا آپ کی اس طرح تعریف کردے تو یقیناً اچھا لگتا ہے وہ غیر ارادی طور پر ان سے باتیں کرتی چلی گئی سید عوص باسم نے پہلی ملاقات میں ہی بتادیا میں شادی شدہ ہوں میرے تین بیٹے ہیں نوران خاصی حیران ہوئی لگتا تو نہیں

Digitized by Google

ہے.....اس پہلی ملاقات میں اس قدر فری ہوئے کہ ایک دوسرے کو اپنے فون نمبر دے دیے۔ایک بے نام بیقراری تھی جس نے اس رات نوران کو سونے نہ دیا واقعی وہ سید زادہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہوسکتا تھا کئی روز تک وہ ان کے خیال میں مسحور رہی نور کو اسے سوچنے کے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا اس کے اندر باہر عوص باسم کے احساس کی دھمال تھی اس کا دل چاہتا وہ اسے دیکھے اس سے باتیں کرے اسے آنکھوں کی پتلیوں کی عمیق گہرائیوں میں رکھے پوری زندگی گزار دے اس کے بنا زندگی پھیکی ہوچکی تھی جو تنہا اور اجاڑ محسوس ہورہی تھی وہ بے اختیار اس سید زادے کی خوشبو اپنے احمریں ہونٹوں کی ایک ایک لکیر میں بسالے وہ تو اس کے ہر لمحہ میں تھا نور اس کے فراق میں کملی ہوچکی تھی پہلی ملاقات کے سلسلے اس کا چین غارت کرچکے تھے اس کے ہر رستے میں وہ براجمان تھا زیست کے تمام موسموں میں وہ منسوب ہوچکا تھا نور کو محسوس ہوتا اس سید زادے کی آنکھوں کی نرمیوں سے لکھے دبیز حروف اب بھی نور کے چہرے پر زندہ ہیں وہ غیر ارادی طور پر دائیں عارض پر انگشت شہادت گھماتی۔ان پر کشش آنکھوں میں بار بار کھو جاتی نور کا رزلٹ آچکا تھا اس نے بہت اچھے نمبر لیے تھے نور کی پہلی ملاقات عوص باسم سے اپنی بیسٹ فرینڈ انعم بلوچ کے گھر ہوئی تھی دونوں نے کالج اور یونیورسٹی میں ساتھ پڑھا تھا نور کی صرف ایک دوست تھی جس سے وہ ہر بات شیئر کرتی تھی اسلام آباد میں عوص باسم کا قیام عال بلوچ کے گھر تھا عادل انعم کے بڑے بھائی تھے جہاں باسم کو گھر کے فرد کی حیثیت حاصل تھی انعم کو اس نے بہن بنایا ہوا تھا جب بھی وہ سعودیہ سے آتے سب کے لیے قیمتی تحائف لاتے اس ویک اینڈ انعم نے نور کو لنچ پر انوائیٹ کیا ہوا تھا۔نور تو موقع کی تلاش میں تھی جبکہ جانتی تھی سید عوص باسم ان دنوں ان کے گھر قیام پذیر ہیں اچانک ان دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کی جانب اٹھی تھیں دل کے طوفان بپھر اٹھے تھے دونوں کے ہونٹوں کی خاموشیاں ایک دوسرے کے ذکر کی مالا جپ رہی تھیں نور کی آنکھوں کی پتلیوں پر عوص باسم کا عکس ابھر کر لرز تا رہا ساکن گفتگو دونوں کے ہونٹوں کو چھو رہی تھی دونوں کے چہروں پر ایک دوسرے کے انس کی چمک عود کی تھی ان ساعتوں میں باسم نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ مجھے دوسری شادی بس اس لڑکی سے کرنی ہے طمانیت کے کئی رنگ ان کے چہرے پر اترے تھے لنچ کے بعد وہ دونوں انعم کے ساتھ گرین ٹی کے ساتھ گپ شپ لگا رہے تھے اس وقت عادل بلوچ اپنی بیوی کے ساتھ سپر مارکیٹ گئے ہوئے تھے انعم کا فون آ گیا تھا وہ اندر چلی گئی تھی۔عوص باسم نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دل کا حال اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔

نور میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں'' بے یقینی و حیرت سے اس خوبرو جوان کو سانس روکے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی تھی۔

''ہیلو پریٹی گرل'' انہوں نے اس کی ساکن آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا وہ خوابیدہ کیفیت سے جاگی'' نور کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا۔واقعی میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے تم سے دھواں دار قسم کی محبت ہوگئی ہے''

آپ مذاق کررہے ہیں۔'' وہ بمشکل بول پائی۔

Digitized by Google

''نہیں بھئی'' انہوں نے نور کے ہاتھ کو نرمی سے دبایا ''عوص مجھے یقین نہیں آ رہا واقعی آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

یقین کرلو نور..... اس کا دودھیا ہاتھ ابھی بھی ان کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔ ''میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر تم سے کہہ رہا ہوں واقعی میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں'' نور میں نے دنیا بھر کی لڑکیاں دیکھی ہیں لیکن تمہیں اچانک اپنے سامنے پا کر میری تلاش ختم ہوگئی ہے مجھے دوسری شادی تو کرنی ہی ہے وہ میں تم سے کروں گا۔ میمونہ اور اپنی شادی کے بارے میں انہوں نے تفصیل سے نوران سے بات کی تھی۔ نور خوش تھی وہ مطمئن تھی کہ اس کے پیرنٹس اس کی خوشی کو مقدم جانتے ہوئے یہ نکاح کرادیں گے اب فون پر ان کی طویل بات ہوتی ہر رات نور کو اپنی لازوال محبتوں کا یقین دلاتے ایک ہفتہ بعد وہ واپس جا رہے تھے جانے سے پہلے وہ نور سے ملنا چاہتے تھے وہ ان پر اعتماد کرتی تھی اس سیدزادے نے نور کی زندگی میں کس قدر رونق بھر دی تھی میرے رب تو اس طرح بھی نوازتا ہے۔ وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی شکر گزار تابع دار بندی بننے کی کوشش کر رہی تھی پہلے وہ سر پر دوپٹہ نہیں لیتی تھی اب لینا شروع کر دیا تھا وہ ایک سادات گھرانے کی بیوی بننے جا رہی تھی سوچتی میں تو اعلیٰ رسول کی امت کی ایک کنیز ہوں میرے لیے اتنی بڑی سعادت میرے لیے اتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ میں ایک سید زادے کی زوجیت میں جانے والی ہوں وہ خوش تھی عوص باسم نے اس سے کہا تھا کہ میں خود تمہارے پیرنٹس کے پاس جا کر تمہارے اور اپنے رشتے کی بات کروں گا اب نور اس دن کی منتظر تھی فرائی ڈے کو وہ واپس جا رہے تھے جانے سے پہلے وہ نور کے ساتھ لنچ کرنا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ وقت دونوں ساتھ گزاریں انہوں نے اسے ایک دوست کے فارم ہاؤس پر بلوایا تھا ہم خوبصورت ماحول میں بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کریں گے جہاں سرف تم ہوگی میں ہوں گا اور ہماری محبت کے امین گونگے لمحے ہوں گے دلکش فضاؤں میں خاموشی ہم دونوں سے گفتگو کرے گی اور ہم ایک دوجے کی قربت میں دنیا کو بھول جائیں گے فون پر یوں بات کرتے ہوئے ان کا لہجہ ڈگمگا رہا تھا ان کی گرم بوجھل سانسیں نور کی سماعتوں میں امرت ٹپکا رہی تھیں ایک بے چینی نور کے اندر پھیل رہی تھی کیا مجھے تنہائی میں یوں ان سے ملنا چاہیے؟ نوران تمہیں ان پر بھروسہ کرنا چاہیے تم آگے چل کر اس شخص سے جو رشتہ جوڑنے چلی ہو وہ بھروسہ کی بنیاد پر پائیدار بنے گا ایسے ریلیشن میں اعتماد ضروری ہے نور نے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی مین روڈ سے عوص باسم نے اسے پک کرلیا تھا اس کے والدین دو دن کے لیے ملتان گئے ہوئے تھے مگر ان کی پرانی خدمت گار خالہ ثریا اور ان کا بیٹا اشرف تھا جو انہی کے سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے اس وقت سید عوص باسم کا موڈ خوشگوار تھا نور کا ضمیر بار بار اسے سنگل دے رہا تھا دماغ بھی اسے محتاط رہنے کی تلقین کر رہا تھا لیکن اس وقت وہ صرف دل کی سن رہی تھی جو اپنی ترنگ میں بہکا ہوا تھا ضمیر کی شرمندگی کو پیچھے دھکیل رہی تھی عوص باسم کی آنکھوں کی خیرہ کرنی چمک اسے مطمئن رکھے ہوئے تھی لنچ کے بعد وہ دونوں اس وسیع و عریض فارم ہاؤس کے گھنے درختوں کی طویل قطار در قطار دو رویہ پتلی تنگ سڑک پر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ اور کندھے سے کندھا

Digitized by Google

ملائے گھومتے رہے۔ عوص باسم کے سراپے سے اٹھی خوشبو نوران سکندر کو مدہوش کر رہی تھی۔ شخصیت کی سحر انگیزی نوران کی سدھ بدھ کھو دینے کے لیے کافی تھی اس کے طلسماتی احساس وقربت کا اعجاز تھا ان کی بے پایاں کشش نوران پر اپنا تسلط جما رہی تھی ایسا روح پرور خواب آگیں احساس ایک دوسرے کے یوں نزدیک ہو کر اس مشکبار ماحول میں چھوٹے چھوٹے قدم بھرنا جانے کون سی مدہوشی کے جام انہوں نے نوران سکندر کو پلا دیے تھے کہ وہ وہ نہ رہی تھی جیسے وہ مورنی بن گئی تھی اور ان کے اطراف رقص کر رہی تھی تھوڑی دیر بعد پرتعیش انتہائی مرصع کمرے میں وہ دونوں موجود تھے جو روشنیوں سے جگمگا رہا تھا نور نے اندر داخل ہوتے ہوئے بار بار آنکھیں جھپکی تھیں وہ اپنے سامنے بت کی مانند ایستادہ نوران سے گویا تھے ''نور آج میں جی بھر کر تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں دو دن بعد میری فلائیٹ ہے اور جانے جدہ میں مجھے کتنا ٹائم لگ جائے'' نور کے گلے میں اچانک کانٹے اگ آئے تھے اس نے چہرے سے گھبراہٹ محسوس نہ ہونے دی عوص باسم نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ ''یہ آدمی میرے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟'' نور کو جھٹکا لگا۔

نور جدہ سے لوٹتے ہی میں تم سے فوراً نکاح کروں گا جانے سے پہلے میں تمہاری مہک اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں تم میری ہونے والی بیوی ہو ان لمحوں کو امر کر دو ورنہ وہاں تمہارا احساس مجھے سکون سے نہیں رہنے دے گا۔''

عوص یہ گناہ کبیر ہے۔ وہ ایک جھٹکے سے دور جا کر کھڑی ہو گئی

نور یہ گناہ نہیں ہے ہمارے احساس کی بار آوری کے لیے انس بھری ترجمانی ہے عوص باسم کے نپے تلے شیریں الفاظ۔ ان کی غلافی آنکھوں کا دم بخود کر دینے والا سحر ان کے شہد آگیں ہونٹ نور کے لبوں سے مس ہونے کے لیے بیقرار تھے۔ وہ نور کو مکمل طور پر اپنی دسترس میں لینے کے لیے بے چین تھے اب وہ صوفہ پر بیٹھ چکے تھے نوران کے سامنے اضطرابی کیفیت میں کھڑی تھی انہوں نے امپورٹڈ بیئر کا کین انگوٹھے اور انگلیوں کی مدد سے کھولا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگے نور کی پیشانی عرق ریز ہو گئی تھی انہوں نے اسے بھی آفر کی ''میں یہ نہیں پیتی'' نور نے ان کا ہاتھ زور سے جھٹکا۔ وہ حلق کے بل غرائی۔ ''پلیز کول ڈاؤن'' وہ بے باکی سے نور کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ ''نور تم اپنے حواس میں تو ہو؟'' کسی نے اندر سے اسے جھاڑ پلائی۔ دل نے فوراً اکسایا ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور محبت میں سب جائز ہے..... یہ جائز نہیں اندر سے زچ ہوتے ہوئے اسے کچوکے لگائے گئے..... بک رہی ہو تم ایک مسلمان عورت ہو تمہارے مذہب میں اس گناہ کی گنجائش قطعی نہیں ہے..... یہ محبت ہے' نادان دل اسے گناہ کی طرف راغب کر رہا تھا..... کیا کل خدا کے سامنے ندامت اور شرمندگی کا سامنا کر سکو گی؟ نور تم نے کبھی اس گناہ کے بارے میں سوچا بھی نہیں اور اب اپنے ہوس و حواس میں گناہ کرنے چلی ہو..... ہم ایک دوسرے سے بیحد محبت کرتے ہیں۔ نوران سچی محبتوں میں جسموں کی بھوک نہیں ہوتی۔ اندر سے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی گئی۔

عوص باسم شادی سے پہلے یہ سب جائز نہیں ہے۔

نور میں عنقریب تم سے شادی کرنے والا ہوں یہ سب تو ہمارے والہانہ جذبے ہیں کوئی گناہ نہیں۔

Digitized by Google

عقیدہ آؤٹ ڈیٹڈ چیز ہے ہمارے معصوم الوہی جذبوں کے سامنے" نوران کی اس سوچ پر شاکڈ رہ گئی۔

"نور ہم اسٹون دور کے لوگ نہیں ہیں ہم لبرل مائنڈ زمانے کی پیداوار ہیں تم میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو پلیز ان لمحوں کو امر ہو جانے دو" وہ ساکت تھی عوص باسم کے بہکانے والے جملے اس کی سماعتوں میں سوراخ کر رہے تھے..... نور تم کیا کر رہی ہو۔ کسی نے اندر سے اسے بری طرح جھڑکا۔ تمہارے اندر قرآن پاک کے دس پارے خون کی روانی کی مانند اترے ہوئے ہیں۔ بار بار تم نے اللہ کا کلام پڑھا ہے سورۂ رحمان تم نے اتنی بار پڑھی ہے کہ تمہارے جسم کی ایک ایک دراڑ میں آباد ہے پھر کیوں اپنے اس متبرک سراپے کو گندگی کا ڈھیر بنانے پر تلی ہوئی ہو۔ رک جاؤ' رک جاؤ اندر سے ہوتا واویلا چیخ و پکار نے اس کا ذہن سن کر دیا تھا زانی عورت کی دونوں جہاں میں رسوائی ہے کیوں اپنے رب کو ناراض کرنا چاہتی ہو وہ تمہیں بچانا چاہتا ہے اور تم گناہ کے ارادے سے اس جگہ پہنچی ہو سنبھل جاؤ ورنہ خسارے میں چلی جاؤ گی۔ اس نے عوص باسم کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں اس پر گڑی ہوئی تھیں جبھی اچانک اس غفور الرحیم نے نور کو گناہ سے بچانے کے اسباب پیدا کر دیے تھے اسٹرانگ بیئر پینے کی وجہ سے عوص باسم کو الٹی آنی لگی تھی اللہ نے اسے موقع دے دیا تھا کیونکہ مالک یوم الدین اسے اب بھی صراط مستقیم پر چلانا چاہتا تھا عوص کے واش روم جاتے ہی نوران وہاں سے نکل آئی تھی اللہ پاک نے اسے گناہ کبیرہ سے بچالیا تھا لیکن پچھتاوے کی ایک پھانس تھی جو اس کے دل میں گڑ چکی تھی۔ میرے مالک مجھے بھٹکنے سے بچا کر تو نے مجھے اور زیادہ اپنا مقروض بنالیا ہے عزوجل میرے گناہ کی شدت بہت بڑی ہے مجھے معاف فرمادے۔ اسے اچانک چپ لگ گئی تھی۔ میگرین کے اٹیک ہونے لگے تھے۔ ڈاکٹر ذہنی دباؤ وجہ بتاتے تھے نوران کے وہاں سے آنے کے بعد سید عوص باسم بار بار اسے فون کرتے رہے اس نے اٹینڈ نہیں کیے وہ میسجز پر اپنی صفائیاں دیتے رہے اس نے فون سوئچ آف کر دیا تھا جدہ سے واپسی کے بعد عوص باسم نے عادل بلوچ کے پیرنٹس کے ذریعہ نوران کے لیے پرپوزل بھجوایا تھا سکندر علی خوش تھے نور کو اس رشتے کے لیے راضی کر رہے تھے لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

☆.....☆

کیپٹن زریاب کی واپسی میں ابھی تین مہینے باقی تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ نور کے دل کے قریب آتے جا رہے تھے ویک اینڈ پر ان کا فون آجاتا باقی دنوں میسج پر بات ہو جاتی ان کے لہجے کی پور پور سے اداسی جھلکتی تھی وہ نور کو مس کرتے بار بار لکھ کر بھیجتے "نور پوری آرمی فورس کے لیے دعا کیا کرو ہم سے اگلی چیک پوسٹ پر کل بائیس سالہ لیفٹیننٹ شہید ہو گیا ہے کل سے دل بہت اداس ہے اس کی ڈیڈ باڈی اسکے آبائی شہر بھجوادی گئی ہے آج کل یہاں بہت اداسی اور تنہائی ہے چند روز پہلے یہاں کی مین چیک پوسٹ پر بلا اشتعال فائرنگ جاری ہے انڈیا کی باؤنڈری کی جانب سے میجر امان اللہ کی ٹانگ میں گولی لگی ہے۔ شدید برفباری جاری ہے بادل نما دھواں دھند کی صورت ہر سو پھیلا رہتا ہے راستے دشوار گزار ہیں چند فٹ کے فاصلے پر کچھ دکھائی نہیں دیتا ہمارے کمانڈوز دن بھر کی کارکردگی کے دوران فوجی جوانوں کو بریفنگ دیتے رہتے ہیں۔ سر نے خدشہ ظاہر کیا ہے ان چند

Digitized by Google

دنوں کے دوران اس تنہائی خاموشی اور دھند میں مین چیک پوسٹ پر مخالف ضرور مداخلت کریں گے ہماری پوری تیاری ہے جواباً پاک فوج کا ردعمل انتہائی شدید ہوگا ہمارے آفیسر اپنے لیکچرز کے ذریعے جوانوں کا خون گرماتے ہیں مخالفین کسی بھول میں نہ رہیں آپ جوانوں کو ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہونا سرفروشی سے لڑتے ہوئے جام شہادت کو اپنے لیے اعزاز سمجھیں اس ملک کے دفاع کے لیے ہمیں پورا سال ڈیوٹی پر رہنا ہوتا ہے دشمن کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اسے للکارنا ہوگا کرنل صاحب ہر بریفنگ میں حوصلے بڑھاتے ہیں۔ کرنل محمد زبیر حیات ایک کھرے نڈر سپہ سالار تھے جن کی کمان میں یہ دستہ چاق و چوبند رہتا تھا وہ ایک ایک لمحے کی خبر رکھتے تھے عسکری قیادت میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے ملٹری رولز کو ہمیشہ بہت اہمیت دی جاتی ہے ڈیوٹی کے دوران اپنے ملک کے دفاع اور سالمیت کی ہی بات ہوتی ہے۔

ان دنوں نور کا بہت اچھا رشتہ آیا ہوا تھا لڑکا آرمی میں میجر تھا۔ بلوچستان رجمنٹ میں تعینات تھا اچھی فیملی سے تعلق رکھتا تھا ان کی فیملی کے زیادہ تر افراد پاکستان نورسز میں تھے پروپوزل ہر اعتبار سے بہترین تھا سارا نور پر زور دے رہی تھیں ولید نے بھی اسے سمجھایا لیکن نور نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے ابھی آگے پڑھنا ہے پلیز آپ مجھ پر دباؤ نہ ڈالیں۔ اس نے ایم بی اے میں ایڈمیشن لے رکھا تھا..... کیپٹن زریاب حسن واپس آ گئے تھے انہیں جی ایچ کیو ہیڈ کوارٹر میں رپورٹس دینی تھیں فی الحال ان کی بٹالین کا قیام یہیں پر تھا ایکسرسائز مشقوں پر کسی دوسرے شہر جانا تھا کہاں؟ یہ آرڈر ابھی نہیں آئے تھے نور نے انہیں اپنے آنے والے پروپوزل کے بارے میں بتایا تھا..... میں اب ایم بی اے میں ایڈمیشن لے رہی ہوں کیونکہ ان پروپوزل میں سے مجھے کسی ایک سے بھی شادی نہیں کرنی نور کی اس بات پر وہ مسکرائے تھے وہ جانتے تھے کہ نور انہیں ناپسند نہیں کرتی۔ اس ویک اینڈ وہاچانک سیکٹر F-10 پہنچ گئے تھے۔ نور اس وقت کچن میں اپنے لیے ناشتے میں پراٹھا اور چیز آملیٹ بنا رہی تھی۔ اس نے کچن کی ونڈو سے زریاب کی گاڑی ڈرائیو وے پر رکتے دیکھی تھی آملیٹ فرائنگ پین میں الٹتے ہوئے اس کے ہاتھ زور سے لرزے تھے۔ دل کا موسم ایک دم شاندار ہوگیا تھا۔ آملیٹ پلیٹ میں رکھ کر اس نے جلدی سے ہاتھ واش کیے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی انہوں نے غیر ارادی طور پر بائیں جانب کچن کی طرف دیکھا۔ نور انہیں دکھائی دی جوان کی موجودگی سے بے خبر مصروف سا انداز اپنا چکی تھی جیسے وہ ان کی آمد سے لاعلم ہے۔ زریاب حسن نے چار سو نظر دوڑائی گھر کا کوئی اور مکین انہیں دکھائی نہ دیا وہ دبے قدموں سے کچن میں آ گئے نور چائے بنانے میں مصروف تھی اس کے عارضوں کے ڈمپل گہرے ہوگئے تھے ہونٹوں کے بیچوں بیچ گہری آسودہ مسکراہٹ دبی تھی خیرہ کرتی آنکھوں کو نارمل کرنے کی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ نور کی پشت کے نزدیک آ کر انہوں نے سرگوشی کی ''ہیلو اچھی لڑکی'' نور نے چونکنے کی ایکٹنگ کی اور سرعت سے کیپٹن زریاب کی طرف پلٹی۔ وہ بھرپور انداز میں مسکرائی تھی ''آپ؟''

''جی بندہ حاضر'' سینے کی طرف ہاتھ لے جاتے ہوئے قدرے جھکے ''آپ نے اپنے آنے کی اطلاع کیوں نہ دی''

Digitized by Google

''سر پرائز دینا چاہتا تھا تمہیں'' دونوں کے چہروں پر نرمیاں گھلی ہوئی تھیں۔

''کب آئے ہیں؟''

''تین دن پہلے.....''

''اور یہاں اب آرہے ہیں'' نور کی خوشی اور وارفتگی دیدنی تھی۔

نوران سکندر میں ایک ذمے دار فوجی ہوں انکل آنٹی کہاں ہیں؟ یہ ناشتا میرے لیے بنایا ہے تم نے ایک عرصہ ہوا اس قسم کا ناشتا کیے'' کاؤنٹر پر رکھیں دونوں پلیٹ اٹھا کر کچن کے ڈائننگ ٹیبل پر لے آئے اب وہ نور کو انگور کیے رغبت سے ناشتا کررہے تھے۔ ''چائے میں چینی کم ڈالنا''

''جانتی ہوں'' وہ دل سے مسکرا رہی تھی آج۔ نور دو کپ چائے لیے ان کے نزدیک آکر بیٹھ گئی ''نور پراٹھے تو تم بہت زبردست بناتی ہو' دانے دانے پر لکھا ہوتا ہے کھانے والا کا نام'' وہ تو بس ان کی باتیں سنتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی کیپٹن زریاب اس وقت بہت ہینڈسم دکھائی دے رہے تھے۔ لائیٹ براؤن عوامی سوٹ میں کھلتی رنگت نمایاں تھی خیرہ کرتی آنکھوں سے والہانہ اسے دیکھتے رہنا یہ دونوں کو ارفع واعلیٰ محسوس ہورہے تھے

نور میں نے تمہیں بہت مس کیا۔ اثبات میں سر ہلاتے نور نے ہونٹوں کو آہستگی سے دبایا اس کی آنکھوں کی چمک مزید تیز ہوگئی ''تم ناشتا نہیں کروگی' اسے چائے کے سپ بھرتے دیکھ کر بولے ''نہیں''

''بھوک نہیں رہی.....''

''کیوں؟''

''بھوک نہیں رہی'' کیپٹن زریاب نے چونک کر اسے گھورا'' بھوک ختم ہونے کی وجہ؟'' ان کی پوری توجہ نور پر تھی ''آپ کو اچانک اپنے سامنے پاکر''

''نور تم نے مجھے مس کیا'' نور نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

''مائی گاڈ!'' وہ زور زور سے ہتھیلی گال پر رگڑ رہے تھے۔ ہاتھ میں پکڑے ٹشو کا مسلسل گولا بنا رہے تھے نوران کی کیفیت کو انجوائے کرتے ہوئے چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ بھرتی رہی۔

''نور سیاچن جانے سے پہلے تمہیں کچھ کہہ کر گیا تھا میری اس بار پر نظر ثانی کی؟''

''ہوں کی''

''پھر.....؟''

''ابھی کسی فیصلے پر نہیں پہنچی''

''پلیز نور اب میرے حق میں فیصلہ دے دو میرے پیرنٹس مجھے شادی کے لیے فورس کررہے ہیں'' اب وہ جواب دیے بغیر چائے کے بڑے بڑے گھونٹ بھرتی رہی

''زریاب حسن آپ کس وقت آئے؟'' سارا کچن میں آگئیں۔

السلام علیکم آنٹی'' انہیں دیکھ کر وہ کھڑے ہوگئے۔ ''وعلیکم سلام..... آپ نے آنے کی اطلاع نہیں دی''

''میں نے سوچا اچانک آپ سے ملاقات کی جائے'' انہوں نے کن انکھیوں سے نور کی طرف دیکھا۔

''تم نے اچھا کیا جو آگئے تمہارے انکل تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے یقیناً آج وہ تمہارے ساتھ شطرنج کی بازی بھی لگائیں گے تم سے جیت کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔''

''بالکل جی جس طرح مجھے اپنی مات پر خوشی ہوتی ہے۔'' زریاب یہ بات تم نے خوب کہی۔

Digitized by Google

ناشتا کیا؟''

جی نور نے اپنے لیے بنایا ہوا تھا وہ میری قسمت میں آ گیا۔'' تب انہوں نے چپکے سے وش کی اچھی لڑکی خدا تمہیں میرے نصیب کی لکیروں میں آباد کردے۔ نور اس وقت سارا ماں کے لیے چائے بنا رہی تھی کیپٹن زریاب نے اس کی طرف دیکھا ''نور میرے لیے ایک کپ چائے اور بنانا''

''اچھا'' نور نے مڑ کر جواب دیا۔

''تمہارے انکل کے دوست مل گئے ہوں گے پارک میں ان سے گپیں لگا رہے ہوں گے میں فون کرتی ہوں۔'' وہ لاؤنج میں آ گئے تھے پورا دن یہاں گزارا تھا۔ کیپٹن زریاب نور کو کچھ دیر کے لیے باہر لے جانا چاہتے تھے اس وقت چائے کے ساتھ باتوں کا دور بھی چل رہا تھا ''نور آئس کریم کھانے چلیں..... آج میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے سارا ماں ارسکندر علی نے بھی اصرار نہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آج کی تاریخ میں اس کا انکار کبھی ہاں میں نہیں بدلے گا۔

زریاب مجھے اور آنٹی کو کسی دوست کے ہاں جانا ہے دراصل اجمل ملک کئی دنوں سے بلا رہا تھا اور پروگرام بھی آج ہی کا بنا تھا۔

انکل آپ لوگ ضرور جائیں میں بھی بس تھوڑی دیر تک جانے والا ہوں۔

او کے بیٹا۔ اس وقت نور اور کیپٹن زریاب لان میں بیٹھے رسمی گفتگو کر رہے تھے۔

''نور.....'' انہوں نے اسے پکارا '' بولیں.....''

سیاچن جانے سے پہلے میں نے تم سے کچھ کہا تھا..... واٹ؟..... وہ انجان بن کر بولی۔ ''نور میرے پیرنٹس اب مجھ پر پریشر ڈال رہے ہیں انہیں اپنی پسند بتاؤں ورنہ وہ اپنی مرضی سے میرے لیے رشتہ ڈھونڈ لیں گے۔''

''کیپٹن زریاب میں نے آپ کو بتایا تھا ناں مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔''

''لیکن کیوں جبکہ تمہارے والدین اب تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں''

''میں ایم بی اے کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں''

''نور تم اکنامکس میں ماسٹرز کر چکی ہو ایم بی اے شادی کے بعد بھی کر سکتی ہو پلیز نور..... ان کی آنکھوں میں التجائیں تھیں۔ ان چند مہینوں کے دوران نور نے بھی بہت سوچا تھا وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اسے اپنے ماضی کے بارے میں سچائی کے ساتھ کیپٹن زریاب کو سب کچھ بتا دینا چاہیے اب تو وہ فیصلہ مجھ سے مانگ رہے ہیں میرے بارے میں جان کر فیصلہ وہ کرے گا اور مجھے اس کا ہر فیصلہ قبول ہوگا وہ گویا ہوئی۔

''زریاب آپ ایک بہترین انسان ہیں جو بھی لڑکی آپ کی زندگی میں آئے گی وہ خوش نصیب ہوگی''

''وہ خوش نصیب لڑکی تم کیوں نہیں بن جاتیں۔''

''میرے ایسے نصیب کہاں'' اس کی آنکھوں میں بیقراری اور اضطراب اتر آیا تھا۔

''نور میں تمہارا نصیب بننے کے لیے ہی تو تمہاری خوشامد کر رہا ہوں۔''

''کیپٹن زریاب میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں'' وہ سیدھے ہاتھ کی انگلیاں زور سے دبا رہی تھی اس کے ہاتھ ٹھنڈے تھے ہارٹ بیٹ تیز ہو چکی تھی چند لمحے خود کو نارمل کرنے میں لگ گئے۔

''بولو نور!''

Digitized by Google

''مجھے ایک سید زادے سے محبت ہوگئی تھی'' پھر اس نے مناسب الفاظ میں مختصراً بتادیا وہ کیسے عوص باسم سے ملنے گئی تھی یہ اس کی باتوں کے بہکاوے میں چلی جاتی اگر اس وقت میرا اللہ میری مدد نہ کرتا ۔میں گناہ کے ارادے سے اس سے ملنے نہیں گئی تھی بات کو مکمل کرتے ہوئے وہ سسک پڑی ۔کیپٹن زریاب خاموش تھے۔

اب آپ ہی بتائیں میں آپ جیسے اچھے انسان کی زندگی میں کیسے داخل ہوسکتی ہوں ۔اب میں پچھتاوں میں گھری رہتی ہوں اپنے اللہ کو مناتی رہتی ہوں کہ میں نے اس آدمی سے دوستی کیوں رکھی اسی وجہ سے میگرین کی مریضہ بن گئی ہوں میری زندگی مجھ سے روٹھ گئی ہے میں تو خود کو کسی بھی شریف مرد سے شادی کے قابل نہیں سمجھتی۔'' اس دوران کیپٹن زریاب دوسرا سگریٹ سلگا چکے تھے جو کب سے ان کی انگلیوں کی پوروں میں دبا ہوا تھا آدھے سے زیادہ جل کر راکھ کی شکل اختیار کرچکا تھا ان کی ساکن پتلیوں میں بے چینی تھی انہوں نے سگریٹ کی راکھ گھاس پر جھاڑ دی ایک طویل کش لیا دھواں مرغولوں کی شکل میں ان کے اطراف پھیلنے لگا دھوئیں کے اس پار نور کو ان کا چہرہ دھندلا دکھائی دیا۔ نور کے سینے میں درد کی ہوک اٹھی اس کی وجہ سے کیپٹن زریاب ڈسٹرب ہوئے تھے''نور.....؟'' انہوں نے بوجھل لہجے میں اسے پکارا نور نے وارفتگی سے انہیں دیکھا وہ قدرے ریلکس تھی بات کہہ دینے سے اس کے دل کا بوجھ اتر چکا تھا''تم مجھے پسند کرتی ہو؟''

کیپٹن زریاب آپ کو بھلا کون لڑکی پسند نہیں کرے گی؟''

میں صرف تمہاری بات کررہا ہوں''

اس نے اثبات میں پلکوں اور ہونٹوں کو جنبش دی

''یہ تمہارے دل کا فیصلہ ہے؟''

بالکل میرے دل کا فیصلہ ہے دل کی خلش میں نے ایمانداری سے آپ سے شیئر کی ہے کیونکہ میں نیک نیتی سے آپ کی زندگی میں داخل ہونا چاہتی تھی کیپٹن زریاب اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔''

''میں فیصلہ کرچکا ہوں'' چہرے پر قدرے سنجیدگی بھر کر بولے ''جلدی سے پھر کہہ دیں'' اس کی سانسیں اتھل پتھل ہورہی تھیں اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی تھی ۔ان کے ہونٹوں کے کناروں پر مسکراہٹ اتری ''اس ویک اینڈ میرے پیرنٹس آئیں گے میرا پروپوزل لے کر'' نور حیرت و بے یقینی سے انہیں گھور رہی تھی وہ بدستور مسکرا رہے تھے اور پھر اچانک فرط جذبات سے وہ بھی کھل کر مسکرائی تھی گزشتہ دنوں کی بے اعتباریوں کا مفہوم اب کی بار کے اعتبار میں پوشیدہ تھا دونوں ایکسائیٹڈ لگ رہے تھے ان لمحوں میں کیپٹن زریاب کی آنکھوں کے گداز پن نور کو گہری طمانیت سونپ گئے تھے''زریاب حسن اچھی طرح سوچ لیں کہیں آپ کا فیصلہ جذباتی تو نہیں'' نور قدرے کنفیوژ تھی لیکن ان کے ایموشنز نور سے چھپے نہیں تھے''نور کسی کو پسند کرنا معیوب بات نہیں ہے تم نہیں جانتی تھیں کہ تم غلط شخص کا انتخاب کررہی ہو اس میں تمہارا قصور نہیں ہے خدا نے اس کے شر سے تمہیں محفوظ رکھا تم نے سچائی سے مجھے بتادیا میرے دل میں تمہاری قدر بڑھ گئی ہے میرے دل میں کبھی تمہارے لیے بدگمانیاں پیدا نہیں ہوں گی کیوں کہ ہم دونوں بھرپور اعتماد کی بنیاد پر اس رشتے کو قائم رکھیں گے اگر ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں ہو تو رشتے نہیں بنتے آج ہم دونوں ایک دوسرے سے وعدہ کریں کہ کبھی ایک دوسرے کا بھروسہ نہیں توڑیں گے تم اپنے ذہن سے وہ پل نکال دو بس ہم دونوں یہ

Digitized by Google

تصور کریں کہ ایسا کچھ تھا ہی نہیں غیر ارادی طور پر کبھی کبھار غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں انسان ان غلطیوں سے سیکھ کر آئندہ بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ بھی ایسے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

کیپٹن زریاب اس واقعہ کے بعد میں نے اپنی ہر سانس میں اپنے اللہ سے معافی مانگی ہے رو رو کر سجدوں میں گر گر کر اپنے پاک پروردگار کو مناتی رہی اچانک میرے دل کو سکون آ جاتا میں خوش ہو جاتی کہ میرا مالک میری فریاد سن رہا ہے میرا اللہ میرے بہت قریب ہے پھر میں نماز کی پابند ہو گئی پہلے میں نے دس پارے حفظ کیے ہوئے تھے اس دوران میں نے باقی قرآن بھی حفظ کر لیا مجھے اللہ کے کلام نے اس کی نماز نے اس رب کائنات سے ملا دیا۔

''ہاں نور رب کُل نے تمہیں مجھ سے بھی تو ملانا تھا اللہ بندے کی نیت دیکھتا ہے'' نور نے اثبات میں سر ہلایا اس کی آنکھوں میں تشکرانہ نمی پھیلی تھی۔

''کیپٹن صاحب اب آپ کو بھی نماز کا پابند ہونا پڑے گا''

''نور تم سے ملنے کے بعد میں نماز روزے کا پابند ہو گیا ہوں جب ایک نیک عورت بیوی کی صورت میرے ساتھ ہو گی تو میں انشاء اللہ رب کی تسبیح کرنے والے بندوں میں شمار ہو جاؤں گا نور جب اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ نیک عورتوں کے لیے نیک مرد ہوں گے۔ دین کی ہدایت اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے لیکن کوشش بندے کو بھی کرنی چاہیے سو ایک نیک عورت کی سنگت میں اپنا نامہ اعمال اللہ کے حکم کو مانتے ہوئے بنانے کی کوشش کروں گا تا کہ میں بھی صالحین کی صف میں شامل ہو جاؤں''

''آمین.....'' نوران نے با آواز بلند کہا تو دونوں کے چہروں پر آسودہ دائمی مسکان پھیل گئی۔ ☆☆

سانحۂ پشاور

۱۶/ دسمبر ۲۰۱۴ء

ڈاکٹر نزہت عباسی

اشک آلود ہوائیں بھی لہو روتی ہیں
آج غمگین فضائیں بھی لہو روتی ہیں

کبھی معصوم ہنسی رقص کناں تھی ہر سُو
آج خاموش صدائیں بھی لہو روتی ہیں

آ کے چھپ جاتے تھے بچے جو کبھی ڈرتے تھے
آج ماؤں کی ردائیں بھی لہو روتی ہیں

ہونٹ خاموش ہیں الفاظ نہیں ہیں باقی
ہاتھ زخمی ہیں دعائیں بھی لہو روتی ہیں

آج امیدوں کے تاریک در و بام ہوئے
وہ ہے ظلمت کہ ضیائیں بھی لہو روتی ہیں

☆☆

Digitized by Google

دوشیزہ ٹوٹکے

جمیل النساء

ادرک کے فوائد

موسم سرما شروع ہوتے ہی نزلہ، زکام اور کھانسی حملہ آور ہوجاتے ہیں، ان بیماریوں کے ساتھ روزمرہ کے کام کرنا بہت دشوار امر ہے اس لیے آج ہم آپ کو ایک ایسی چائے کے بارے میں بتارہے ہیں جو ان تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ بھی ہے اور پینے میں مزے دار بھی ہے۔ یہ آپ اپنے مہمانوں کو بھی پیش کرسکتے ہیں۔

ادرک کا ایک چھوٹا ٹکڑا
دار چینی پسی ہوئی چوتھائی چائے کا چمچہ
ایک عدد الائچی
شہد

دو کپ پانی میں ادرک کا ٹکڑا اور الائچی ڈال کر خوب ابال لیں یہاں تک کہ دو کپ پانی ایک کپ رہ جائے۔ اب ادرک والی چائے کو کپ میں نکال کر اس میں آدھا چمچہ شہد ملائیں اور پسی دار چینی چھڑک لیں روزانہ دن میں دوبار یعنی صبح اور شام یہ چائے پئیں اور موسمی اثرات سے محفوظ رہیں۔

ادرک والی چائے وزن گھٹانے میں بھی بہت کارآمد ہے کیونکہ یہ جسم سے فاضل چربی نکال دیتی ہے۔ ہائپر ٹینشن اور کینسر کے جراثیم سے بھی نجات دلاتی ہے۔

تروتازہ جلد

آج کل Botox کا بڑا رواج ہے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا چہرہ تروتازہ اور کم عمر نظر آئے۔ صرف خواتین ہی نہیں مرد حضرات بھی اپنے اوپر بہت توجہ دینے لگے ہیں۔ تو آیئے ہم آج آپ کو چہرے کی جلد جوان اور تروتازہ رکھنے کا ایک سہل ٹوٹکا بتاتے ہیں جو خواتین کے ساتھ ساتھ مرد حضرات بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

ایک عدد انڈے کی سفیدی
آدھا چائے کا چمچہ ناریل تیل
آدھا لیموں کا رس

ان اجزاء کو خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ چہرہ دھوکر خشک کرلیں اور پھر یہ ماسک چہرے پر لگا کر صرف 15 منٹ کے لیے لیٹ جائیں ماسک جب خشک ہوجائے تب ٹھنڈے پانی سے دھوکر گیلے چہرے پر ہی دو قطرے ناریل کا تیل لگالیں پھر خشک کرلیں آپ دو دفعہ کے استعمال کے بعد ہی محسوس کریں گے کہ آپ کی جلد نرم وملائم اور شگفتہ ہوگئی ہے۔

کیلے کے فوائد

کیلا ایک ایسا پھل ہے جو 12 مہینے بڑے آرام سے دستیاب ہوتا ہے۔ قیمتاً کم ہے لہٰذا ہر قسم کی آمدنی والا شخص اس پھل سے فائدہ اٹھاسکتا ہے۔

Digitized by Google



کیلے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ پوٹیشیم سے بھرپور غذا ہے لہٰذا دن میں دو کیلے آپ کو مکمل غذائیت دیتے ہیں۔

اب آتے ہیں کیلے کے چھلکوں سے حاصل فوائد کی طرف کیونکہ ہم تو بچپن سے ہی سنتے اور دیکھتے آئے ہیں کہ کیلے کا چھلکا صرف گرانے کے کام آتا ہے کہیں راستے میں پڑا ہو تو چلنے والے کا پھسلنا لازمی ہے لیکن آپ لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ کیلا کا چھلکا دانتوں پر ملنے سے دانتوں کی پیلاہٹ دور ہوتی ہے۔ خواتین کی آنکھوں اور ہونٹوں کے پاس موجود جھریاں بھی کیلے کا چھلکا ملنے سے رفتہ رفتہ غائب ہو جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ جسم پر موجود دانے یا کسی بھی قسم کے مسے سب دور ہو جاتے ہیں۔ کیلے کے چھلکے میں وٹامن B-6 اور B-12 موجود ہے جو میگنیشیم اور پوٹاشیم سے بھرپور ہے۔

اسی لیے یہ ہر قسم کے فنگس اور بیکٹریا کو دور کرتا ہے۔ جلد کو تر و تازہ رکھتا ہے اور مچھروں کے کاٹے سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

لونگ

شوگر کے مریضوں کے لیے نہایت مفید گھریلو ٹوٹکا لونگ ہر گھر میں موجود ہوتی ہے ہم کھانوں میں دو سے 4 عدد لونگیں استعمال کرتے ہیں اور اکثر لوگ کھانا کھاتے وقت انہیں پلیٹ میں ایک طرف رکھ دیتے ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ لونگ قدرتی طور پر جسم میں گلوکوز کے لیول کو کم کرتی ہے قدرتی انسولین پیدا کرتی ہے اور خون میں کولیسٹرول کی مقدار بھی مناسب رکھتی ہے۔

اس طرح شوگر کے مریضوں کو دل کی تکلیف نہیں ہوتی لونگ کو پیس کر اگر اپنے کھانوں پر چھڑک کر کھایا جائے تو خوشبو اور مزے کے ساتھ صحت بھی ملتی ہے۔

☆☆.....☆☆

Digitized by Google

ہمارے فنکار

ڈی خان

میادھانی

میادھانی پاکستانی نژاد امریکن ماڈل ہیں' انتہائی کم عمر اس ماڈل نے بے شمار انعامات کے ساتھ



لاکھوں دلوں کو بھی جیتا ہے۔ میادھانی کے 50 ہزار فینز ہیں جو انہیں فالو کرتے ہیں۔ صرف 4 سال کی عمر میں میا ماڈلنگ انڈسٹری کا ایک چمکتا دمکتا ستارہ بن چکی ہیں۔ پچھلے دنوں میا کی تصاویر نے انٹرنیٹ پر دھوم مچادی جس میں وہ برفانی بھیڑیوں کے ساتھ کھڑی نظر آئیں۔ اس ننھی ماڈل کو لوگ پرستان کی شہزادی تصور کرتے ہیں۔

کنزا ہاشمی

کنزا ہاشمی کا تعلق لاہور سے ہے۔ کنزا 7 مارچ 1997ء کو پیدا ہوئیں اس حساب سے اُن کا تعلق برج حوت سے ہے۔ کنزا کو بچپن سے ڈراموں میں کام کرنے کا شوق تھا اور صرف 17 سال کی عمر میں



انہوں نے اس انڈسٹری میں اپنا پہلا قدم رکھا' اس وقت کنزا ایک کامیاب اداکارہ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بے انتہا مصروف بھی' اس وقت کنزا کی عمر صرف 20 سال ہے اور وہ کئی مشہور ڈیزائنرز کے ساتھ بھی کام کر چکی ہیں کنزا کا پہلا ڈرامہ 'ادھورا ملن' تھا۔ شہرت 'سورنجل' سے ملی ڈراموں کے بعد کنزا اب فلمی دنیا کا روشن ستارہ بنے جارہی ہیں بہت جلد ہم انہیں پاکستانی فلم میں جلوہ گر ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔

بابر خان

بابر خان 13 جون 1983ء کو کراچی میں پیدا ہوئے پہلی شادی ثناء خان سے ہوئی جس کا اختتام ثنا

Digitized by Google

کی موت پر ہوا دونوں میاں بیوی کا انتہائی ہولناک ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں ثنا کی موت ہوگئی شادی کے فقط چند ماہ بعد بابر نے دوسری شادی اپنی کزن بسمہ سے کی اور اب اُن کی ایک بیٹی مریم اور بیٹا ابراہیم ہیں۔ بابر نے ابتدا بطور ماڈل کی اور پھر کامیابیوں کا زینہ چڑھتے چڑھتے ڈرامہ انڈسٹری میں قدم رکھا۔ بابر کو شہرت ہم ٹی وی کے ڈرامے ایک تمنا لاحاصل سی سے ملی۔ بابر کی زندگی میں وہ دور بہت مشکل تھا جب پہلی بیوی کا انتقال ہوا وہ



ڈپریشن میں چلے گئے اور خودکشی کا بھی ارادہ کیا مگر پھر گھر والوں اور دوستوں نے بابر کو سنبھالا اور آج بابر ایک بار پھر نارمل زندگی کے سفر پر گامزن ہیں۔ اس وقت کئی ڈراموں میں آرہے ہیں اور کئی پراجیکٹ پائپ لائن میں ہیں۔

دانش تیمور

دانش تیمور نے اپنے فن سفر کی ابتداء 2005ء میں کی' 2015ء میں پہلی فلم جیلس کی' دانش کی سالگرہ 16 فروری 1983ء ہے۔ دانش کے اہل ذکر ڈراموں میں میری بہن مایا' شرط' منچلے' جب وی ویڈ' ساری بھول ہماری تھی' ایک پل' رہائی' دیکھ اب خدا کیا کرتا ہے سرفہرست ہیں۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے اس فنکار کی بیگم بھی مشہور ڈرامہ آرٹسٹ علیزے خان ہیں۔ دانش کے بھائی زاہد تیمور بھی ماڈل ہیں۔ دانش کے دو بچے ہیں۔ اور اس وقت یہ



جوڑا انتہائی خوشگوار زندگی گزار رہا ہے۔ دانش نے کئی فلمیں کیں جن میں رانگ نمبر' مہر النساء' وجود اور تم ہی تو ہو قابل ذکر ہیں۔

منیب بٹ

منیب بٹ نے ڈرامہ انڈسٹری کو 2015ء میں جوائن کیا۔ تاریخ پیدائش 9 فروری 1984ء ہے۔ اقراء یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے اس فنکار نے بطور ماڈل اپنے کیریئر کی ابتدا کی منیب کا ایک بھائی اور بہن ہیں منیب گھر میں سب سے بڑے ہیں۔ منیب کی شادی اداکارہ ایمن



خان سے طے ہے' منیب کے قابل ذکر ڈرامے زندان' خواب سرائے' تم یاد آئے' خاتون منزل' بے قصور اور رشتوں کی ڈور ہیں۔ پہلی فلم 2015ء میں ہلا گلا آئی اور اگلی فلم عشق 2020ء جو 2016ء میں ریلیز ہوئی۔ منیب فی الحال بہت مصروف ہیں' شائقین بہت جلد انہیں سلور اسکرین پر ایک بار پھر دیکھیں گے۔

☆☆.....☆☆

Digitized by Google

سخن زار

دس منٹ کی ملاقات

پہلی بار ایسا ہوا کہ کچھ
کہا نہیں گیا تھا
آخری بار کھڑا ہوا تھا
وہ میرے سامنے اور
یہ دکھ مجھ سے
سہا نہیں گیا تھا
وہ التجا کر رہا تھا کہ
اک بار مسکرادوں میں
مگر روئے بنا
رہا نہیں گیا تھا
آسمان بھی رو پڑا تھا
ہم دونوں کی جدائی پر
افسوس ہو رہا تھا مجھے
قسمت کی بے وفائی پر
میری مسکراہٹ اُس کے
ساتھ جا رہی تھی
وہ دور جا رہا تھا اور
اُداسی پاس آ رہی تھی
دس منٹ کی ملاقات
ہمیشہ یاد رہے گی
تا حیات میرے
ساتھ رہے گی

شاعرہ: سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

نظم

میرے کوزہ گر.....
مجھے وقت کی آنکھوں سے سینک کر
کوئی نقش دے
جو تیرے کرم سے سجا ہوا
جبیں پھیر دے
میرے کوزہ گر.....
میں کہ جسد خاکی کی وحشتوں کی امین ہوں
مجھے آفرین نگار دے
مجھے آب جو سا قرار دے
جو تیرے کرم پہ ہی مر مٹے
میری خاک کو وہ شفا بنا
میرے کوزہ گر.....
میں کہ بھربھری سی جوریت ہوں
میرے گرد ذروں کو چھانٹ کر
مجھے آگ میں تو سینک کر
میرے نقش کو تو ہی نور کر
مجھے رنگ کر
وہی رنگ دے
جو تیری رضا سے حسین ہو
میرے جسم و جاں پہ نگین ہو
مجھے پاٹ دے
وہی آگ دے
مجھے لم یزل سا رباب دے
میرے کوزہ گر.....
میری چاک سے
مجھے چھانٹ لے
میرے کوزہ گر.....

شاعرہ: ارم ایوب

Digitized by Google

غزل

محبت کے جاہ حشم ہم نہ سمجھے
کیے تھے جو تم نے ستم ہم نہ سمجھے
چراغوں کو گھر سے بجایا گیا ہے
تیری ظلمتوں کے ستم ہم نہ سمجھے
تمہیں ہم سے کیسے محبت ہوئی ہے
تیری چاہتوں کا یہ غم ہم نے سمجھے
تیری ذات کی جو وفا یاد آئی
مگر تیرے رنج و الم ہم نہ سمجھے
فریدہ بھی بات سمجھے ہیں ان کی
تیرا ساتھ بھی دو قدم ہم نہ سمجھے

شاعرہ: فریدہ فری۔ لاہور

ایک راز

زندگی کے بے کیف دنوں میں
ڈھونڈا میں نے ایک راز
ایک ہی غم میں بیتے جانا
نہیں ہے کوئی اچھی بات
دکھ سکھ تو سب پہ آئیں
یہ تو سب کو جینا سکھائیں
جتنا زور سے کوئی گرتا ہے
وہ اتنی اونچی اڑان بھرتا ہے
جب تک ہے جسم میں جان
نہ مانو تم ہار سے ہار
آندھیاں چلتی ہیں تو چلیں
ہم رب کو ماننے والے ہم کیوں ڈریں
بات میری اتنی رکھنا تم یاد
بنا پر بھی ہو جاتی ہے پرواز

شاعرہ: انیلا طالب۔ گوجرانوالہ

برزخ

او میرے احساس کے پروردگار
تُو مرے کرب کی شدت ذرا محسوس تو کر
میں تو عیسیٰ بھی نہیں
میں تو مٹی سے تراشا ہوا آدم ہوں محض
برزخ زیست میں تنہا تنہا
اپنے کاندھے پہ اٹھائے ہوئے خود اپنی صلیب
میں نے صدیوں کی مشقت کا اٹھایا ہے عذاب
پھر بھی پژمردہ رہا زخم محبت کا گلاب
میری نوخیز امیدوں کی نیلی پریاں
مجھ سے گریزاں ہی رہیں
میری آنکھوں میں سجے حسین خوابوں کے محل
قبر بنتے ہی رہے
میری آنکھوں کے کناروں کی نمی
کہکشاں بن نہ سکی
لب دریا بھی رہی تشنہ لبی کی خواہش
میرے الفاظ میری ذات کا سچ کہہ نہ سکے
تو میرے کرب کی شدت ذرا محسوس تو کر
تو میرے پاس تو آ
میرے اطراف جھلستے ہوئے خوابوں کا دھواں
میری شریانوں میں بہتا ہوا بے جان لہو
میرے ہر خلیہ میں انگارۂ دوزخ سی تپش
اور نا کردہ گناہوں کے عوض
اپنے کاندھے پہ اٹھائے ہوئے میں اپنی صلیب
دھواں
صلیب
اور میں
برزخ زیست میں تنہا تنہا
تو میرے کرب کی شدت ذرا محسوس تو کر
اے میرے احساس کے پروردگار

شاعرہ: ڈاکٹر عزیزہ انجم

Digitized by Google

دوشیزہ گلستان

ترتیب: ارم حمید

صبح کی دعا

ہر صبح کا آغاز اُس ذات بابرکت کے نام سے جس کے دست قدرت میں تمام جہانوں کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو ہماری (توشۂ اعمال) سے محو فرمادے۔

اور ہمیں نیک لوگوں کی سنگت میں موت دے، وقت نزع کلمہ شہادت نصیب فرما۔

میرے نبی ﷺ کا فرمان

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔'' (مسلم 725)

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ ''ہر شے کا ایک حسن ہوتا ہے اور نیکی کا حسن یہ ہے کہ فوراً کی جائے۔''

سدرا نور۔ جہلم

عجیب مخلوق

انسان بڑی دلچسپ مخلوق ہے۔ یہ جانور کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا مگر دوسرے انسان کو مصیبت میں مبتلا کر کے خوش ہوتا ہے۔

انگریزی زبان سے شکوہ

جیتی جاگتی امی کو ممی اور زندہ باپ کو ڈیڈ کہتی ہو، اور تو اور سمندر کے کنارے کو بیچ کہتی ہو۔

ذہانت اسی کا نام ہے

''پانی ابالنے سے جراثیم اگر مرجاتے ہیں تو اُن کی لاشیں تو پانی ہی میں تیرتی رہتی ہیں نا؟''

خولہ عرفان۔ کراچی

پروین شاکر

میں یادوں کا قصہ کھولوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
میں گزرے پل کو سوچوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
اب جانے کون سی نگری میں
آباد ہیں جا کر مدت سے
میں دیر رات تک جاگوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
کچھ باتیں تھیں پھولوں جیسی
کچھ لہجے خوشبو جیسے تھے
میں شہر چمن میں ٹہلوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں
وہ پل بھر کی ناراضگیاں
اور مان بھی جانا پل بھر میں
اب خود سے بھی میں روٹھوں تو
کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں

پروین شروانی۔ کراچی

Digitized by Google

پردہ

معافی ' محبت اور عبادت
سب پردے کی چیزیں ہیں

فرق

اچھی بیویاں وہ ہوتی ہیں جو شوہر کو اچھی طرح پریشان کرتی ہیں اور بری بیویاں وہ ہوتی ہیں جو شوہر کو بری طرح پریشان کرتی ہیں۔

زبان

منہ میں زبان تو سب رکھتے ہیں
مگر کمال وہ کرتے ہیں جو اُسے سنبھال کر رکھتے ہیں

رواـ لاہور

کلاسک

70 سالہ ریٹائرڈ آرمی آفیسر کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا ایک دن وہ دریا میں شکار کر رہا تھا کہ اُسے آواز آئی۔

''اے مجھے اٹھاؤ۔'' آرمی آفیسر نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا دور دور تک کوئی نہیں تھا اسی اثنا میں آواز پھر آئی۔

''سنتے نہیں ہو مجھے اٹھاؤ'' بوڑھے نے حیرت سے پھر اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے پانی میں ایک چھوٹا سا مینڈک نظر آیا اُس نے مینڈک کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر اٹھالیا تب مینڈک بولا۔

''بڑے میاں اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری بیوی دنیا کی حسین ترین عورت ہو جسے دیکھ کر تمہارے دوست اور ملنے والے حسد کریں تو فوراً مجھے چوم لو۔ میں ایک حسین ترین دوشیزہ میں تبدیل ہو جاؤں گی۔'' بوڑھے نے یہ سنتے ہی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی اور مینڈک کو اس میں بند کر دیا۔

''بڈھے کیا تم پاگل ہو مجھے فوراً چوم لو تا کہ میں.....'' آرمی آفیسر نے مینڈک کی بات مکمل ہونے سے پہلے اُس کے سر پر چپت لگا کر کہا۔

''ابے چپ' بدزبان اور چڑچڑی بیوی سے بہت اچھا ہے کہ میرے پاس بولنے والا مینڈک ہو۔''

سبق: ''یہی کہ وقت کے ساتھ ساتھ عمر بھی بڑھتی ہے اور درست فیصلے کرنے آجاتے ہیں۔''

صومعہ شریف۔ کینیڈا

امریکہ کے مشہور بزنس مین وارن بوفے کہتے ہیں

آپ کی پریشانیوں اور دکھوں میں اُس وقت تک کمی نہیں آسکتی جب تک آپ اپنے اندر سے جذباتیت ختم نہیں کر لیتے' ہر صورت حال میں خاموشی سے بیٹھ کر جائزہ لینا اور فوری ردعمل نہ دینا بہت بڑی کامیابی ہے۔ اگر لوگوں کی باتیں آپ کو دکھ دیتی ہیں تو یقین کر لیں آپ کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ ناپسندیدہ صورتحال میں گہری سانس لیں اور آگے بڑھ جائیں۔

چند غیر معمولی نوٹس بورڈز

محکمہ جنگلات: چڑیوں کا شکار کیجیے مگر کیمرے سے.....

محکمہ ٹریفک: خون عطیہ کرنا نیکی ہے مگر سڑکوں پر نہیں.....

پیٹرول پمپ: سگریٹ پینا منع ہے آپ کی زندگی سستی ہو سکتی ہے مگر ہمارا پیٹرول پمپ بہت مہنگا ہے.....

ہسپتال: اگر آپ حسین لڑکیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں مرنے کے بعد بھی تو اپنی آنکھیں عطیہ کیجیے۔

ثاقب علی۔ ملتان

چٹنی

شوہر: ''اتنی اچھی چٹنی کیسے بنا لیتی ہو؟''

بیوی: ''بناتے وقت آپ کا دھیان کر لیتی ہوں

Digitized by Google

کونے میں خود بخود جان آجاتی ہے۔"

مسز علی۔ ملتان

سائنس کے کرشمے

پہلے کنویں کا میلا گدلا پانی پی کر بھی 100 سال جی لیتے تھے۔

اب منرل واٹر پی کر بھی 40 سال میں بوڑھے

پہلے ڈلے والا نمک کھا کر بھی بیمار نہ پڑتے تھے

اب آیوڈین والا نمک کھا کر بھی بلڈ پریشر کا شکار ہیں

پہلے نیم' ببول' کوئلہ اور نمک سے دانت چمکاتے تھے اور 80 سال کی عمر تک بھی چبا چبا کر کھاتے تھے

اب ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتے ہیں اور روز Dentist کے پاس چکر لگاتے ہیں

پہلے روکھی سوکھی کھا کر بھی فٹ رہتے تھے

اب چکن برگر' پیزا' کڑاہی' شوارمہ کھا کر بھی قدم نہیں اٹھائے جاتے

پہلے لوگ پڑھنا لکھنا کم جانتے تھے مگر جاہل نہیں تھے

اب ماسٹرز کر کے بھی جہالت انتہا پر ہے

پہلے حکیم نبض پکڑ کر بیماری بتا دیتا تھا

اب اسپیشلسٹ پوری جانچ کر کے بھی بیماری کا پتہ نہیں چلا سکتے

پہلے 8-7 بچے پیدا کرنے والی مائیں 80 سال تک صحت مند رہتی تھیں

اب پہلے بچے کے بعد سے ہی Complications شروع

پہلے کالے پیلے گڑ کی مٹھائیاں ٹھونس ٹھونس کر کھاتے تھے

اب مٹھائی کی بات کرنے سے ہی شوگر ہو جاتی ہے۔

پہلے 100 واٹ کا بلب ساری رات چلتا تھا اور 200 واٹ کا ٹی وی چلا کر بھی بل 200 روپے مہینہ آتا تھا

اب 5 واٹ کا LED اور انرجی سیور چلا کر بھی بل 20 ہزار آتا ہے۔

پہلے خط لکھ کر سب کی خبر رکھتے تھے

اب ٹیلی فون' موبائل اور انٹرنیٹ ہو کر بھی رشتے داروں سے بے خبر

پہلے غریب اور کم آمدنی والے بھی پورے کپڑے پہنتے تھے

اب جتنا کوئی امیر ہو اتنے ہی کم کپڑے پہنتا ہے

واہ سائنس تیرے کرشمے تو ہی جانے۔

طاہرہ شیخ۔ زیرپیر

لاجواب کر دیا

پوچھا جو ہم نے.....!

کسی اور کے ہونے لگے ہو کیا.....!

وہ مسکرا کر بولے۔

پہلے تمہارے تھے کیا.....؟

دل جلے کی فریاد

میرا تو اردو پر سے اسی دن اعتبار اٹھ گیا تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ اردو میں ساس کو خوش دامن کہتے ہیں۔

حقیقت

زندگی کی حقیقت فقط اتنی ہے جب انسان سنبھلنے لگتا ہے زندگی لڑکھڑانے لگتی ہے۔

ڈگریاں در حقیقت تعلیمی اخراجات کی رسیدیں ہیں ورنہ علم تو وہی ہے جو عمل سے ظاہر ہو۔

محبت

اس ایک لفظ میں انسان کے خدا تک پہنچنے کا راز پوشیدہ ہے اور اس ایک لفظ کے اندر ہی ساری کائنات ہے۔

شزا۔ یو اے ای

Digitized by Google

شکر

جو آپ کے پاس نہیں اُس کا غم مت کیجیے
جو آپ کے پاس ہے اس کا شکر ادا کیجیے
زندگی بہت خوبصورت ہو جائے گی

عجیب پاکستانی

پاکستانی بھی عجیب ہوتے ہیں شادی کا کارڈ دینے جاؤ تو کہتے ہیں کارڈ دینے کی کیا ضرورت تھی کال کر دیتے کال کر دو تو کہتے ہیں کہ یہ کیا طریقہ ہے ہمیں نہیں جانا۔

میں تیری بندی

میں تیری بندی
مجھے بس تیرا مان
بدن لہولہو
زخموں سے سینہ چاک
پھر دے جھولی مولا
خالی ہو اسباب مال
دوسرے در میں کیوں جاؤں؟
تو جو ہے میرے پاس
میں ادنیٰ سی ایک لڑکی
آبلہ پائی کے سفر سے نڈھال
تو میرا دوست میرا ہمراز
نہیں تو مجھ سے انجان
پھر کیوں مولا دکھوں کا انبار
جبکہ جانے تو میرا ہر حال
بتا دے مجھے بس اتنی بات
انیلا ہو گی کب غموں سے آزاد؟

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

مسرتیں وہاں پروان چڑھتی ہیں جہاں اعتماد کے بیج کی آبیاری ہو (جان ملٹن)
خوشی ہی تندرستی ہے اس کے برعکس غم بیماری کا گھر ہے (لینن)
ہر نیک کام خود جگہ بنا لیتا ہے (ایمرسن)
شر کی اجازت شر ختم کرنے کے لیے بھی نہیں دی جا سکتی (روزویلٹ)
علم سے انسان کی وحشت دور ہوتی ہے (راجر بیکن)
اگر تم جیتنا چاہتے ہو تو اپنے لیے کوئی کام نکالو (والٹیر)
انسان کی حقیقی عظمت کا جائزہ اس کے اعمال سے لیا جا سکتا ہے (لاڑمیکالے)
آدمی کا بہترین معلم تجربہ ہے اور زندگی کی ٹھوکریں اعلیٰ ذریعہ تعلیم (ایڈمنڈ اسپنسر)
جنگ جنگلیوں کی تجارت ہے (جیولین بونا پارٹ)
خطا کرنا انسان کا کام ہے معاف کرنا رحمٰن کا کام ہے (پوپ الیگزینڈر)
ایسی نیکی کرو جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض پہنچے (ہنری ڈیوڈ تھوریو)
بلند حوصلہ انسان کے ہاتھوں میں آ کے مٹی بھی سونا بن جاتی ہے (برٹرنڈ رسل)
ایک شریفانہ جواب تحمل اور خاموشی ہے (ٹینی سن)



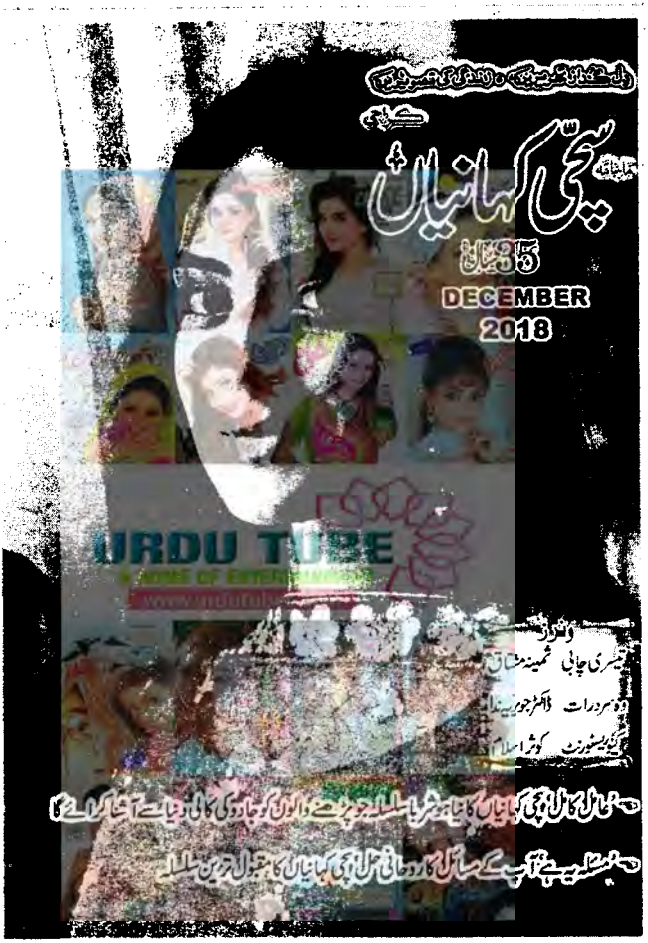
نعت شریف

حسین کا نانا ساری دنیا نے مانا
ان سے رب کو جانا یہ ہے فاطمہ کا بابا
جو اُن کا بن گیا اُس کا ہر غم ٹل گیا
اپنے بڑوں سے میں نے ہے یہ جانا
سب کے ہیں شاہ اصم دور کر دیں رنج و الم
جن کا والی کوئی نہیں ہے اُن کا یہ سہارا
پڑھیں نماز انبیاء جس کے پیچھے چڑھے جو عرش کے زینے
ہے سوائے مصطفےٰ کے کس نے ہے یہ مقام پانا
حلیمہ کا گھر سجایا جب نبی نے وہاں ڈیرہ لگایا
جھولی اس کی خالی نہ رہی جس نے تجھے ہے چاہا
شجروں کو اس نے چلایا گونگوں سے کلام کروایا
قربان جاؤں یا نبی تو نے پتھروں کو کلمہ پڑھایا

شاعرہ: انیلا طالب۔ گوجرانوالہ

Digitized by Google

سچی کھانیاں ماہ دسمبر کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

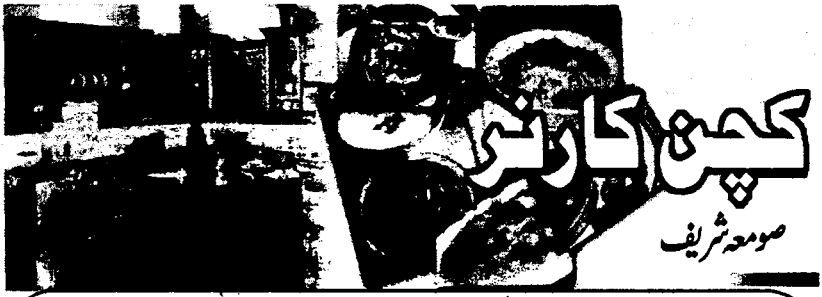


ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں

پتا: C II 88۔ فرسٹ فلور۔ خیابان جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121-35893122

Digitized by Google



کچن کارنر

صومعہ شریف

دوشیزہ قارئین کی فرمائش پر اب انتہائی سہل کھانے کی تراکیب پیش کی جارہی ہیں وہ تراکیب جو عام زندگی میں سہولت کے ساتھ استعمال کی جاسکیں۔

فوائل کباب

اجزاء:۔

گائے کا قیمہ	½ کلو
پسا ہوا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (چوپ کی ہوئی)	2 عدد
ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی)	6 عدد
ہرا دھنیا' پودینہ (چوپ کیا ہوا)	2'2 کھانے کے چمچے
پسا ہوا گرم مصالحہ	½ چائے کا چمچہ
پسی لال مرچ' پسا ہوا دھنیا	1'1 چائے کا چمچہ
ڈبل روٹی کا چورہ	ایک پیالی
انڈے (پھینٹے ہوئے)	2 عدد
نمک	ایک چائے کا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے

بھرنے کے اجزاء:

انڈے (اُبلے' بھرتہ کیے ہوئے)	3 عدد
ہرا دھنیا' پودینہ (چوپ کیا ہوا)	1'1 کھانے کا چمچہ
پیاز (چوپ کی ہوئی)	3 کھانے کے چمچے
کٹی کالی مرچ' نمک	½'½ چائے کا چمچہ

سالن کے اجزاء:

دہی (پھینٹی ہوئی)	ایک پیالی
پسا ہوا لہسن ادرک' بھنا اور پسا ہوا زیرہ	ایک ایک چائے کا چمچہ
کا جو' ہری مرچیں (پسی ہوئی)	10'10 عدد
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	2 کھانے کے چمچے
نمک	½ چائے کا چمچہ
پیاز (کدوکش کی ہوئی)	½ پیالی
تیل	½ پیالی

ترکیب:

پیالے میں بھرنے کے اجزاء ملالیں۔ قیمے کو لہسن' ادرک' لال مرچ' دھنیے اور نمک کے ہمراہ پانی خشک ہونے تک پکائیں' پھر پیاز' ہری مرچیں' ہرا دھنیا' پودینہ' گرم مصالحہ اور ایک انڈہ ملا کر چوپر میں یکجان کرلیں۔ اس آمیزے کے کوفتے بنائیں' درمیان میں بھرنے کا آمیزہ رکھ کر ٹکیاں بنالیں۔ انہیں پہلے ڈبل روٹی کے چورے' پھر باقی انڈے میں لپیٹیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کرکے ٹکیاں سنہری تل لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں پھر پیاز سنہری کرکے سالن کے باقی اجزاء گاڑھا ہونے تک پکائیں اور چولہا بند کردیں۔ المونیم فوائل کے ٹکڑوں پر ایک ایک کھانے کا چمچہ آمیزہ ڈالیں اور کباب رکھ کر لپیٹیں۔ انہیں بیکنگ ٹرے پر رکھیں اور پہلے سے

Digitized by Google

گرم اوون میں 200°C پر 15 منٹ تک پکا کر نکال لیں۔

مٹن بریانی

اجزاء:

بکرے کا گوشت	750 گرام
چاول (اُبلے ہوئے)	750 گرام
ہری مرچیں	10 عدد
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ (پسی ہوئی)	1½ چائے کا چمچہ
دھنیا (پسا ہوا)	1½ چائے کا چمچہ
ہلدی (پسی ہوئی)	¼ چائے کا چمچہ
لونگیں	6 عدد
چھوٹی الائچیاں	6 عدد
پانی	2 پیالی

پہلی تہہ کے اجزاء:

جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	½ چائے کا چمچہ
کالا زیرہ	½ چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی (پسی ہوئی)	¼ چائے کا چمچہ
تیج پتے	ایک عدد
دار چینی	2 ٹکڑے
کالی مرچیں	10 عدد
لونگیں	10 عدد
آلو بخارے	10 عدد

دوسری تہہ کے اجزاء:

لیموں (قتلے)	ایک عدد
ٹماٹر (قتلے)	ایک عدد
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	4 عدد
پیاز (تلی ہوئی)	ایک پیالی
ہرا دھنیا، پودینہ (باریک کٹا ہوا)	ایک پیالی

دہی کے اجزاء:

دہی (پھینٹی ہوئی)	ایک پیالی
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
کیوڑہ	ایک چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

گوشت میں اس کے اجزاء علاوہ چاول ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں، پھر پہلی تہہ کے اجزاء اس پر دوسری تہہ کے اجزا اور پھر دہی کا آمیزہ پھیلا دیں اس پر چاول پھیلائیں اور ½ پیالی پانی ڈال کر ڈھکن ڈھانکیں، اسے تیز آنچ پر 5 منٹ تک پکا کر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار بریانی ملا کر ڈش میں نکال لیں۔

تل والے نان

اجزاء:

میدہ (چھنا ہوا)	2 پیالی
خمیر (پانی میں گھلا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
سفید تل	3 کھانے کے چمچے
چینی	ایک چائے کا چمچہ
تازہ دودھ	گوندھنے کے لیے
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	ایک پیالی

ترکیب:

میدے میں خمیر، 3 کھانے کے چمچے مکھن، چینی، دودھ اور نمک ملا کر گوندھ لیں۔ اسے پلاسٹک کی تھیلی سے ڈھانک کر کسی گرم جگہ پر 3 گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ آٹے کے پیڑے بنا کر درمیانی روٹیاں بیل لیں، ان پر کانٹے سے نشان لگا کر تل چھڑکیں۔ انہیں اوون کی ٹرے پر رکھ کر پہلے سے گرم اوون میں 200°C پر پکائیں، 10 منٹ کے بعد نکالیں اور برش سے مکھن لگا دیں، پھر مزید 2 منٹ تک پکا کر نکالیں، مزیدار نان گرما گرم پیش کریں۔

Digitized by Google

لاہوری فش

اجزاء:۔

مچھلی	500 گرام
میدہ	ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر	¼ ٹی اسپون
پسی لال مرچ	½ ٹی اسپون
نمک	½ ٹی اسپون
ہلدی	¼ ٹی اسپون
چاٹ مصالحہ	2 ٹی اسپون
خشک دھنیا	1 ٹیبل اسپون

ترکیب:

تمام اجزاء کو اچھی طرح مکس کرلیں مکس کرتے وقت نیم گرم پانی ملائیں' اب مچھلی کو اس مکسچر میں DIP کرکے آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ تیل جب خوب گرم ہوجائے تب مچھلی ڈال کر فرائی کرلیں' رائتے اور تل والے نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

گلاب جامن

اجزاء:۔

کھویا	½ کلو
آٹا (چھنا ہوا)	½ پیالی
پسی ہوئی الائچی	¼ چائے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر	½ چائے کا چمچہ
چینی	2 پیالی
چھوٹی الائچیاں	4 عدد
پانی	3 پیالی
گھی	تلنے کے لیے
پستے بادام (باریک کٹے ہوئے)	سجانے کے لیے

ترکیب:

ایک پیالے میں علاوہ گھی' چینی اور الائچیاں باقی تمام اجزا ڈال کر آٹا گوندھ لیں۔ اس آمیزے کی چھوٹی چھوٹی بالز بنالیں' کڑاہی میں گھی گرم کریں اور سنہری تل کر نکال لیں۔ دیگچی میں چینی' الائچیاں اور پانی ملا کر چینی حل ہونے اور ایک تار آنے تک پکائیں۔ چولہا بند کرکے گلاب جامن شامل کریں۔ جب یہ شیرہ جذب کرلیں تو انہیں ڈش میں نکال لیں' مزید ارگلاب جامن پستے اور بادام سے سجا کر پیش کریں۔

لب شیریں

اجزاء:۔

تازہ دودھ	ایک لیٹر
اسٹابیری جیلی کرسٹلز	300 گرام
نوڈلز (اُبلے ہوئے)	ایک پیالی
اناناس کے ٹکڑے	ایک پیالی
اخروٹ (باریک کٹے ہوئے)	ایک پیالی
چینی	ایک پیالی
بادام (باریک کٹے ہوئے)	15 عدد
تازہ کریم	2 پیالی
ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر (پانی میں گھلا ہوا)	3 کھانے کے چمچے

ترکیب:

2 پیالی پانی ابال کر جیلی کرسٹلز گھولیں اور فرج میں رکھ کر جمالیں' پھر ٹکڑے کاٹ کر رکھ لیں۔ دیگچی میں دودھ ابال لیں اور ایک پیالی چینی ملادیں۔ اس میں چمچہ چلاتے ہوئے کسٹرڈ شامل کریں اور گاڑھا ہونے پر چولہا بند کردیں۔ کریم میں باقی چینی ملا کر پھینٹیں۔ سرونگ ڈش میں ½ اناناس' ½ جلی' ½ اخروٹ' ½ بادام اور نوڈلز ملا باقی کسٹرڈ ڈال دیں۔ اس پر کریم کی تہہ لگا کر باقی اخروٹ' بادام' جیلی اور اناناس ڈالیں اور خوب ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔

☆☆.....☆☆

URDU TUBE
Digitized by Google